ردا ڈائجسٹ

NOVEMBER
2015

ماڈل: نیلم

میک اپ: روز بیوٹی پارلر

فوٹوگرافی: موسیٰ رضا

گوشہ آگہی صالحہ محمود ۶

انٹرویو

سلسلے وار ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

نومبر 2015ء

جلد نمبر 20 شمارہ نمبر 11

قیمت 60 روپے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

720 روپے

34535726

مستقل سلسلے





ہر چشم گریاں منتظر ہے بہار موسم کی، جہاں پھول کھلے ہوں اور موسم کی کوئی بھلی ہوئی رُت آئے اور زمین پر یوں برس جائے کہ محبتوں چشمے پھوٹ پڑیں۔ سایہ محبت کے تناور درختوں کے نیچے آنے والی فصل سایۂ شجر میں آباد رہے۔ خواب دیکھنا ایک اچھی عادت ہے اچھے خواب مجھے ہمیشہ نظر آتے ہیں۔ برے خواب شیطان کی علامت لیکن بلانا گہانی کو آپ ٹال بھی نہیں سکتے۔ اچھا سوچے اچھا ہوگا۔ ہمیشہ خوش اور آباد رہنے کے لیے کینہ پروری اور حسد کو نکالنا ہوگا۔ سایۂ شجر کی آبیاری میں دور تک محبتوں کے پھول کھلتے ہیں جب ہم کسی کو کچھ دیتے ہیں تو واپسی پر ہم بھی خالی ہاتھ نہیں ہوتے۔ یہاں سوال پوری زندگی کا ہے۔ جس نے ہمیں آغوش مدر سے اٹھا کر زمین پر کھڑا کر دیا اور ہم سایۂ شجر میں آباد ہو گئے۔ انسان کو بھی تو زادِ سفر کے لیے کچھ دینا پڑے گا تو ہمارے ساتھ بھی زادِ سفر ساتھ ہوگا۔ اللہ کی ذات بے نیاز ہے بلاشبہ انسان بندہ بشر ہے۔ ہم کچھ نہیں پھر بھی سانس لیتے ہیں۔ سانس لینے کا حق تو ادا کرنا پڑے گا۔ یعنی رب باری تعالیٰ کے سامنے جھکنا پڑے گا۔ زندگی کا مقصد یہی یاد رکھنا ہے۔ انسان بلاتکلف انسان کی غیر موجودگی میں پیٹھ پیچھے یعنی ڈسکلیشن کہتے ہیں وہ غیبت ہے۔ غیبت ہمارے سارے اچھے عمل کا ایک ایسا جزو ہے جس سے بھائی کے گوشت کی بو آتی ہے۔

''اللہ تعالیٰ اس کو پسند کرتا ہے کہ انسان بدگوئی پر زبان کھولے الا یہ کسی پر ظلم کیا گیا ہو۔'' (النساء:148)

غیبت انسانی خوبیوں کی عمارت کو معدوم کر دیتی ہے اور اخلاق کے سارے سوتوں کو خشک کر دیتی ہے۔ معاشرے کے ہولناک اثرات میں یہ بھی ہے کہ افراد میں باہم بغض اور عداوت کی آگ بھڑک اٹھتی ہے اور ہم پھر طبقات میں بٹ کر خود مسلمان ایک دوسرے کے خلاف ہو جاتے ہیں۔ یہ تربیت ہمارے ماحول ہمارے ارد گرد بسنے والے دیتے ہیں لیکن باکردار باصلاحیت ایک بچی جب ماں کے روپ میں آتی ہے تو اس کو اپنی پرورش میں سے اس چیز کو نکال دینا چاہیے چھوٹی چھوٹی باتیں اگر گرہ میں باندھ لیں جائیں تو آنے والے وقت میں ہم ایک اچھے معاشرے کو جنم دے سکتے ہیں اور پھر سایۂ شجر میں بسنے والے بھی دھوپ میں نہ جلیں گے۔

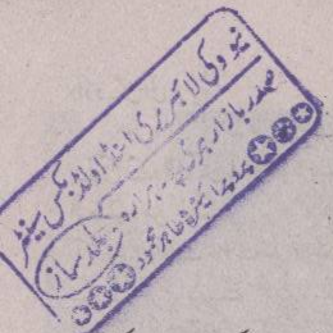
بس یہی ایک چھوٹی سی بات تھی جو میں آپ سے شیئر کر چلی۔ نفرت کو جنم نہ دیں بچوں سے گلے شکوے ماں باپ بہن بھائیوں کے نہ لے کر بیٹھیں ان کے ذہنوں پر اچھے اثرات چھوڑیں یہ میرا ابھی ایک عمل تھا سو میں ذکر کر چلی۔

زلزلے کی ہولناک تباہی دیکھ کر ہمیں استغفار پڑھتے رہنا چاہیے قدرتی آفات سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ مانگیں اور آفت زدہ لوگوں کے لیے دعا کیجیے، انہیں اس وقت ہماری ضرورت ہے۔

اس بار ایک ''اہم موڑ'' قمروش شہک کا بہت ہی خوب صورت ناول جو کہ مسلسل ردا میں شائع ہوتا رہا بے حد پذیرائی کے بعد اس ماہ اختتام پذیر ہو گیا اور بہت جلد آپ اسے کتابی شکل میں پڑھ سکیں گی۔ قمروش آپ نے اینڈ بہت خوبصورت کیا ہے۔

نئے لکھنے والے تعاون جاری رکھیں، ہم انہیں ایک موقع ضرور دیتے ہیں۔ ردا کے ساتھ رہیے سندیسہ ضرور لکھیے۔ ہماری رہنمائی کا ذریعہ آپ کا سندیسہ۔

آپی





قرآن کریم کے فضائل کا بیان

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن کریم کے ساتھ وابستگی رکھنے والے سے کہا جائے گا کہ تم قرآن کریم کی تلاوت کرتے ہوئے جنت کے درجات پر چڑھتے جاؤ اور قرآن کریم کی تلاوت آہستہ آہستہ کرنا جیسا کہ تم دنیا میں آہستہ آہستہ کرتے تھے۔ تمہارا مقام وہ ہے جہاں تم اپنی آخری آیت کی تلاوت کرو گے۔'' (ترمذی، ابوداؤد۔ عن عبداللہ بن عمروؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس آدمی کے دل میں قرآن مجید سے کچھ حصہ نہیں ہے۔ وہ بے آباد گھر کی طرح ہے۔'' (ترمذی۔ عن ابن عباسؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابی بن کعبؓ سے کہا۔ ''تم نماز میں کیا تلاوت کرتے ہو؟'' تو انہوں نے سورۂ فاتحہ کی تلاوت فرمائی (اس پر) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میری جان ہے تورات، انجیل، زبور اور قرآن مجید میں اس جیسی کوئی اور سورت نازل نہیں ہوئی ہے بلاشبہ اس سورت کی 7 آیت ہیں جس کی بار بار تلاوت ہوتی ہے اور یہ قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔'' (ترمذی۔ عن ابی ہریرہؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن کریم کی تعلیم حاصل کرو (اس کے بعد) اس کی تلاوت کرتے رہو۔ یاد رکھو جب کوئی آدمی اس کی تعلیم حاصل کرتا ہے پھر تلاوت کرتا ہے اور اس کو نماز میں پڑھتا ہے تو اس کی مثال اس تھیلے کی مانند ہے جو کستوری سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا منہ کھلا ہوا ہو اور اس کی خوشبو ہر جگہ مہک رہی ہو اور اس آدمی کی مثال جس نے قرآن کریم کی تعلیم حاصل کی پھر وہ (غافل ہو کر) سوتا رہا تو قرآن کریم اس کے دل میں اس تھیلے کی مانند ہے جس میں کستوری بھری ہے (لیکن) اس کا منہ (رسی کے ساتھ) باندھا گیا ہو۔''

(ترمذی، نسائی، ابن ماجہ۔ عن ابی ہریرہؓ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے ایک کتاب تحریر کی اس میں سے سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتیں مجھ پر نازل فرمائیں جب کسی گھر میں یہ دو آیتیں رات کو تلاوت کی جائیں گی تو شیطان اس گھر کے قریب بھی نہیں آئے گا۔''

(ترمذی۔ عن نعمان بن بشیرؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جس آدمی نے (روزانہ) سورۂ کہف (سورہ نمبر 18) کی شروع کی تین آیات کی تلاوت کی وہ دجال کے فتنے سے محفوظ رہے گا۔'' (ترمذی۔ عن ابی الدرداءؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قرآن کریم میں ایک ایسی سورت ہے جس کی 30 آیات ہیں وہ اس آدمی کے حق میں سفارش کریں گی (جو اس کی تلاوت کرتا ہو) یہاں تک کہ اس کو معاف کر دیا جائے گا۔ وہ سورۂ ملک (سورہ نمبر 67) ہے۔'' (ابو

داؤد۔ عن ابی ہریرہؓ)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے صبح کے وقت تین بار اَعُوْذُ بِاللّٰہِ السَّمِیْعِ الْعَلِیْمِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھ کر سورہ حشر کی آخری تین آیات تلاوت کیں تو اللہ رب العزت اس کے لیے ستر ہزار فرشتے مقرر فرماتے ہیں جو شام تک اس کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں اگر وہ اسی دن فوت ہوا تو اسے شہداء کی صف میں شامل کیا جائے گا اور جس نے شام کے وقت یہ کلمات پڑھے تو اسے بھی یہی اجر ملے گا۔"

(ترمذی، دارمی، عن معقل بن یسارؓ)

ایک صحابیؓ سورہ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ کی تلاوت کر رہے تھے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا اور فرمایا: "(تم پر) واجب ہو گئی۔" میں نے پوچھا: "کیا واجب ہو گئی؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جنت واجب ہو گئی۔"

(ترمذی، نسائی، عن ابی ہریرہؓ)

میں ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جحفہ اور ابواء کے مقام کے درمیان جا رہا تھا ناگہاں ہمیں سخت آندھی نے گھیر لیا اور اندھیرا ہو گیا۔ اس وجہ سے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ الفلق اور سورۃ الناس پڑھنا شروع کر دیا اور فرمایا: "اے عقبہ تم بھی ان دونوں سورتوں کے ساتھ پناہ طلب کرو۔ کسی پناہ طلب کرنے والے کے ان دو سورتوں جیسی اور کوئی چیز نہیں۔"

(ابوداؤد۔ عن عقبہ بن عامرؓ)

بارش اور سخت آندھی والی رات میں باہر نکل کر ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کر رہے تھے آخر کار ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جا ملے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم پڑھو۔" میں نے عرض کیا: "کیا پڑھوں؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تم قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اور معوذتین (سورتیں) صبح و شام 3 بار پڑھو۔ تمہیں ہر چیز سے کفایت کریں گی۔" (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، عن عبداللہ بن خبیبؓ)

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس آدمی نے کتاب اللہ سے ایک حرف کی تلاوت کی اس کو اس کے بدلے میں ایک نیکی ملے گی اور ایک نیکی کا ثواب 10 گنا ہے۔ میں یہ نہیں کہتا الم ایک حرف ہے بلکہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم بھی ایک حرف ہے۔"

(ترمذی، دارامی، عن ابن مسعودؓ)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک آدمی نے حاضر ہو کر عرض کیا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تعلیم دیجیے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جن سورتوں کے شروع میں الر ہے ان میں سے 3 سورتیں تلاوت کرو۔" اس نے عرض کیا: "میری عمر زیادہ ہو چکی ہے اور میرے دل پر بھول کا غلبہ ہے اور میری زبان سخت ہو چکی ہے۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "پھر جن سورتوں کے شروع میں حم ہے ان میں 3 سورتوں کی تلاوت کرو۔" اس پر اس آدمی نے پھر وہی بات کہی اور اس آدمی نے عرض کیا: "اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کسی جامع سورت کی تعلیم دیں۔" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو سورہ اِذَا زُلْزِلَتْ کی تلاوت کا حکم دیا یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورت کو ختم کیا (یہ سن کر) اس آدمی نے عرض کیا: "اس ذات کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق و صداقت کے ساتھ معبوث فرمایا ہے۔ میں اس میں کچھ زیادہ نہیں کروں گا۔" اس کے بعد وہ آدمی چلا گیا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مرتبہ فرمایا: "یہ آدمی کامیاب ہے۔"

(احمد، ابوداؤد۔ عن عبداللہ بن عمرؓ)

......☆......

قمروش شہک

سلسلہ وار ناول

قسط آخری

تیرے پیار کی خوشبو

وانیہ کی آنکھیں بھیگنے لگی تھیں۔ غم کی شدت سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ دل چاہا کہ خودکشی کر لے۔ حسن آفریدی کی آواز ابھی بھی کانوں کے پردے جیسے پھاڑ رہی تھی۔ وہ چلتی ہوئی لان کی طرف کھلنے



والے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ دروازہ کھولا اور ریلنگ کے پاس آ کھڑی ہوئی حسن آفریدی کو دیکھنے لگی۔

عارفین نے حسن آفریدی سے گیٹار مانگا اور ریکوئسٹ کی کہ اس کا آخری مصرعہ وہ بھی گائے کیونکہ یہ گانا اس کا بھی فیورٹ ہے۔

میری قسمت کے ہر اک پنّے پہ میرے جیتے جی بعد مرنے کے
میرے ہر اک پل ہر اک لمحے میں تو لکھ دے میرا اسے
اے خدا...... اے خدا...... جب بنا اس کا ہی بنا......

عارفین نے وہ گانا میوزک کی دھن پر گنگنایا تھا صرف اس کی انگلیاں چل رہی تھیں آنکھیں اور ہونٹ بالکل چپ تھے۔



وانیہ نے جو سم نوری کے موبائل سے نکال کر اپنے موبائل میں لگالی تھی کبھی موقع ہی نہیں لگا کہ اسے استعمال کرے۔ نہ ہی کبھی اس پر کسی کی کال آئی تھی۔ مگر آج شاید وقت آ گیا تھا اس سم کو استعمال کرنے کا، وانیہ نے وہ نمبر ڈائل کیا بیل جا رہی تھی۔

حسن آفریدی نے اپنا موبائل دیکھا وہاں نوری کا نمبر اسکرین پر جھلملا رہا تھا۔ اس نے اچھنبے ہو کر وہ نمبر دیکھا تھا۔

''اس نے مجھے کیوں فون کیا ہے؟'' وہ صرف سوچ کر رہ گیا تھا۔ بلوریں آنکھوں میں سوال ڈول رہا تھا۔ وہ بلوریں آنکھیں محفل میں وانیہ کو تلاش کر رہی تھیں مگر وہ یہاں تھی ہی نہیں۔ اس نے ایک سرد سانس لی اور موبائل پھر دیکھا جہاں ابھی بھی کال آ رہی تھی۔ اس نے فون آن کر کے کان سے لگایا۔

''ہاں نوری بولو کیسے فون کیا؟'' لب و لہجے میں بہت بے زاری تھی۔

مگر وہاں سے کچھ نہیں بولا گیا بلکہ لائن کٹ کر دی گئی تھی حسن آفریدی نے موبائل کان سے ہٹا کے عجیب نظروں سے فون کو دیکھا تھا۔

وانیہ نے نمی بھری آنکھوں سے دیکھا تھا۔

''ویلڈن یار! بہت زبردست آواز پائی ہے تم نے۔'' سلجوق آفریدی نے دل کھول کر داد دی تھی بلکہ خوشی سے مصافحہ کے لیے ہاتھ بھی بڑھایا تھا جو اس نے مسکرا کے تھام لیا تھا۔

''آخر بھیو کس کے ہیں۔'' حنین آفریدی کی زبان پھر پھسلی تھی۔ سلجوق آفریدی نے پھر چونک کر اسے دیکھا تھا۔ اس نے ایک بات اور نوٹ کی تھی کہ حنین آفریدی کی طرح حسن آفریدی کی بھی آنکھیں بلوریں تھیں۔

موبائل پر پھر سے نوری کا فون آنے لگا تھا۔ حنین آفریدی نے حسن آفریدی کا فون دیکھا بیل بج رہی تھی مگر وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ وانیہ پر نظر حنین آفریدی کی ہی پڑی تھی۔ وہ بھی اچانک...... وہ حسن آفریدی سے کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بالکل سامنے حسن آفریدی کے بیڈ روم میں کھلنے والی بالکنی میں وانیہ کان سے موبائل لگائے حسن آفریدی کو ہی دیکھ رہی تھی۔

''ہنی بھیو......'' حنین آفریدی نے دھیرے سے پکارا۔

''ہوں۔'' حسن آفریدی نے اسے دیکھا۔

''ادھر دیکھیں۔'' حنین آفریدی کی نظروں کے تعاقب میں حسن آفریدی نے ادھر دیکھا تھا۔ وانیہ اسے ہی ڈبڈبائی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

''اوہ شٹ۔'' وانیہ نے حسن آفریدی کے اس طرف دیکھنے پر سر کو نفی میں اِدھر اُدھر ہلایا تھا۔ حسن آفریدی تیزی سے اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا۔ حسن آفریدی تیزی سے اندر کی سمت بڑھا تھا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' ارشد نے اس کی جلد بازی نوٹ کی۔

''کہیں نہیں بس ابھی آتا ہوں۔'' وہ پھر رکا نہیں تھا۔

''یا اللہ ان دونوں کے بیچ سب کچھ صحیح ہو جائے۔'' حنین آفریدی کے دھیرے سے بولنے پر سلجوق آفریدی نے پھر اسے چونک کر دیکھا اور پھر اندر بڑھتے حسن آفریدی کو دیکھا تھا۔ حسن آفریدی تیزی سے تقریباً بھاگتا ہوا دو تین سیڑھیاں ایک ساتھ پھلانگتا ہوا اپنے بیڈ روم میں پہنچا تھا اور اس کا سوچنا درست تھا۔ وانیہ اس کے آنے سے پہلے ہی بھاگنے کے لیے پر تول رہی تھی۔ حسن آفریدی دروازہ کھول کر جیسے ہی

اندر داخل ہوا تھا۔ وانیہ تیزی سے پیچھے ہٹی تھی۔ حسن آفریدی نے اپنا اس قدر پھیلا ہوا بیڈ روم دیکھا۔ جہاں ایک بھونچال سا آیا ہوا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی آندھی طوفان یہاں سے آ کر گزرا ہو۔ اس کے بیڈ روم کی کوئی ایسی چیز نہیں تھی جو اپنی جگہ پر موجود ہو ٹیبل سے اس کی ساری ضروری فائلز و کاغذات نیچے کارپٹ پر بکھرے پڑے تھے۔ وارڈ روب سے سارے تہہ شدہ کپڑے ہینگر میں لٹکے اس کی شرٹ اینڈ ٹی شرٹ سب نیچے بے دردی سے پھینکے گئے تھے۔ وہیں پر اس کی البم بھی کھلی پڑی تھی اس کے کارڈز، کریڈٹ کارڈ، اے ٹی ایم کارڈ، شناختی کارڈ اس میں رکھے بہت سے پیسے سب کے سب وہیں دبیز کارپٹ پر الٹے سیدھے پڑے تھے اور جس نے یہ سب کیا وہ دشمنِ جان نہایت خوف زدگی سے کسی خوفزدہ چڑیا کی طرح سہم کر اسے دیکھ رہی تھی۔

وانیہ کی رنگت سپید پڑنے لگی تھی۔ وہ یہ کیسے بھول گئی کہ حسن آفریدی صفائی کے معاملے میں کس قدر پوزیسو ہے۔ اسے معمولی سی بھی کمرے کی کسی شے پر دھول پسند نہیں ہے۔ اس کو پھیلا ہوا کمرہ نہیں پسند۔ یہ سب اسے وہ پہلے ہی باور کرا چکا تھا

مگر حسن آفریدی کے چہرے پر معمولی سا بھی غصہ کا شائبہ تک نہیں تھا۔ وہ اس کو مزید خوف زدہ و ہراساں کر کے مزید خود کا نقصان نہیں کرنا چاہتا تھا۔ حسن آفریدی نے بغور اس کا بھیگا چہرہ دیکھا تھا۔

''اتنا بڑا دھوکہ......'' خوف و ڈر کی وجہ سے اس سے بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔

''وانی میری بات سنو!'' حسن آفریدی اس کی طرف بڑھا تھا۔

''خبردار! میرے قریب مت آیئے گا۔ آپ نے میری زندگی کو مذاق بنا دیا ہے۔ میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

ان نین کٹوروں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔ جن سے حسن آفریدی کو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

وانیہ کے ڈر و خوف میں تھوڑی سی ہمت پیدا ہوئی تھی۔

''وانیہ جان! مجھے اپنی صفائی میں کچھ بولنے تو دو۔'' وہ ایک ہی قدم میں اس تک پہنچا تھا اور نرمی سے کہتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھ تھام لیے تھے۔

''خاموش ہو جائیں نہیں سننی مجھے آپ کی کوئی بھی بات اور نہ ہی آپ مجھے ان بے ہودہ لفظوں سے پکاریں۔'' وانیہ نے نہایت بے دردی سے اس کے دونوں ہاتھوں کو جھٹک دیئے تھے اور مزید اس سے دور ہٹی تھی۔

''اوکے مگر تمہیں میری بات سننی ہو گی۔''

''وانیہ اس وقت زخمی ہرنی بنی ہوئی تھی۔ نہ ہی تو حسن آفریدی کو کچھ کہنے دے رہی تھی اور نہ ہی اپنے قریب آنے دے رہی تھی۔ وہ جھنجھلا گیا تھا۔

''وانیہ اسٹاپ اٹ!''

بالآخر حسن آفریدی کے چہرے پر غصہ در ہی آیا تھا۔ وانیہ ایک دم سب رونا دھونا بھول کر ساکت و جامد ہو گئی۔ وہ یہ کیسے بھول گئی کہ سامنے آفریدی کھڑا ہے جس کے سائے سے وہ آج بھی خوفزدہ تھی اور خاص کر ان بلوریں آنکھوں سے جن میں اس نے ہمیشہ سے سرخ ڈورے ایک غصے کی چنگاری لیے دیکھے تھے۔ اس کی زبان تالو سے جا چپکی تھی۔ سانسیں تھم سی گئی تھیں، دل کی دھڑکنیں دھڑکنا بند ہو گئی تھیں،

آنکھوں کے گرد اندھیرا سا چھانے لگا تھا، ہوش وحواس کھونے لگے تھے۔ عقل وخرد کے سارے دروازے بند ہوگئے تھے، وہ لڑکھڑا کے گر ہی جاتی اگر بروقت حسن آفریدی نے اسے تیزی سے آگے بڑھ کر اسے اپنی آہنی مضبوط بانہوں میں تھام نہ لیا ہوتا۔

''او مائی گاڈ!'' اب گھبرانے کی باری اس کی تھی۔ اس نے وانیہ کے پھول جیسے وجود کو اپنے چوڑے مضبوط بازوؤں میں اٹھا لیا اور چلتا ہوا اپنے جہازی سائز بیڈ پر لٹا دیا تھا اور خود اس کے پاس اس کے قریب ہی بیٹھ گیا۔ اسے خود پر جتنا غصہ آتا کم تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وانیہ اس کے سائے سے بھی کس قدر خوف زدہ ہے اور وہ رات...... وہ رات بھلا وہ کیسے بھول سکتا تھا جو وانیہ کے ڈر و خوف کے تابوت میں آخری کیل تھی۔ وہ آرام سے اس پر جھکا تھا۔

''وانی...... وانیہ......''

حسن آفریدی نے اس کے رخسار پر اپنی ہتھیلی پھیری تھی۔ وانیہ نے اتنی زور سے آنکھیں میچ رکھی تھیں جیسے اب کبھی نہیں کھولے گی۔ حسن آفریدی نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا اس چہرے سے بارہا اس نے شدید نفرت کی تھی۔ حالانکہ یہ چہرہ شہلا آفریدی سے کتنا شبہات رکھتا تھا۔ ریحان شیخ نے جو کچھ کیا اس سے کہیں زیادہ حساب وہ اس وجود سے سود سمیت وصول کر چکا تھا کہ اس کے جسم کے ساتھ ساتھ روح بھی گھائل ہوگئی تھی۔ اس کا رواں رواں زخمی ہوگیا تھا۔ اس کا نفس اس کی نسوانیت اس کا اعتماد، انا سب کانچ کے ٹکڑوں کی طرح ریزہ ریزہ ہو کر بکھر گیا تھا مگر جو بھی کیا جیسا بھی سلوک و برتاؤ اس نے وانیہ کے ساتھ کیا یہ بھی حقیقت تھی کہ وہ اس چہرے سے بے پناہ پیار کرتا تھا۔ اس کے وجود کے بغیر رہ نہیں سکتا اس کا پیار اس کی محبت وانیہ کے لیے عشق میں جنون میں کب بدلا وہ بھی نہیں جانتا تھا۔ وہ بغور اس کا ایک ایک نقش تکنے لگا تھا اور نگاہ بھٹکتی ہوئی اس کی صاف وشفاف صراحی دار گردن کے بیچ میں پڑے تل پر ٹھہر گئی تھی۔ وہ خود کو اپنی بے قراری کو روک نہیں سکا۔ تا دیر اپنے جذبات پر بند نہیں باندھ سکا تھا۔ وہ جھکتا چلا گیا اور اس کی صاف وشفاف صراحی دار گردن پر اپنے عشق وجنون کی مہر ثبت کرتا چلا گیا تھا۔ وانیہ کی آنکھ کسی احساس کے تحت کھلی تھی۔ پہلے تو کچھ سمجھ میں نہیں آیا مگر سوتے منجمد اعصاب جاگے تو محسوس ہوا کہ حسن آفریدی اس پر جھکا ہوا ہے۔ خود پر جھکے حسن آفریدی کے دونوں چوڑے کندھوں پر ہاتھ رکھ کے پوری طاقت سے اس نے اس کو الگ کیا تھا اور تیزی سے اٹھی دوسری سائیڈ سے بھاگنے لگی کہ حسن آفریدی نے اس سے زیادہ تیزی سے وانیہ کا بازو تھام کر اپنی سمت کھینچا کہ وہ مکمل اس کے حصار میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ وانیہ کے چہرے پر خوف وڈر واضح پڑھا جا سکتا تھا۔

''اس طرح اگر مجھ سے ڈرتی رہو گی تو میری بات کیسے سنو گی۔'' اس نے اپنی چمکتی ہوئی بلوریں آنکھیں وانیہ کی سہمی سہمی آنکھوں میں ڈال دی تھیں۔

''مجھے کچھ نہیں سننا آپ مجھے جانے دیں۔'' ان سہمی سہمی خوفزدہ آنکھوں سے چند موتی ٹوٹنے لگے تھے اور اس سے پہلے کہ وہ اپنا اصل کھوتے حسن آفریدی نے جھک کر اس کی پلکوں پر اپنے لب رکھ دیئے تھے۔

''اب مت رونا۔''

وانیہ کی آنکھیں حسن آفریدی کی جسارت پر پھٹی کی پھٹی ہی رہ گئیں۔ اتنا تو وہ جان ہی گئی تھی کہ اب کسی بھی قسم کی کوئی بھی مزاحمت کرنا بے کار ہے۔ اس نے پھر ایسی کوئی کوشش نہیں کی۔ خاموشی سے اس کی بات

سننے میں ہی بھلائی تھی۔

حسن آفریدی کو جب یقین ہوگیا کہ وانیہ اس کی بات سننے کو راضی ہوگئی ہے تو اس نے اپنی گرفت کے حصار سے اسے آزاد کر دیا تھا مگر اس کا نازک ہاتھ ہنوز اس کی مضبوط مٹھی میں قید تھا۔

''تمہارے جانے کے بعد شہلا پھپھو نے بھی میرا ساتھ چھوڑ دیا تھا، جب میں نے انہیں بتایا کہ میں نے آپ کا بدلہ ریحان شیخ کی بیٹی سے لے لیا ہے تو ان کی آنکھیں جو ایک عرصے سے خشک تھیں، پتھرا گئی تھیں، جانے کہاں سے ان آنکھوں میں ایک سمندر آ ٹھہرا تھا جو مضبوط بندھ توڑ کر انہیں ہی نہیں میری تم سے شدید نفرت بھی اپنے ساتھ بہہ لے گیا۔ وہ ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے چلی گئیں مجھے تنہا اکیلا کر کے۔'' ان بلوریں آنکھوں میں ایک درد، ایک کرب تھا بہت گہرا جدائی کا دکھ تھا۔ وانیہ نے حسن آفریدی کے چہرے پر لکھی تکلیف کو بغور دیکھا تھا تو ان آنکھوں میں وہ چہرہ بھی جھپ سے آ رکا تھا جو اس نے حسن آفریدی کے گھر پر بستر پر دیکھا تھا۔

''میں اپنی شہلا پھپھو سے بچپن سے ہی بہت محبت کرتا تھا ان سے اٹیچ تھا۔ ان کا اتنا بڑا دکھ مجھ سے برداشت ہی نہیں ہوا۔ دس سال کی عمر سے ہی میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ میری زندگی کا صرف ایک ہی مقصد ہے، ریحان شیخ کی ہر طرح سے بربادی اور میں اپنے مضبوط ارادوں اور مقصد میں کامیاب بھی ہوگیا تھا۔ تم سے شدید نفرت کرتے کرتے کب تم میرے اندر محبت کی جڑیں پھیلا گئیں مجھے پتا ہی نہیں چلا۔'' اس نے محبت وچاہت سے وانیہ کو دیکھا تھا۔ وانیہ جو بغور اس کا چہرہ تک رہی تھی اس کے یوں چاہت بھری نظروں سے دیکھنے پر بری طرح جھینپ کے رہ گئی حیا سے پلکوں کی باڑ لرز کے رہ گئی تھی۔

''اس دن میں تمہارے پاس واپس آ رہا تھا تمہیں لینے کے لیے۔ ریحان شیخ نے جو کچھ شہلا پھپھو کے ساتھ کیا اس کا درد انہوں نے پا لیا تھا جو کچھ انہوں نے شہلا پھپھو کو دیا اس سے کہیں زیادہ تکلیف نقصان انہیں مل چکا تھا۔ مجھے اب ریحان شیخ سے کوئی سروکار کوئی مطلب نہیں تھا۔ میں نے تم سے نکاح کیا تھا تم میری بیوی تھیں۔ اس لیے میں نے سوچ لیا تھا کہ میں تمہیں لے کر ہمیشہ کے لیے یہاں سے اس ملک کو چھوڑ کے چلا جاؤں گا، جہاں صرف میں اور تم اپنی الگ دنیا بسا کے رہیں گے، جہاں دکھ ودرد کا معمولی سا بھی سایہ ہم کو چھو نہ سکے مگر وہ حادثہ...... اس حادثے نے سب کچھ ختم کر دیا تھا، میں جس گاڑی میں تھا اس گاڑی میں پہلے سے بم لگا دیا گیا تھا جس کا ریموٹ کنٹرول ریحان شیخ کے ہاتھ میں تھا۔ ریحان شیخ نے بٹن دبا دیا تھا اور وہ گاڑی بلاسٹ ہوگئی تھی یہ میری خوش قسمتی تھی کہ گاڑی بلاسٹ ہوتے ہی میں ونڈ اسکرین سے اچھل کے دور جا گرا تھا۔ ریحان شیخ نہیں جانتا تھا کہ میں اچھل کر گاڑی سے نکل کر دوبارہ جا گرا ہوں، ورنہ ریحان شیخ مجھے اس طرح کبھی نہیں چھوڑتا اس کا پورا پورا پلان تھا کہ وہ مجھے آج ختم ہی کر دے گا مگر گاڑی کی شیشوں کی کرچیوں سے میرا وجود زخمی زخمی ہوگیا تھا اور جو سب سے بڑا نقصان ہوا تھا وہ میرا چہرہ تھا میرا پورا چہرہ مسخ ہوگیا تھا۔ اس وقت میں نے اس قدر تکلیف برداشت کی تھی کہ شاید ہی زندگی میں کبھی اتنی تکلیف سہی ہوگی۔ ریحان شیخ تو اپنا کام کر کے کب کا جا چکا تھا مگر میں دور ایسے ہی زخمی زخمی لہولہان سا روڈ پر پڑا تھا کچھ لوگوں نے اٹھا کر مجھے قریبی اسپتال میں پہنچا دیا تھا۔ ڈاکٹرز کے بھی میری ایسی کنڈیشن دیکھ کر رونگھٹے کھڑے ہوگئے تھے۔ میں نے صرف اتنی ہمت کی کہ ڈاکٹر سے کہہ کر اپنے جگری دوست ارشد کو فون کرا دیا تھا۔ ارشد ایک کال پر پہلی فلائٹ سے ہی اسلام آباد پہنچا تھا۔

''او مائی گاڈ! حسن یہ کیا ہوا ہے کس نے کیا ہے تمہارے ساتھ اس طرح۔'' ارشد کی آنکھوں میں دکھ ہلکورے لے رہا تھا۔ حسن آفریدی کی تکلیف اسے اپنے اندر محسوس ہوئی تھی۔

''یار...... تم...... بس میرا...... علا...... علاج کروا...... دو......'' یہ چند جملے بمشکل تکلیف کی شدت سے اس کے منہ سے نکلے تھے۔ چہرے کی پوری کھال جھلس کے رہ گئی تھی۔ سوائے ان بلوریں آنکھوں کے۔ چہرے کا ہر نقش جل کے رہ گیا تھا۔

''تو خاموش مت بول میں تیرا علاج کرواؤں گا تجھے کچھ نہیں ہو گا۔'' ارشد سے اس کا پٹیوں میں جکڑا وجود دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ اس کا دل اس قدر دکھا تھا وہی جانتا تھا خون کے آنسو رو رہا تھا۔

ارشد نے ایک دو گھنٹے میں ارجنٹ امریکہ کی دو سیٹیں کنفرم کرالی تھیں۔ کتنے ہی گھنٹوں کی مسافت طے کر کے وہ حسن آفریدی کے ساتھ امریکہ کے اسپتال میں موجود تھا۔ حسن آفریدی کا آپریشن شروع کر دیا گیا تھا۔

''مسٹر ارشد! حسن آفریدی کا چہرہ پوری طرح جھلس کے رہ گیا ہے پلاسٹک سرجری سے ان کا پورا چہرہ کسی اور چہرے میں تبدیل ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر نے انگریزی میں ارشد سے کہا تھا۔

''نو پرابلم ڈاکٹر! حسن کی زندگی سے بڑھ کر کچھ نہیں ہے۔''

''اوکے تو پھر آپ جلدی سے کچھ پیپرز پر سائن کر کے فارمیلٹی پوری کریں۔ ہم آپریشن کی تیاری کرتے ہیں۔'' حسن آفریدی کا آپریشن کامیاب ہو گیا تھا کتنے ہی دن وہ اسپتال میں رہا تھا۔ اس کا چہرہ سفید پٹیوں میں جکڑا ہوا تھا۔

آج اس کے چہرے سے پٹیاں ہٹائی تھیں۔ ڈاکٹرز اور ارشد روم میں داخل ہوئے۔ حسن آفریدی کے چہرے کی پٹی ہٹا دی گئی تھی۔ اسے ایک نیا چہرہ ملا تھا، ڈاکٹر نے اسے آئینہ دکھایا۔

''ارشد! میرا چہرہ......'' حسن آفریدی نے اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا تھا۔

''تمہارا کانچ کی کرچیوں اور بلاسٹ کی تپش سے پورا چہرہ جھلس گیا تھا۔ تمہارے چہرے کی پلاسٹک سرجری کرنی ضروری تھی۔'' ارشد نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

حسن آفریدی نے کچھ نہیں کہا۔ خاموشی سے آئینہ دیکھا تھا، اس میں اپنا نیا چہرہ دیکھا تھا۔ کچھ عرصہ وہ وہیں امریکہ میں ہی رہے ڈاکٹرز کی بہترین ٹریٹمنٹ سے وہ جلد صحت یابی کی طرف لوٹنے لگا تھا۔

''ہم اسلام آباد واپس آ گئے ارشد کو اپنی کوئی میٹنگ اٹینڈ کرنی تھی اور مجھے تمہارے پاس آنا تھا مگر ہر دکھ ایک طرف تمہاری جدائی کا دکھ ایک طرف۔ تم دنیا کی بھیڑ میں کہاں کھو گئیں مجھ سے جدا ہو گئیں میں نہیں جانتا تھا۔

میں نے اللہ کے حضور گڑگڑا کے تمہارے ملنے کی دعا مانگی تھی مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ میری دعائیں اتنی جلدی قبول ہو جائیں گی اور مجھے تم مل جاؤ گی۔'' حسن آفریدی نے اس کے رخسار پر اپنی چوڑی ہتھیلی رکھی تھی۔

''ارشد مجھے زبردستی اپنے گھر لے آیا تھا۔ میں یہاں قطعی نہیں آنا چاہتا تھا مگر اب سوچتا ہوں اچھا ہوا ارشد کی بات مان لی۔ ارشد میرا جگری دوست ہے میری زندگی کے ہر اوراق سے وہ واقف ہے۔ سوائے اس کے جو لڑکی میری زندگی میں ہے وہ تم ہو اور اس گھر میں موجود ہو، جب میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تو

مجھے یقین ہی نہیں آیا کہ قدرت مجھ پر یوں بھی مہربان ہو سکتی ہے۔'' وہ ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''تم مجھے یوں اتنی آسانی سے مل جاؤ گی۔ میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ جبھی تو اس رات میں خود کو روک ہی نہیں پایا تھا اور تمہارے پاس تمہارے بیڈ روم میں چلا آیا تھا۔'' وانیہ کو پچھلے ماہ کی وہ گزری رات یاد آ گئی جو اس نے بھیانک خواب سمجھ کر جھٹک دیا تھا۔

''اس کا مطلب وہ سب حقیقت تھا اس دن حسن آفریدی نے جو کچھ اس کے ساتھ کیا وہ سب سچ تھا۔'' وانیہ پرسوچ نظروں سے حسن آفریدی کو دیکھنے لگی تھی۔

''کچھ بولو گی نہیں؟'' حسن آفریدی نے اس کی پرسوچ آنکھوں میں اپنی بلوریں آنکھیں گاڑھ دیں۔

وانیہ نے اس کے دیکھنے پر نگاہیں جھکالیں۔

''اسپتال سے ڈسچارج ہونے کے بعد بابا مجھے لندن لے گئے تھے تا کہ میرے پاؤں کا آپریشن کرائیں، میں ان کے ساتھ جانے کو راضی ہو گئی تھی۔ اس شہر میں اب میرا دل بالکل نہیں لگتا تھا، میں اپنی زندگی سے بیزار ہو گئی تھی چھٹکارا چاہتی تھی آپ سے آپ کی یادوں کو بھول جانا چاہتی تھی۔ اس حادثے کو اپنے دل و دماغ پر چسپاں ہر نقش کو مٹا دینا چاہتی تھی۔ میں لندن آ گئی تھی جہاں سب سے پہلے میرا آپریشن ہوا تھا۔ اللہ کے فضل و کرم سے وہ کامیاب ہو گیا تھا۔ میں بابا کے کزن کے گھر آ گئی تھی۔ کچھ ماہ بعد انہوں نے مجھے موبائل میں وہ وڈیو کلپ دکھائی جس سے پل بھر میں، میں بری طرح چکرا کے رہ گئی تھی۔ ایسا لگا پورا آسمان میرے سر پر آ گرا ہو۔'' ان آنکھوں سے وہ لمحہ یاد کر کے چند موتی ٹپکے تھے۔

''کیا تھا اس وڈیو میں......''

''آپ......'' اس نے بھیگی بھیگی آنکھوں سے حسن آفریدی کو دیکھا تھا۔

''میں......''

''جی...... اس میں وہ وڈیو تھی جس گاڑی میں آپ گاڑی کار پارکنگ کی طرف لے جا رہے تھے کہ وہ اچانک سے بم بلاسٹ ہو گئی تھی۔''

''بابا...... یہ...... یہ کیا ہے۔'' وانیہ کی زبان لڑکھڑا کے رہ گئی۔ وہ ایک پل میں چکرا کے رہ گئی تھی۔

''بیٹا وانی! یہ آفریدی ہے جس کی بدولت آپ نے بہت سی تکلیفیں سہیں، درد برداشت کیے، آپ کی زندگی آپ کا چین سکون سب برباد ہو گیا اور یہ سب جس کی وجہ سے ہوا میں نے اسے جان سے مار دیا۔ اس دنیا سے اس کا وجود مٹا دیا۔''

''نہیں بابا! یہ غلط ہے آپ کو ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا۔ میں آفریدی سے دور جانا چاہتی تھی۔ اس کے سائے سے چھٹکارا چاہتی تھی مگر بابا یہ بھی حقیقت ہے کہ میں کسی کی جان نہیں لینا چاہتی تھی۔''

''میری جان! یہ کسی نہیں آفریدی ہے وہی آفریدی جس نے لمحہ لمحہ آپ کو اذیت میں رکھا، آپ کو آپ کے سائے تک سے خوف زدہ رکھا، راتوں کو ڈر ڈر کر اٹھنا، چیخنا، چلانا، یہ سب کس وجہ سے تھا آفریدی کی وجہ سے اور اگر آج میں نے آپ کا بدلہ پورا لے لیا تو آپ کو خوش ہونا چاہیے اور پھر یہی تو نہیں اس نے ہمیں مالی حالات سے بھی تو کنگال کر دیا ہے، میرا پورا بزنس میری فیکٹریز سب برباد کر دیا۔''

''تو بابا! اگر آفریدی نے ایسا کیا تو کیوں کیا ان سب کی وجہ کیا ہے؟''

''کیا مطلب؟'' انہوں نے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”شہلا آفریدی۔“ انہوں نے دھیرے سے یہ نام پکارا تھا۔ ریحان شیخ وانیہ سے نگاہ چرانے لگے تھے۔

”نظریں چرانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی بابا۔“ اس نے ریحان شیخ کو نظریں چراتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

”بابا! آفریدی نے میرا جسم ہی نہیں میری روح تک زخمی کردی ہے۔ میں خود سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں رہی مگر آپ سے جو دکھ مجھے ملا ہے وہ آفریدی کے دیئے گئے درد اور زخم کے آگے بہت بڑا ہے، دل سے خود کے لیے یہی بددعا ہے کہ اللہ مجھے بھی شہلا آفریدی کی طرح یا اس سے زیادہ درد دے یا ایسی دردناک موت دے کہ دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے۔“

”وانیہ......!“ ریحان شیخ نے آج زندگی میں پہلی بار وانیہ پر ہاتھ اٹھایا تھا اور جتنا اپنے آپ پر افسوس ہوتا کم تھا۔

”ماریں آپ مجھے۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ آپ مجھے مار ہی دیں۔“ وانیہ کے آنکھوں سے متواتر آنسو ٹپک رہے تھے۔

”خدا کے لیے وانی بیٹا! ایسا مت بولیے۔“

”کیوں نہیں بولوں بابا! شہلا آفریدی کو موت سے بھی بدتر حالت میں، میں نے بستر پر پڑے دیکھا ہے۔ وہ زندہ لاش جیسی زندگی گزار رہی ہیں اور ان کی اس حالت کے ذمہ دار ہیں تو صرف اور صرف آپ ہیں بابا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا نا کہ آفریدی نے اب تک جو میرے ساتھ جانوروں جیسا جارحانہ برتاؤ کیا، میرے وجود کی روح کی میرے نفس نسوانیت کی جو دھجیاں بکھیریں وہ سب آپ کا خمیازہ تھا۔ آفریدی کا مجھ سے شدید نفرت اور اپنی اس شدید نفرت میں میری انا میرے اعتماد کو چکنا چور کرنا اپنے پیروں تلے روند ڈالنا وہ سب آپ سے بدلہ تھا آپ کے کیے کی سزا اس نے مجھے لمحہ بہ لمحہ دی ہے بابا۔“ وہ پل بھر کے لیے خاموش ہوگئی تھی، اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔ ریحان شیخ نظر جھکائے سر کو جھکائے شرمندہ کھڑے تھے۔

”میں آپ کو دنیا کا سب سے بیسٹ فادر گردانتی تھی، آپ میرے سپر ہیرو تھے میرا غرور میرا فخر تھے بابا! مگر آپ نے میرا غرور میرا مان بھرم سب توڑ دیا۔“ وہ بری طرح رو دی تھی۔

”مجھے شکایت آفریدی سے نہیں ہے بابا! کہ اس نے تو اپنی شہلا پھپھو کا بدلہ لے کر آپ کو جانی مالی نقصان پہنچایا ہے۔ اس نے تو جو میرے ساتھ زیادتی کی میرے ساتھ جارحانہ سلوک کیا وہ نکاح کرنے کے بعد کیا لیکن آپ نے اس معصوم لڑکی کو ناجائز طریقے سے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا، بابا میں یہ سب سننے اور دیکھنے کے بعد زندہ ہوں تو کیوں مجھے موت نہیں آگئی۔ شاید اس لیے کہ زندگی کی آخری سانس تک آپ کا گناہ مجھے دھونا ہے، پل پل مر کے جینا ہے اور جی کے مرنا ہے۔

وہ چپ ہوگئی بولتے بولتے تھک گئی تھی اس کا نفس پھول گیا تھا۔

ریحان شیخ ایک لفظ نہیں بولے تھے کیا بولتے وہ اپنی صفائی میں، انہوں نے واقعی وہ گناہ کیا جسے وہ بھول گئے تھے مگر قدرت کے نظام کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جس شہلا آفریدی کی عزت و آبرو کی دھجیاں بکھیر دیں تھیں۔ آج وہ سر اٹھائے ان کی اپنی سگی چہیتی بیٹی وانیہ کی شکل میں ان سے حساب مانگ رہی تھی مگر اسے کہنے کے لیے ریحان شیخ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے کندھے ڈھائے شرمندگی سے نظروں کو جھکائے ہارے ہوئے قدموں سے کمرے سے نکلتے چلے گئے تھے۔

وانیہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بلک بلک کر رو دی تھی۔

اس دن سے ریحان شیخ کو کبھی مسکراتے نہیں دیکھا۔ وہ بالکل خاموش ہوکر کمرے میں قید ہوکر رہ گئے تھے۔

”بابا بالکل خاموش ہوگئے تھے کسی سے بھی بولنا انہوں نے ترک کردیا تھا۔ مسکرانا چھوڑ دیا تھا جو غلطی انہوں نے کی اس پر وہ بہت شرمندہ اور پشیمان تھے مجھ سے بھی بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ میں ہر روز چپکے سے راتوں کے تیسرے پہر ان کے کمرے میں جاتی وہ اپنے بیڈروم میں جائے نماز بچھائے نہایت خشوع وخضوع سے اللہ کے حضور گڑگڑا کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہتے تھے۔ دن بدن ان کی صحت گرتی چلی جارہی تھی جو غلطی یا گناہ ان سے سرزد ہوا تھا، وہ گھن کی طرح اندر ہی اندر انہیں گھلا رہا تھا انہیں ختم کررہا تھا۔“ بولتے بولتے کب اس کا چہرہ بھیگ گیا وہ خود نہیں جانتی تھی۔

”انہیں اس طرح تنکا تنکا مرتے دیکھ کر میں کڑتی رہتی۔ جذبات کی رو میں بہہ کر وہ بہت بڑا گناہ کر بیٹھے تھے پھر میں نے ڈیسائیڈ کیا کہ ہمیں مکہ مدینہ خانہ کعبہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے جانا چاہیے۔ ہم اس پاک مقدس جگہ پر پہنچے وہاں کی پاک مقدس جگہوں کی زیارت کی، عمرے کی سعادت حاصل کی، بابا اس پاک و مقدس جگہ کے ذرے ذرے پر سجدہ کرتے رہے اور تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے معافی مانگتے رہے، میں انہیں صرف دیکھنے کے علاوہ کچھ نہیں کرسکی۔ مجھ میں اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ اللہ اور بابا کے درمیان آکر دخل اندازی کرتی اور پھر وہ ہوا جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ بابا خانہ کعبہ کی پاک مقدس زمین پر جب سجدہ ریز تھے اسی لمحے انہیں ہارٹ اٹیک کا ایسا شدید دورہ اٹھا کہ اس پل ان کی جان لے گیا۔“ وانیہ کی ہچکیاں بندھ گئیں وہ بلکتی ہوئی حسن آفریدی کی بند مٹھی پر سر ٹکائے رو پڑی۔ حسن آفریدی نے نہایت دکھ و تکلیف سے اس لڑکی کو دیکھا تھا جو اس کی رگِ جاں تھی اس کے لرزتے کپکپاتے وجود پر نظر ڈالتے اس نے وانیہ کے سر پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وانیہ نے سر اوپر اٹھایا۔

”میں آپ سے ریکوئیسٹ کرتی ہوں التجا کرتی ہوں منت کرتی ہوں میرے بابا کو معاف کردیں آخری سانس تک جوان کے لبوں پر دعا تھی تو صرف یہی کہ ”یا اللہ میرے گناہوں کو معاف کردے، مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی، مجھے معاف کردے مجھے سکون دے۔“ وانیہ نے التجائی منت بھری نظروں سے حسن آفریدی کو تکا تھا۔ حسن آفریدی نے اس کا آنسوؤں میں تر چہرہ دیکھا۔

”وانیہ! میری کیا اوقات جو میں انہیں معاف کروں، انہیں تو اللہ رب العزت نے ہی معاف کردیا ہے جو اپنے گھر بلا کر اپنے گھر کی مٹی نصیب کی ہے ورنہ بہت کم خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں وہ مٹی نصیب ہو۔ شہلا پھپھو بہت اذیت میں درد میں اور تکلیف میں رہی ہیں، اپنی سگی ماں کے ہوتے ہوئے بھی ان کی نرم و گرم آغوش سے دور رہی ہیں۔ اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے بے سہارا زندگی صرف بستر پر گزار دی ہے مگر ہم نہیں جانتے کہ ہمارا خدا کیا ہم سے چاہتا ہے یا کیا سوچ بیٹھا ہے۔ ان کی زندگی صرف اتنی ہی تھی جو تکلیفوں کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔ شہلا پھپھو اپنی تکلیفوں سے آزاد ہوگئی ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ جب میں نے انہیں تمہارے بارے میں بتایا تو کیوں ان کی عرصے سے خشک آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ شاید وہ دوسری شہلا آفریدی نہیں چاہتی تھیں۔“ حسن آفریدی نے اس کا بھیگا چہرہ صاف کیا تھا۔

”اور اگر تمہیں سکون معافی سے ہی ملتا ہے، تو میں نے میرے خدا نے ریحان شیخ کو معاف کیا اس لیے.

''شہلا آفریدی۔'' انہوں نے دھیرے سے یہ نام پکارا تھا۔ ریحان شیخ وانیہ سے نگاہ چرانے لگے تھے۔

''نظریں چرانے سے حقیقت بدل نہیں جائے گی بابا۔'' اس نے ریحان شیخ کو نظریں چراتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔

''بابا! آفریدی نے میرا جسم ہی نہیں میری روح تک زخمی کر دی ہے۔ میں خود سے بھی نظر ملانے کے قابل نہیں رہی مگر آپ سے جو دکھ مجھے ملا ہے وہ آفریدی کے دیئے گئے درد اور زخم کے آگے بہت بڑا ہے، دل سے خود کے لیے یہی بددعا ہے کہ اللہ مجھے بھی شہلا آفریدی کی طرح یا اس سے زیادہ درد دے یا ایسی دردناک موت دے کہ دوسروں کے لیے عبرت کا نشان بن جائے۔''

''وانیہ......!'' ریحان شیخ نے آج زندگی میں پہلی بار وانیہ پر ہاتھ اٹھایا تھا اور جتنا اپنے آپ پر افسوس ہوتا کم تھا۔

''ماریں آپ مجھے۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ آپ مجھے مار ہی دیں۔'' وانیہ کے آنکھوں سے متواتر آنسو ٹپک رہے تھے۔

''خدا کے لیے وانی بیٹا! ایسا مت بولیے۔''

''کیوں نہیں بولوں بابا! شہلا آفریدی کو موت سے بھی بدتر حالت میں، میں نے بستر پر پڑے دیکھا ہے۔ وہ زندہ لاش جیسی زندگی گزار رہی ہیں اور ان کی اس حالت کے ذمہ دار ہیں تو صرف اور صرف آپ ہیں بابا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا نا کہ آفریدی نے اب تک جو میرے ساتھ جانوروں جیسا جارحانہ برتاؤ کیا، میرے وجود کی روح کی میرے نفس نسوانیت کی جو دھجیاں بکھیریں وہ سب آپ کا خمیازہ تھا۔ آفریدی کا مجھ سے شدید نفرت اور اپنی اس شدید نفرت میں میری انا میرے اعتماد کو چکنا چور کرنا اپنے پیروں تلے روند ڈالنا وہ سب آپ سے بدلہ تھا آپ کے کیے کی سزا اس نے مجھے لمحہ بہ لمحہ دی ہے بابا۔'' وہ پل بھر کے لیے خاموش ہوگئی تھی، اس کا سانس پھولنے لگا تھا۔ ریحان شیخ نظر جھکائے سر کو جھکائے شرمندہ کھڑے تھے۔

''میں آپ کو دنیا کا سب سے بیسٹ فادر گردانتی تھی، آپ میرے سپر ہیرو تھے میرا غرور میرا فخر تھے بابا! مگر آپ نے میرا غرور میرا مان بھرم سب توڑ دیا۔'' وہ بری طرح رو دی تھی۔

''مجھے شکایت آفریدی سے نہیں ہے بابا! کہ اس نے تو اپنی شہلا پھپھو کا بدلہ لے کر آپ کو جانی مالی نقصان پہنچایا ہے۔ اس نے تو جو میرے ساتھ زیادتی کی میرے ساتھ جارحانہ سلوک کیا وہ نکاح کرنے کے بعد کیا لیکن آپ نے اس معصوم لڑکی کو ناجائز طریقے سے اپنی ہوس کا نشانہ بنایا، بابا میں یہ سب سننے اور دیکھنے کے بعد زندہ ہوں تو کیوں مجھے موت نہیں آگئی۔ شاید اس لیے کہ زندگی کی آخری سانس تک آپ کا گناہ مجھے دھونا ہے، پل پل مر کے جینا ہے اور جی کے مرنا ہے۔

وہ چپ ہوگئی بولتے بولتے تھک گئی تھی اس کا نفس پھول گیا تھا۔

ریحان شیخ ایک لفظ نہیں بولے تھے کیا بولتے وہ اپنی صفائی میں، انہوں نے واقعی وہ گناہ کیا جسے وہ بھول گئے تھے مگر قدرت کے نظام کو دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جس شہلا آفریدی کی عزت و آبرو کی دھجیاں بکھیر دیں تھیں۔ آج وہ سر اٹھائے ان کی اپنی سگی چہیتی بیٹی وانیہ کی شکل میں ان سے حساب مانگ رہی تھی مگر اسے کہنے کے لیے ریحان شیخ کے پاس کچھ نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے کندھے ڈھائے شرمندگی سے نظروں کو جھکائے ہارے ہوئے قدموں سے کمرے سے نکلتے چلے گئے تھے۔

وانیہ وہیں بیٹھتی چلی گئی تھی اور دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بلک بلک کر رو دی تھی۔

اس دن سے ریحان شیخ کو کبھی مسکراتے نہیں دیکھا۔ وہ بالکل خاموش ہو کر کمرے میں قید ہو کر رہ گئے تھے۔

''بابا بالکل خاموش ہوگئے تھے کسی سے بھی بولنا انہوں نے ترک کر دیا تھا۔ مسکرانا چھوڑ دیا تھا جو غلطی انہوں نے کی اس پر وہ بہت شرمندہ اور پشیمان تھے مجھ سے بھی بات کرنا چھوڑ دی تھی۔ میں ہر روز چپکے سے راتوں کے تیسرے پہر ان کے کمرے میں جاتی وہ اپنے بیڈروم میں جائے نماز بچھائے نہایت خشوع وخضوع سے اللہ کے حضور گڑگڑا کے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہتے تھے۔ دن بدن ان کی صحت گرتی چلی جا رہی تھی جو غلطی یا گناہ ان سے سرزد ہوا تھا، وہ گھن کی طرح اندر ہی اندر انہیں گھلا رہا تھا انہیں ختم کر رہا تھا۔'' بولتے بولتے کب اس کا چہرہ بھیگ گیا وہ خود نہیں جانتی تھی۔

''انہیں اس طرح تنکا تنکا مرتے دیکھ کر میں کڑتی رہتی۔ جذبات کی رو میں بہہ کر وہ بہت بڑا گناہ کر بیٹھے تھے پھر میں نے ڈیسائیڈ کیا کہ ہمیں مکہ مدینہ خانہ کعبہ عمرے کی سعادت حاصل کرنے جانا چاہیے۔ ہم اس پاک مقدس جگہ پر پہنچے وہاں کی پاک مقدس جگہوں کی زیارت کی، عمرے کی سعادت حاصل کی، بابا اس پاک و مقدس جگہ کے ذرے ذرے پر سجدہ کرتے رہے اور تڑپ تڑپ کر روتے ہوئے معافی مانگتے رہے، میں انہیں صرف دیکھنے کے علاوہ کچھ نہیں کر سکی۔ مجھ میں اتنی سکت ہی نہیں تھی کہ اللہ اور بابا کے درمیان آ کر دخل اندازی کرتی اور پھر وہ ہوا جس کا مجھے وہم و گمان بھی نہیں تھا۔ بابا خانہ کعبہ کی پاک مقدس زمین پر جب سجدہ ریز تھے اسی لمحے انہیں ہارٹ اٹیک کا ایسا شدید دورہ اٹھا کہ اس پل ان کی جان لے گیا۔'' وانیہ کی ہچکیاں بندھ گئیں وہ بلکتی ہوئی حسن آفریدی کی بند مٹھی پر سر ٹکائے رو پڑی۔ حسن آفریدی نے نہایت دکھ و تکلیف سے اس لڑکی کو دیکھا تھا جو اس کی رگِ جاں تھی اس کے لرزتے کپکپاتے وجود پر نظر ڈالتے اس نے وانیہ کے سر پر اپنا دوسرا ہاتھ رکھ دیا تھا۔ وانیہ نے سر اوپر اٹھایا۔

''میں آپ سے ریکویسٹ کرتی ہوں التجا کرتی ہوں منت کرتی ہوں میرے بابا کو معاف کر دیں آخری سانس تک جو ان کے لبوں پر دعا تھی تو صرف یہی کہ ''یا اللہ میرے گناہوں کو معاف کر دے، مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی، مجھے معاف کر دے مجھے سکون دے۔'' وانیہ نے التجائی منت بھری نظروں سے حسن آفریدی کو تکا تھا۔ حسن آفریدی نے اس کا آنسوؤں میں تر چہرہ دیکھا۔

''وانیہ! میری کیا اوقات جو میں انہیں معاف کروں، انہیں تو اللہ رب العزت نے ہی معاف کر دیا ہے جو اپنے گھر بلا کر اپنے گھر کی مٹی نصیب کی ہے ورنہ بہت کم خوش قسمت ہوتے ہیں جنہیں وہ مٹی نصیب ہو۔ شہلا پھپھو بہت اذیت میں درد میں اور تکلیف میں رہی ہیں، اپنی سگی ماں کے ہوتے ہوئے بھی ان کی نرم و گرم آغوش سے دور رہی ہیں۔ اپنوں کے ہوتے ہوئے بھی انہوں نے بے سہارا زندگی صرف بستر پر گزار دی ہے مگر ہم نہیں جانتے کہ ہمارا خدا کیا ہم سے چاہتا ہے یا کیا سوچ بیٹھا ہے۔ ان کی زندگی صرف اتنی ہی تھی جو تکلیفوں کے علاوہ کچھ نہیں تھی۔ شہلا پھپھو اپنی تکلیفوں سے آزاد ہوگئی ہیں۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ جب میں نے انہیں تمہارے بارے میں بتایا تو کیوں ان کی عرصے سے خشک آنکھیں بھیگتی چلی گئیں۔ شاید وہ دوسری شہلا آفریدی نہیں چاہتی تھیں۔'' حسن آفریدی نے اس کا بھیگا چہرہ صاف کیا تھا۔

''اور اگر تمہیں سکون معافی سے ہی ملتا ہے، تو میں نے میرے خدا نے ریحان شیخ کو معاف کیا اس لیے۔

اب مزید اپنے دل و دماغ پر کوئی بوجھ مت ڈالو۔'' وہ ہولے سے مسکرا دیا۔ وانیہ کچھ نہیں بولی خاموشی سے نگاہیں جھکا گئی۔

''اچھا اب یہ ساری درد بھری سوچوں اور یادوں کو بھول جاؤ اور مجھے یہ جواب دو کہ یہ جو میرا بیڈروم اتنا بکھیرا ہے کون سمیٹے گا؟''

وانیہ نے نظر اٹھا کے اس کا پھیلا بکھرا کمرہ دیکھا۔

''اسی کمرے کی طرح تو آپ نے مجھے بھی بکھیر دیا ہے۔'' بیساختہ ہی شکوہ اس کی زبان سے نکلا تھا۔ ان آنکھوں میں شام کا وہ منظر گھوم گیا جو اس نے اس کے ساتھ بیڈروم میں جارحانہ سلوک کیا تھا۔ حسن آفریدی نے ان آنکھوں پر لکھی سوچ پڑھ لی تھی۔

''مسز وانیہ حسن! آپ اتنی مہارت سے یہ کمرہ نہیں سمیٹیں گی جتنے پیار و محبت سے میں آپ کو اپنے اندر سمیٹ لوں گا۔'' نرمی اور چاہ سے کہتے ہوئے حسن آفریدی مزید اس کے نزدیک ہوا تھا۔ وانیہ اس کے بے باک جملے پر اور اس کے یوں نزدیک آنے پر حیا سے خود میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ حسن آفریدی نے جانثار نظروں سے اس کے شرم و حیا سے سرخ چہرے کو دیکھا تھا۔

''اور تم جانتی ہو کہ ساڑھی مجھے قطعی پسند نہیں ہے، جب تم ساڑھی باندھ کر محفل میں آئیں تو کتنے ہی لوگوں کی نظر تمہارے سوگوار حسن پر اٹھی تھی۔ بس ہمارا پٹھانوں کا خون جوش مارنے لگا، غصہ آگیا اس لیے شام کو جو تمہارے ساتھ سلوک کیا وہ سب غصے میں کیا تھا۔'' اس نے وانیہ کے چہرے پر آئے بالوں کو کان کے پیچھے کیا تھا۔

''آپ بہت چالاک ہیں رات کے اندھیرے میں آفریدی بن کر مجھے زخم دیتے رہے اور دن کے اجالے میں حسن بن کر مرہم رکھنے چلے آئے۔'' اس نے اپنے چہرے سے حسن آفریدی کا ہاتھ ہٹایا تھا۔

''اور تم نہایت معصوم اور تھوڑی تھوڑی بے وقوف بھی۔''

''وہ کیوں؟'' معصومیت سے دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

''وہ اس لیے کہ جب تمہیں تمہارے بیڈروم میں لے گیا اور کچھ دیر بعد چھوڑ کے گیا مگر پھر دو منٹ بعد اندر آیا تو تمہیں جب بھی شک نہیں ہوا۔'' وانیہ نے ناسمجھ نظروں سے دیکھا، اسے حسن آفریدی کی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی جو حسن آفریدی نے نوٹ کر لی تھی۔

''اچھا دیکھو! میں سمجھاتا ہوں، اب دیکھو جو شخص اپنی بیوی کے لیے اس کی عزت کے لیے اتنا پوزیسو ہو سکتا ہے وہ کیا اپنی بیوی کو ایسی حالت میں چھوڑ کے دروازہ بنا لاکڈ کیے جا سکتا ہے۔'' وانیہ کو اب سمجھ میں آیا تھا اور اپنی بکھری حالت جو حسن آفریدی نے کی تھی اسے یاد کر کے اس کے گالوں پر لالی سی بکھرنے لگی تھی۔ حسن آفریدی نے بغور اس کا گلنار کی طرح اناری چہرہ دیکھا تھا۔

''ایک بات کہوں۔'' حسن آفریدی نے اس کا شرمیلا سندر مکھڑا اپنے ہاتھوں کے پیالوں میں بھرا تھا۔ وانیہ نے لرزتی پلکیں بمشکل اوپر اٹھائی تھیں۔

''تم پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو گئی ہو۔'' اس کی ذومعنی سرگوشی بلوریں آنکھوں میں شوخیاں وانیہ کے دل میں اودھم پیل مچانے لگے تھے۔ اس کا پورا جسم اس کی اس طرح نزدیکی پر لرزنے لگا تھا۔ آنکھوں میں حیا سے نمی آٹھہری تھی، شنگرفی ہونٹ کپکپانے لگے تھے، حسن آفریدی کے دل میں یہ ہوشربا منظر اس

کے صبر کا مزید امتحان نہیں لے سکے۔ وہ بے قراری و بے تابی لیے اس کے خوب صورت چہرے پر جھکا تھا اور اپنے والہانہ پیار کا ثبوت دیتا چلا گیا تھا۔

''بہت دکھ درد دیئے ہیں میں نے تمہیں مگر فکر مت کرو ایک ایک حساب سود سمیت پورا کر دوں گا کہ اپنی قسمت پر رشک کرو گی۔'' وانیہ نے آسودہ ہو کر اس کے شانے پر سر رکھ دیا تھا۔ اسی دوران اس کا فون بجنے لگا تھا۔ حسن آفریدی نے اپنی جینز کی جیب سے فون نکالا۔ وانیہ نے بھی سر کو اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔ حسن آفریدی نے فون او کے کر کے کان سے لگایا۔

''ہاں حنین بولو۔''

''سب ٹھیک ہے وانیہ بھابی مان گئیں؟''

''ہاں بارش کے بعد جو منظر نکھرا نکھرا اجلا اجلا ہوتا ہے وہی حال یہاں بھی ہے۔'' حسن آفریدی نہایت محبت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تھا۔

''تو اس کا مطلب ہے وانیہ بھابی سے اب مل سکتا ہوں میں۔''

''شیور۔''

''تو ٹھیک ہے آپ دروازہ کھولیں میں باہر ہی کھڑا ہوں۔''

''وائے تم یہاں ہو......؟'' حسن آفریدی نے چونک کر دروازہ دیکھا۔

''یار بنی بھیو! قسم سے پاؤں شل ہو گئے ہیں کھڑے کھڑے بعد میں چونک لینا ابھی تو دروازہ کھولیں۔''

''یو چیٹر......'' حسن آفریدی وہاں سے اٹھا اور دروازے کی سمت بڑھا تھا۔ دروازہ کھولا تو وہ واقعی میں وہاں کھڑا تھا اور بنا حسن آفریدی سے کوئی بات کیے وہ اندر گھسا تھا۔ وانیہ اس کی اچانک آمد پر اپنی جگہ سے دو فٹ اونچی اچھلی تھی۔

''یہ تو حرا کا دیور ہے۔'' وہ صرف سوچ کر رہ گئی۔

''السلام علیکم وانیہ بھابی!''

''جی وعلیکم السلام!'' وہ گھبرا کے حسن آفریدی کو تکنے لگی جو چہرہ نیچے کیے مسکرا رہا تھا۔

''یار! خدانخواستہ کیا وانیہ بھابی نے آپ کی ان چیزوں سے پٹائی کی ہے۔'' حنین آفریدی نے بکھرا کمرہ دیکھا اور پرمزاح انداز میں گھبراتی وانیہ کو دیکھا۔ وانیہ وہاں سے جانے لگی کہ حسن آفریدی نے اس کی کلائی تھامی تھی۔ اس نے حسن آفریدی کو دیکھا تھا سہمی ہوئی نظروں سے۔

''ادھر بیٹھو سب بتاتا ہوں۔'' وہ اسے لیے بیڈ کی طرف لے آیا تھا۔

☆......☆

''کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اپنے ہونے والے سسرال میں یوں کیوں کھلم کھلا دندناتے پھر رہے ہیں، جب کہ کل آپ کی شادی ہے۔'' ثمرن اپنے بچوں کے لیے فیڈر بنا کے لے جا رہی تھی کہ سلجوق آفریدی کو سامنے سے آتا دیکھا۔

''کچھ نہیں ثمرن بھابی! دراصل میں پانی پینے جا رہا تھا۔'' وہ سر کھجانے لگا تھا۔

''مگر جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے یہ کمرہ تو حرا کا ہے۔ کچن کا راستہ اس طرف ہے۔'' ثمرن کو ثالے نے سب بتا دیا تھا کہ سلجوق آفریدی کی خواہش ہے حرا سے ملنے کی۔

"جی...... وہ......" مشکل میں پڑ گیا تھا وہ۔
"ارے سلجوق بھائی! آپ ابھی تک یہیں کھڑے ہیں۔" ژالے حرا کے کمرے سے نکل کر آئی۔
"بس میں آ رہا تھا مگر بارڈر پر ہی روک لیا گیا۔" سلجوق آفریدی نے ژالے کو مسکرا کے دیکھا۔ وہ دھیرے سے ہنس دی۔
"ژالے رضا رو رہا ہے۔" باہر سے کسی نے آواز لگائی تھی۔
"صرف آدھا گھنٹہ ہے آپ کے پاس اس کے بعد آپ یہاں سے نو دو گیارہ ہو جائیے گا اور حرا اس ملاقات کے لیے قطعی طور پر راضی نہیں ہے۔" وہ جلدی جلدی کہنے لگی۔
"اب میں جاؤں؟"
"جی ہاں بالکل جائیے مگر ذرا احتیاط سے۔"
"او کے......" سلجوق آفریدی، حرا کے بیڈروم کی سمت بڑھ گیا اور ژالے ثمرن کو لیے باہر لان کی جانب بڑھ گئی۔ سلجوق آفریدی اندر داخل ہوا تو زرد جوڑے میں حرا پشت موڑے کھڑی تھی، سلجوق آفریدی نے ایک نظر اس کو دیکھنے کے بعد دروازہ لاکڈ کیا تھا اور پلٹ کر اس کے پاس آنے لگا۔ آواز کی آہٹ پر حرا تیزی سے پلٹی تھی۔
"ژالے کی بچی مار کھائے گی۔"
"ارے...... ارے......" سلجوق آفریدی نے اپنے دونوں ہاتھ مجرموں کی طرح اوپر اٹھا لیے کیوں کہ حرا کے ہاتھ میں ٹیبل لیمپ تھا جو شاید ژالے کو مارنے کے لیے ہی اٹھایا تھا۔
"آ...... پ......" حرا، سلجوق آفریدی کو دیکھ کر بری طرح گھبرا گئی اور ہاتھ میں پکڑا لیمپ تیزی سے نیچے کیا۔
"آپ اپنے بیڈروم میں آنے والوں کا اس طرح سواگت کرتی ہیں۔" سلجوق آفریدی نے بغور اس کا دلکش سراپا دیکھا تھا۔ زرد کپڑوں میں وہ خود بھی ایک زرد پھول لگ رہی تھی۔ حرا اس کے اس طرح غور سے دیکھنے پر جھینپ کر رہ گئی بلکہ اس کی جانب سے رخ ہی موڑ لیا تھا ہونٹوں پر شرمگیں مسکراہٹ نے قبضہ کر لیا تھا۔
سلجوق آفریدی چلتا ہوا اس کے مقابل آ ٹھہرا تھا اور اس کا جھکا شرمیلا چہرہ انگشت شہادت سے اوپر اٹھایا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں۔ سلجوق آفریدی نے اس کی لرزتی بند پلکیں دیکھیں۔
"حرا......!" نہایت دھیمے سے پکارا تھا۔
"میری طرف دیکھو میں تمہیں دیکھنے آیا ہوں۔ سنا ہے مایوں کی دلہن اس روپ میں بہت حسین لگتی ہے۔ جہاں کا سارا حسن اس کے چہرے پر آ کر سمٹ جاتا ہے جو اسے اور پاکیزہ بنا دیتا ہے مگر آج اس خوب صورتی پر ایمان لے آیا ہوں یقین ہو گیا ہے کہ یقیناً مایوں کی دلہن بہت خوب صورت ہوتی ہے۔" سلجوق آفریدی نے جھک کر نہایت دھیمی سی سرگوشی کی تھی۔ مقابل کی جان ہی تو نکل گئی تھی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پیوست کیے گھبرا رہی تھی۔ جس کا سلجوق آفریدی کو اچھی طرح اندازہ تھا۔
سلجوق آفریدی نے اس کے دونوں ہاتھ اپنے مضبوط و چوڑی ہتھیلیوں میں قید کر لیے تھے۔ اس کے نرم و گرم لمس پر حرا کانپ کر رہ گئی۔

"آپ پلیز جائیے نا کوئی آ جائے گا۔"
"اور اگر میں کہوں کہ آج رات میں یہیں رکنے کا ارادہ رکھتا ہوں، جب تک تم اقرار محبت نہیں کرتی ہو پھر۔" حرا کی تو سٹی ہی گم ہو گئی۔
"یہ...... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں۔" اس کی جان مزید مشکل میں پڑ گئی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ اس کی مٹھی میں سے نکالنے لگی، جس کے لیے مقابل قطعی طور پر راضی نہیں تھا۔
"کیوں کچھ غلط کہا میں نے؟" آنکھوں میں خمار سا بھرنے لگا تھا۔ اس کو جو موتیاں کے پھولوں کا سیٹ پہنایا تھا اس کی خوشبو سلجوق آفریدی کو اور دیوانہ بنا گئی۔
"میں نے ژالے کو منع کیا تھا۔" وہ ہولے سے بولی مگر مقابل بھی قیامت کی سماعت رکھتا تھا۔
"میں جانتا ہوں مگر کیا کریں آپ کی بھابی صاحبہ نیگ بھی تو بھاری وصول کریں گی مگر خیر ہے تمہارے حسن کے صدقے یہ بھی قبول ہے۔"
"یہ سراسر بے ایمانی ہے۔"
"بے ایمانی، کیسی بے ایمانی تمہارے حسن کے دیدار کی یا ژالے بھابی کو نیگ دینے کی۔" وہ مستقل چھیڑ رہا تھا۔
"آپ پتا نہیں کیا کہہ رہے ہیں، میں جا رہی ہوں۔" وہ سٹپٹاتی ہوئی جانے لگی کہ سلجوق آفریدی کی مضبوط مٹھی میں جو اس کا ہاتھ قید تھا وہ اس نے ایک جھٹکے سے جو کھینچا تو حرا اپنا آپ سنبھال نہ پائی اور اس کے چوڑے بازو سے آ ٹکرائی تھی۔
"محترمہ آپ نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔"
"آپ کل کا انتظار کریں۔" حیا سے پلکوں کی باڑ لرزنے لگی تھی۔
"ضرور کیوں نہیں مگر کل عمل محبت ہوگا، آج صرف اظہار محبت کا دن ہے۔" اس قدر بے باکی۔ وہ شرم و حیا سے کٹ کر رہ گئی تھی۔
"مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ ایسے بھی ہو سکتے ہیں۔"
اس کا جب بھی سلجوق آفریدی سے سامنا ہوا تھا وہ اسے سنجیدہ اور ریزروز سا لگتا تھا کبھی کبھی تو وہ ژالے سے کہتی تھی کہ "زرمیل بھائی کا یہ دوست کتنا مغرور ہے نا۔" مگر آج اپنی ہر سوچ بدلنی پڑی تھی۔
"حرا صاحبہ! آپ ابھی جانتی ہی کیا ہیں کل حجلہ عروسی میں تشریف لائیے پھر اور بھی بہت سے راز ہیں جو کل افشاں ہوں گے۔"
"اف اللہ۔"
حرا اے سی روم کی ٹھنڈک میں بھی پوری پسینے میں شرابور ہو گئی تھی بلکہ چہرہ اس قدر سرخ ہو گیا تھا جیسے وہاں سے ابھی خون چھلک اٹھے گا اس نے بے ساختہ ہی اپنے مہندی، چوڑیوں اور گجرے سے سجے دونوں ہاتھوں سے اپنا اناری چہرہ چھپا لیا تھا۔ سلجوق آفریدی، حرا کی اس دلفریب ادا پر نہال ہو گیا۔ کمرے کی اس ٹھنڈی فضا میں اس کا جاندار قہقہہ گونجا تھا جو حرا کے پورے وجود کو مہکا گیا۔
مقسوم کو ژالے اور ثمرن نے پکڑ کر اس کے دونوں ہاتھوں پیروں کو مہندی کے خوب صورت ڈیزائن سے سجا دیا تھا۔

''مقسوم بھابی! مہندی بہت زبردست لگ رہی ہے دیکھنا کل اس کا رنگ بھی خوب گہرا آئے گا۔'' ژالے کی ذومعنی بات مقسوم اچھی طرح سمجھ گئی تھی۔

''یہ تو ہے۔'' ثمرن نے محبت سے مقسوم کو دیکھا تھا۔

''اچھا ایک بات اور کہ آج رات تم میرے معصوم سیدھے سادھے دیور کو بالکل تنگ مت کرنا۔'' ثمرن کے اشارے پر اس کی گھنیری پلکیں حیا سے جھک گئیں۔ گال پر پڑتے ڈمپل میں لالی سی گھلنے لگی تھی۔

''ویسے بھی عارفین بھائی باڈی بلڈر ہیں زیادہ دیر صبر نہیں کریں گے۔'' ژالے نے پرشوق انداز میں کہتے ہوئے شرمیلی مسکان لیے مقسوم کو چھیڑا تھا۔

''ژالے!'' مقسوم نے ڈانٹنا چاہا مگر حیا کی وجہ سے ڈانٹ ہی نہیں سکی تھی۔

''کچھ بھی کہہ لیں مگر آج رات عارفین بھائی آپ کو چھوڑنے والے نہیں ہیں کیونکہ آپ اس وقت مکمل ہتھیار سے لیس ہیں اور ویسے بھی عارفین بھائی کو مہندی کی خوشبو بہت پسند ہے۔'' مقسوم نے اس کو گھورا۔

''ثمرن بھابی، ژالے بہت بے شرم ہے۔'' مقسوم نے ثمرن سے شکایت کی۔

''یہ تو پورا گھر کہتا ہے اسے، ابھی کچھ ہی دیر پہلے حرا سے بھی خوب سن کر آئی ہے مگر ہماری ژالے بی بی نے تو ڈھٹائی کے سارے ریکارڈ توڑ دیئے ہیں۔'' ثمرن نے ژالے کے ہلکے سے کان کھینچا تھا۔

''تو اور کیا زندگی جینے کا پورا مزہ لو۔''

''وہ تو نظر آرہا ہے زرمیل بھائی کی قربت نے مزید پر نکال دیئے ہیں تمہارے۔'' مقسوم نے ژالے کو کہا۔

''ارے ہاں ژالے سلجوق چلے گئے۔'' ثمرن کو ایک دم سے یاد آگیا تھا۔

''گھر سے تو پتا نہیں مگر حرا کے بیڈروم سے چلے گئے اور تو اور دیکھیے تو ذرا حرا صاحبہ کے مزاج ہی نہیں مل رہے ہیں۔ کہاں سلجوق بھائی سے ملنا نہیں چاہ رہی تھیں۔ محترمہ اب ایک ملاقات میں ہی یہ حال ہے تو جانے کل کے بعد کیا کرلے گی۔'' ژالے ہولے سے ہنس دی۔

''ژالے تو واقعی بہت بے وقوف ہے۔ ذرا شرم لحاظ نہیں رہا۔'' ثمرن نے اس کے بازو پر چٹکی کاٹی تھی۔

''آہ......'' وہ بلبلا کے رہ گئی اور اپنا بازو سہلانے لگی۔

''کیا ثمرن بھابی اتنی زور سے چٹکی لی ہے۔''

''ثمرن بھابی! میری طرف سے بھی اس کی پٹائی کریں۔'' مقسوم نے انہیں دھمکی نظروں سے اسے دیکھا۔

''یہ سب زرمیل کی صحبت کا اثر ہے۔'' وہ بھی ڈھٹائی سے ہنسی۔

''بکواس کررہی ہے زرمیل کو بھی ایسی بے باک کھلی گفتگو قطعی طور پر پسند نہیں ہے۔ ابھی کل ہی جانے یہ وانیہ کو کیا بول رہی تھی کہ زرمیل نے بری طرح جھاڑا تھا۔'' ثمرن نے اس کے سر پر چپت لگائی۔

''ہاں ایسے ہی تو نوشے میاں ہیں وہ۔'' اس کے تپ کر بولنے پر مقسوم اور ثمرن مسکرادیں۔

''ثمرن کہاں رہ گئی ہو یار! یوشع اور روحا دونوں ایک ساتھ رو رہے ہیں۔'' ارشد کی بے چارگی سی آواز سیڑھیوں سے آئی تھی۔

''آرہی ہوں۔'' ثمرن کھڑی ہوئی۔

''سدھر جاؤ۔'' ثمرن نے ژالے کی ناک ہلکے سے کھینچی اور نیچے چلی گئی۔

''چلو بھئی ثمرن بھابی تو گئیں ہم بھی جائیں گے اب۔'' ژالے کھڑی ہوگئی۔

''چپکی بیٹھی رہو، تم کہیں نہیں جارہی ہو۔ جب تک میری مہندی سوکھ نہیں جاتی تم کہیں نہیں جاؤ گی۔'' مقسوم نے گھرکا۔

''ارے یار مقسوم بھابی! اس وقت تو آپ عارفین بھائی کی کمپنی جوائن کریں اور انجوائے کریں۔ بچی عارفین بھائی کو آج گولڈن چانس ملا ہے آپ کوئی بھی مزاحمت نہیں کرپائیں گی۔'' ژالے نے جھک کر مقسوم کے کان میں سرگوشی کی۔

''ژالے کی بچی نہایت بدتمیز ہو، تمہیں تو میں کل بتاؤں گی۔'' مقسوم نے اس کو بری طرح گھورا تھا مگر اس کی سرگوشی پر دل بری طرح دھڑکا بھی ضرور تھا۔

''ہاں مقسوم بھابی! بتایئے گا ضرور ذرا ہمیں بھی تو پتا چلے کہ عارفین بھائی کتنے رومنٹک ہیں۔'' وہ مقسوم کو چھیڑنے سے باز نہیں آرہی تھی۔

''سچی اگر یہ مہندی گیلی نہیں ہوتی تو ایک ہاتھ تو تم کھا ہی لیتیں میرے ہاتھ سے۔'' ژالے زور سے ہنس دی۔

''ارے دیکھیں یاد آیا آپ کے چکر میں بھول ہی گئی، آج رت جگا ہے تو میں نے زرمیل کے لیے خوب مرچ والے گلگلے بنائے ہیں۔'' وہ سوچ کر ہی مزے سے ہنسی تھی۔

''ژالے! پاگل ہوئی ہو کیا زرمیل بھائی پٹائی کریں گے تمہاری۔'' ژالے کی بات پر اور جو وہ کرنے جارہی ہے اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی ہی رہ گئیں۔

''تو ان کو کھلانے کے بعد بیڈروم میں رہے گا کون میں تو ویسے بھی آج حرا کے پاس سونے والی ہوں۔''

''وہ تو جبھی پتا چلے گا۔'' مقسوم کو اس گھر میں رہتے ہوئے سب کی پسند ناپسند کا پتا چل گیا تھا اور یہ بھی کہ زرمیل کو مرچی سے کتنی سخت الرجی ہے اور اگر ژالے انہیں گلگلے میں مرچ کھلائے گی تو اس کی خیر نہیں ہوگی۔

''دیکھ لینا۔'' وہ اترائی۔

''یعنی کہ میں تم پر ابھی سے فاتحہ پڑھ لوں۔''

''مقسوم بھابی! میرا خیال ہے آپ کو اس کا بھی ٹائم نہیں ملے گا۔ میں تو چلی۔'' وہ ذومعنی بات کہتی ہوئی وہاں سے نیچے جانے والے راستے کی طرف ہولی مگر اس کی بات مقسوم کے خاک بھی پلے نہیں پڑی۔

مقسوم اپنے دونوں ہاتھوں پیروں کو دیکھنے لگی جو ابھی گیلے ہورہے تھے۔ جس کی مہندی سوکھی نہیں تھی۔ بہت مشکل ہوگئی تھی اگر اٹھے گی تو پیروں کی مہندی لازمی خراب ہوجائے گی۔ ژالے نے اتنی نفاست سے ڈیزائن بنایا تھا۔ بیٹھے بیٹھے کمر بھی تختہ ہوگئی تھی۔ جانے وہ اور کیا کیا سوچتی کہ کسی نے دو مضبوط آہنی بازوؤں میں جھک کر اسے اٹھالیا تھا۔ مقسوم نے خوف زدہ ہوکر سختی سے آنکھیں میچ لی تھیں اور جب آنکھیں کھلیں تو خود کو اپنے بیڈروم میں بیڈ پر پایا تھا اور سامنے عارفین بیٹھا نہایت محبت وچاہت سے اسے ہی تک رہا تھا۔ مقسوم نے نظر جھکالی۔

''جانتی ہو مجھے مہندی کی خوشبو بہت پسند ہے۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ اچھا ہے کہ مہندی کی خوشبو میری

کمزوری ہے اور پھر جب تم سامنے مہندی لگا کر بیٹھی ہو، بھلا میں اپنے بے قرار دل کو کیسے روک سکتا ہوں۔'' عارفین نے ہاتھ بڑھا کے مقسوم کے چہرے پر آئی کرلی لٹوں کو چھیڑا تھا۔ اس کے لمس پر وہ گلنار سی ہونے لگی۔ دل بری طرح دھڑکنے لگا تھا۔

اور جیسا کہ ژالے نے کہا کہ تم کوئی بھی مزاحمت نہیں کرسکتی ہو۔ میں کچھ بھی کرسکتا ہوں۔'' عارفین جھکا اور اس کے دہکتے رخسار پر اپنے ہونٹوں کا لمس چھوڑ دیا مقسوم ریڑھ کی ہڈی تک سنسنا اٹھی تھی۔

یعنی عارفین وہیں کہیں چھپا ہوا تھا ژالے کی ذومعنی بات اب سمجھ میں آئی تھی۔

''عارفین۔'' نہایت دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے کچھ کہنا چاہا تھا۔

''شش......'' عارفین نے اس کے تھرتھراتے ہونٹوں پر اپنی انگشت شہادت رکھ دی تھی۔

''آج کوئی بات نہیں کوئی سوال نہیں کوئی جواب نہیں۔'' مقسوم مزید خود میں سمٹ کر رہ گئی۔ کالی سیاہ آنکھوں میں عارفین نے آج واضح اپنا عکس دیکھا تھا۔ اس کے رخسار پر پڑتے ڈمپل میں اسے اپنا دل ڈولتا ہوا نظر آیا تھا۔ شرم و حیا سے اس کا چہرہ مکمل طور پر سرخ ہوگیا تھا جیسے ابھی خون چھلک پڑے گا۔

''آج میں تمہارے ان گھٹاؤں جیسی زلفوں میں اپنا جہاں آباد کرنا چاہتا ہوں، محبت کا ایک آشیانہ بنانا چاہتا ہوں۔'' عارفین نے اس کے کرلی بالوں میں قید کیچر نکال دیا تھا۔

''تمہارے ہونٹوں تمہاری ان کالی آنکھوں میں اپنے نام کی مہر ثبت کرنا چاہتا ہوں۔'' وہ جھکا تھا اور اس کی لرزتی پلکوں کی باڑ پر اپنے عنابی گداز لب رکھ دیئے تھے۔ اس کے کپکپاتے شنگرفی گلابی ہونٹوں پر ایک میٹھی سی کہانی رقم کردی تھی اس کے دونوں ہاتھ تھام کر اپنی ناک کی طرف لے گیا اور ایک لمبی سی سانس لے کر مہندی کی سوکھی گیلی خوشبو کو اپنے اندر تک اتار لیا تھا۔

اس نے اس کی مہندی پر اپنے ہونٹوں سے اپنا نام لکھ دیا تھا اور جو دونوں ہاتھ پکڑ کے اپنی طرف کھینچے تو وہ پوری طرح اس کے لمبے چوڑے وجود میں سماگئی تھی۔

''زندگی کے ہر پل ہر لمحہ ہر گھڑی ہر دکھ ہر سکھ میں ہم ساتھ ہیں، یہ دل ہمیشہ سے تمہارے لیے دھڑکا تھا۔ تم ہمیشہ اس کی مالک رہوگی پہلی نظر میں ہی یہ دل تمہارے حسن کا گرویدہ ہوگیا تھا مگر آج کی رات عہد و پیمان کی رات نہیں ہے آج رات کوئی قسموں کی رات نہیں۔ آج صرف اور صرف ان پر عمل کرنے کی رات ہے۔'' عارفین اس کی گھنی کرلی کالی زلفوں میں چہرہ چھپائے داستانِ محبت سنا رہا تھا۔ اس رات اس نے مقسوم کو اس قدر اپنی والہانہ محبت کی بارش میں بھگویا کہ اسے خود پر فخر ہونے لگا تھا۔

مقسوم نے آنکھیں میچ کر اپنا سر اس کے وسیع سینے پر رکھ دیا تھا۔ عارفین اپنی محبت و پیار کا مضبوط حصار اس کے گرد کھینچتا چلا گیا تھا۔

☆......☆

سلجوق آفریدی باہر جانے والے راستے کی طرف جارہا تھا کہ اوپر سے حنین آفریدی کچھ پریشان حال سا نیچے اترتا نظر آیا تھا۔ سلجوق آفریدی نے اسے پکڑلیا۔

''خیریت یہ چہرے پر بارہ کیوں بج رہے ہیں، ابھی حسن سے باتیں کرتے تو بڑے چہک رہے تھے۔

''جی۔'' وہ بری طرح گڑبڑایا تھا۔ سلجوق آفریدی نے نام ہی ایسا لیا تھا۔

''وہ سلجوق بھیو! دراصل...... ہاں...... وہ...... لاروش گھر نہیں چل رہی ہے۔''

''تو...... کیا ہوا؟'' اس نے حنین آفریدی کی زبان کی لڑکھڑاہٹ محسوس کرلی تھی۔

''سلجوق بھیو! آپ کو پتا تو ہے کہ میرا بیڈروم کتنا پھیل جاتا ہے۔ وہی میرا کمرہ سمیٹتی ہے۔'' سلجوق آفریدی نے تفتیشی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

''اوکے۔ تم میرے ساتھ گھر چلو۔ ہم گھر چل کے بات کرتے ہیں۔''

''مگر سلجوق بھیو! لاروش......''

''اسے چھوڑ دو آج یہیں کل صبح آجائے گی۔'' پھر وہ رکا نہیں اور حنین آفریدی کا ہاتھ پکڑ کے باہر نکل گیا تھا۔

☆......☆

''کہاں رہ گئی تھیں ژالے پتا ہے اتنی مشکل سے سویا ہے رضا۔'' ژالے پلیٹ میں گلگلے لیے اندر آئی تھی۔ زرمیل نائٹ گاؤن پہنے سونے کی تیاری کرنے لگا تھا مگر ژالے کا ویٹ کررہا تھا۔

''کچن میں تھی آپ کے لیے یہ بنارہی تھی آپ کو دے کر حرا کو بھی دینے ہیں۔'' اس نے پلیٹ پہلے ٹیبل پر رکھی اور اس میں سے ایک گلگلہ اٹھا کے زبردستی زرمیل کے کچھ کہنے سے پہلے وہ مرچوں والا گلگلہ اس کے منہ میں ڈال دیا تھا جیسے ہی زرمیل نے وہ منہ میں رکھ کے توڑا تو مرچوں کا ایک گولہ اس کے منہ میں آگ سی لگا گیا تھا۔ زرمیل نے فوراً وہ گلگلہ منہ سے نکالا اور پلیٹ میں واپس ڈال دیا تھا۔

''ژالے......'' زرمیل نے اسے گھورا اور گلاس میں رکھا پانی منہ سے لگایا۔

''کیا کریں شرط لگائی تھی ایم سوسوری۔'' وہ زور زور سے ہنستی ہوئی واپس بھاگنے لگی تھی مگر مقابل بھی زیرک نگاہ رکھتا تھا۔

''تمہاری ایسی کی تیسی۔'' اس نے بھاگتی ژالے کی کلائی ایک ہی جست میں پکڑی تھی۔

''اب ذرا تم بھی تو اس مرچ کا مزہ چکھو۔'' زرمیل اس کو اپنی طرف کھینچ کے اس پر جھکتا چلا گیا تھا۔

ژالے تڑپ کے رہ گئی اندر تک اس مرچ کی آگ لگی تھی۔ وہ سی ''سی سی' کرنے لگی تھی۔

''اب بتاؤ کیسا لگا آرہا ہے مزہ۔'' زرمیل شوخ بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگا تھا جو اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے چہرے کو پنکھا جھل رہی تھی۔

''زرمیل آپ بہت چیٹر ہیں۔'' اس نے پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگایا اور آدھا گلاس پی کر گلاس واپس ٹیبل پر رکھ دیا تھا۔

''ہاں تم نے تو بہت اچھا کام کیا ہے نا۔'' اس نے ژالے کا باقی بچا ہوا پانی پی لیا تھا۔

''بہر حال میں آج رات حرا کے پاس سونے والی ہوں۔ وہ میرا ویٹ کررہی ہے۔'' وہ جانے لگی تھی مگر زرمیل نے اس کی کلائی پکڑلی تھی۔

☆......☆

بڑے سے ہال نما ڈرائنگ روم میں ایک صوفے پر حسن آفریدی بیٹھا تھا۔ جن کے سینے پر بی جان سر ٹکائے ہوئے تھیں اور رو رہی تھیں۔ حسن آفریدی نے اپنا بازو ان کے شانے پر پھیلا کر انہیں خود میں سمیٹا ہوا تھا۔ صمد آفریدی اور زوباریہ سامنے بڑے سے صوفے پر بیٹھے بڑی محبت سے دیکھ رہے تھے۔ صمد آفریدی کو اس میں اپنا چھوٹا بھائی ولید آفریدی نظر آرہا تھا۔ سائیڈ میں سلجوق آفریدی سنگل صوفے پر بیٹھا

تھا جو حنین آفریدی کو ناراض نظروں سے دیکھتا تو کبھی شکایتی نظروں سے حسن آفریدی کو۔

بی جان کے برابر میں ہی حنین آفریدی سر کو جھکائے بیٹھا تھا۔ جس کی مسکراہٹ ہی نہیں رک رہی تھی۔ وہ سلجوق آفریدی کی ناراضی نظروں کی تپش کو بھی محسوس کر رہا تھا۔

''بس کریں بی جان!'' حسن آفریدی نے اپنے ہاتھوں سے اپنے بازو پر سر ٹکائے بی جان کے چہرے سے آنسو صاف کیے تھے۔

''کیسے بس کروں اور کیوں نہ روؤں یہ میرے لیے کتنے دکھ کی بات ہے کہ اسی شہر میں میرا چہیتا پوتا میرے لختِ جگر میرے ولید کی نشانی میرا حسن رہتا ہے اور مجھے پتا ہی نہیں چلا کتنے سال سے یہ آنکھیں پیاسی تھیں۔ سوچتی تھیں شاید اپنے ہنی کو دیکھے بغیر ہی اس دنیا سے چلی جاؤں گی۔''

''اللہ نہ کرے بی جان! آپ کو کچھ ہو۔'' حسن آفریدی نے تڑپ کر اپنا سر بی جان کے سر سے ٹکا دیا۔

''کیوں کیا تم نے میرے ساتھ ایسا جب تم ہمیں پہچان گئے تھے تو کیوں ہمارے پاس نہیں آئے؟''

انہوں نے ہلکے سے غصے سے اسے خود سے الگ کیا تھا اور اسے شکایتی نگاہوں سے دیکھنے لگیں۔

''بی جان! حسن سے تو بعد میں نمٹنا ہے پہلے تو اس ہنی کے بچے کے کان کھینچیں اتنا گھنا میسنا ہے ہوا تک لگنے نہیں دی۔ زرمیل کے گھر بھاگ بھاگ کے جانا اب سمجھ میں آیا۔'' سلجوق آفریدی نے مسکراتے حنین آفریدی کو گھور کے دیکھا تھا اور پھر حنین آفریدی جو ہنستا تو ہنستا ہی چلا گیا تھا۔

''سلجوق بھیو! اپنا سسرال کہتے شرم آرہی ہے۔''

''زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے ورنہ مار کھاؤ گے۔'' سلجوق آفریدی نے تپ کر اسے دیکھا تھا۔

''یار سلجوق! تم اپنا خون مت جلاؤ، ویسے بھی آج تمہاری برأت ہے۔'' حسن آفریدی نے پر مزاح انداز میں اس کو چھیڑتے ہوئے حنین آفریدی کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

حنین آفریدی کا قہقہہ مزید اس کی جان جلا گیا۔ سلجوق آفریدی سے برداشت کرنا مشکل ہو گیا تو اس نے اپنے پیچھے سے کشن اٹھایا اور قہقہہ لگاتے ہوئے حنین آفریدی کو نشانہ بنایا۔ حنین آفریدی نے کشن کیچ کیا اور ہنستے ہوئے اٹھا کر جا کر سلجوق آفریدی کے قدموں میں بیٹھ گیا تھا۔

''سوری یار بھیو! مگر یقین کریں ہنی بھیو کو پہلے ہی میں پہچان گیا تھا مگر انہوں نے اگلا نہیں اس لیے ثبوت کے ساتھ گھیرا تھا اور میں آپ کو بتاتا اس سے پہلے آپ نے ہی مجھے پکڑ لیا تھا۔''

''وہ سب ٹھیک ہے مگر تمہیں ہمیں اسی دن بتا دینا چاہیے تھا۔''

''میں تو کہتا ہوں دعا دیں ہم کو نہ ہم آپ کا رشتہ لے کر حرا کے گھر جاتے اور نہ ہی ہمیں لاروش اور ہنی بھیو ملتے۔''

''بس کرو سلجوق بیٹا! چھوڑو ناراضی۔'' زوباریہ نے چاہت سے اپنے ناراض بیٹے کو دیکھا۔

''مما، پاپا آپ دونوں کو اس ہنی کے بچے سے کوئی شکوہ نہیں ہے۔'' سلجوق آفریدی نے اپنے قدموں میں بیٹھے حنین آفریدی کے کان کھینچے تھے۔

''نہیں ہمیں ہنی سے کوئی شکوہ شکایت نہیں ہے بلکہ یہ تو اس کا احسان ہے کہ مجھے میرے چھوٹے بھائی کی نشانی حسن مل گئے ہیں۔'' صمد آفریدی نے شفقت سے حسن آفریدی کو دیکھا۔

''اب بھیو! میں تو یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ میں یہ شادی نہیں کر سکتا کیونکہ شادی جو آج آپ کی ہے۔'' وہ شریر مسکراہٹ لیے بولا۔

''بس فضول کی ہانکتے ہو۔ اٹھو یہاں سے۔'' سلجوق آفریدی نے اس کو اپنے قدموں سے اٹھا کے اپنے برابر میں بیٹھایا تھا۔

''سلجوق ہنی کی سزا یہی ہے کہ اس ماہ اس کی پاکٹ منی بند رہے گی۔'' بی جان نے کہا۔

''واٹ! یہ کیا بات ہوئی یار! یہ سراسر ناانصافی ہے میرے ساتھ۔'' وہ بدکتا ہوا کھڑا ہوا۔

''بی جان! آج آپ نے میرا دل خوش کیا ہے۔'' صمد آفریدی نے بی جان کو مسکراتے ہوئے دیکھا۔

حنین آفریدی نے صمد آفریدی کو دیکھا اور تیزی سے بی جان کے برابر میں بیٹھ گیا کیوں کہ سب سے زیادہ بھاری پاکٹ منی ہی وہ دیتی تھیں۔

''بی جان! میں تو آپ کا چہیتا پوتا ہوں ناں۔''

''جذباتی بلیک میلنگ......'' سلجوق آفریدی نے ہولے سے کہا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں تو تو میری جان ہے۔ میرے جگر کا ٹکڑا ہے۔'' بی جان نے اس کی اتری ہوئی شکل دیکھی اور فوراً پھسل گئیں۔

''یہ دیکھو کیسے بٹر پاش ہو رہی ہے۔'' زوباریہ نے اشارے سے سلجوق آفریدی سے کہا۔

صمد آفریدی مسکراتے ہوئے اٹھے اور حسن آفریدی کے پاس آئے حسن آفریدی ان کے ادب میں احتراماً کھڑا ہو گیا۔

''نائلہ نے جو کیا یقیناً اس میں کوئی راز چھپا ہو گا ہم کو مگر اس سے کوئی شکایت نہیں اللہ اسے بہت اعلیٰ مقام پر پہنچائے، ہمیں تم مل گئے ہمارے لیے یہی کافی ہے تمہاری آمد نے ہم سب کی زندگی مکمل کر دی ایک خلا سا تھا ہم سب کی زندگی میں جو بھر گیا۔ اب ہمیں چھوڑ کے کہیں مت جانا۔'' صمد آفریدی نے جذبہ شدت سے اس کو گلے سے لگایا تھا۔ ان کی آنکھوں میں معمولی سی نمی تھی۔

''ولید اور شہلا کو کھونے کا دکھ اور غم تو ساری زندگی یونہی رہے گا مگر تمہارے آنے سے اس میں کمی ضرور آجائے گی۔'' انہوں نے اس کے چوڑے شانے پر تھپکی دی۔

''خوش رہو۔'' حسن آفریدی ہولے سے مسکرا دیا اور ان کا ہاتھ تھام کر ان پر بوسہ لیا۔

''بڑے پاپا! آج میں بھی خود کو مکمل محسوس کرتا ہوں اتنا عرصہ اکیلے تنہا زندگی گزار کے تھک گیا تھا مگر اب آپ لوگوں کی نرم و گرم آغوش کی ٹھنڈی میٹھی چھاؤں میں رہنا چاہتا ہوں۔'' ان بلوریں آنکھوں میں صمد آفریدی کے لیے نہایت ادب و احترام محبت تھی۔

صمد آفریدی ہولے سے مسکرا دیے اور اپنے بیڈروم کی جانب چل دیے تاکہ دو رکعت نماز نفل ادا کر سکیں۔

''اور اب ہم تمہیں جانے دیں گے بھی نہیں۔'' سلجوق آفریدی اٹھا اور اس سے بغلگیر ہوا تھا۔

''ہنی بھیو! وانیہ بھابی کو بھی تو فون کر لیں وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔'' حنین آفریدی نے شرارت سے دیکھا تھا۔

''وانیہ......!'' بی جان نے نام دہرایا۔

''تو کیا حسن پر بھی تمہارا رنگ چڑھا ہے۔'' بی جان نے حنین آفریدی کو گھورا۔
''رنگ چڑھا مطلب......؟'' حسن آفریدی نے سوالیہ نظروں سے سلجوق آفریدی کو دیکھا تھا۔
''مطلب یہ میرے بھائی کہ یہ محترم ہر ہفتے ایک نئی گرل فرینڈ کے ساتھ دوستی کرتے اور بے شمار قیمتی تحفے تحائف دینا ان کی ہابی ہے۔''
''اور ان تحفہ تحائف میں جو سب سے مہنگا تحفہ ہوتا ہے، وہ پانچ یا چھ سال کی بچی کا سوٹ ہوتا ہے۔'' بی جان نے ٹکڑا جوڑا۔
''اچھا مگر اتنا چھوٹا سوٹ کیوں کیا میرڈ گرل فرینڈ بناتا ہے جس کی اتنی سی بچی ہو۔''
''نہیں خود اس کے لیے دیتا ہے ایسے چھوٹے چھوٹے کپڑوں میں وہ اسے بہت حسین لگتی ہیں۔'' بی جان نے ایک ہنٹر اپنے برابر میں بیٹھے حنین آفریدی کو مارا جب کہ سلجوق آفریدی منہ نیچے کیے مسکرا دیا اور حسن آفریدی ناسمجھی نظروں سے تینوں کو دیکھنے لگا مگر پھر سمجھ آ گیا۔
''لاحول ولاقوۃ......'' وہ کہہ کر بری طرح جھینپ گیا۔
''بی جان! مگر اب تو کوئی نہیں ہے نا۔'' اس نے اپنا بازو سہلایا۔
''میں کیا جانو......''
''یار! آپ لوگ مجھے ہی ڈسکس کرتے رہو گے یا حسن بھیو کو بھی کچھ کہو گے؟''
''ہاں حسن یہ وانیہ کون ہے؟'' سلجوق آفریدی نے اس سے پوچھا۔
''ارے یار! اپنے عارفین بھائی ہیں نا ان کی کزن ہیں وہ جن سے ہنی بھیو کا نکاح بہت پہلے ہی ہو چکا تھا۔
''عارفین کی کزن......'' سلجوق آفریدی کی نظروں میں جھپ سے وانیہ کا چہرہ ابھرا تھا۔
''اچھا وہ جسے میں نے کہا تھا یہ شہلا پھپھو میں کتنا ملتی ہے۔''
''مگر خدا کے لیے آپ انہیں پھپھو کہہ کر مت بلا لیجیے گا، وہ ہماری بھابی ہیں۔'' حنین آفریدی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''فضول ہی بولا کرو۔'' سلجوق آفریدی خفیف سا ہو گیا تھا۔
''دیکھا ہے میں نے اس بچی کو مایوں میں ہی دیکھا تھا۔ جب وہ کالی ساڑھی میں چلی آ رہی تھی تو ایسا لگا جیسے میری شہلا چلی آ رہی ہے۔'' بی جان کی نظروں میں وانیہ کا چہرہ گھوم گیا تھا۔
''تو کیا خیال ہے بی جان! آج ہی وانیہ بھابی کی بھی رخصتی کروا کے نہ لے آئیں، حرا بھابی کے ساتھ۔''
''نہیں ابھی نہیں اور اتنی ارجنٹ تو بالکل بھی نہیں میں اپنے ہنی کی بھی بہت دھوم دھام سے شادی کروں گی وہ بھی اسی ہفتے۔''
''تھینکس بی جان!'' اس نے خوشی سے بی جان کو گلے سے لگایا۔
''وہ کس لیے؟''
''آپ ہی تو بول رہی ہیں کہ میں اپنے ہنی کی بھی بہت دھوم دھام سے شادی کروں گی وہ بھی اسی ہفتے اور سب کو پتا ہے کہ آپ ہنی مجھے ہی کہتی ہیں۔'' حسن اور سلجوق آفریدی دونوں اس کی مطلب کی بات پر

ہنس دیے تھے۔ بی جان بھی اس کا اشارہ سمجھ گئی تھیں۔
''ارے پرے ہٹو۔'' انہوں نے اسے خود سے الگ کیا اور کھڑی ہو گئیں۔
''یہ اپنی اسی طرح فضول ہانکتا رہے گا، ٹائم بھی اتنا ہو گیا ہے شام کے چھ بج گئے ہیں تیاریاں بھی کرنی ہیں۔ ہنی میرے چاند تم یوں کرو سلجوق کو جلدی سے پارلر لے جاؤ میں کچھ اور کام نمٹا لوں۔'' وہ اپنے کمرے کی جانب چل دیں۔
''پارلر...... وہ بھی سلجوق بھیو؟'' حنین آفریدی پیٹ پکڑ کے جو ہنسا تو ہنستا ہی چلا گیا تھا۔
حسن آفریدی اور سلجوق آفریدی دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کرتے ہوئے صوفے سے کشن اٹھایا اور پھر جو اس کی درگت بنائی کہ وہ چیختا ہی رہ گیا۔
''بچاؤ...... بچاؤ...... مجھ معصوم کو بچاؤ۔''

☆......☆

آج حرا اور سلجوق آفریدی کی برأت تھی۔ ہر فرد خوش اور مطمئن تھا سب کی تیاریاں عروج پر تھیں۔
''مقسوم......!'' رابعہ مقسوم کے بیڈ روم میں آئیں مقسوم وارڈ روب سے گولڈن کی جیولری نکال رہی تھی۔
''جی امی!'' اس نے اپنا کام چھوڑ دیا اور ان کی طرف بڑھی۔ عارفین بھی وہیں بیٹھا ٹی وی پر کوئی انگلش مووی دیکھ رہا تھا۔ اس نے رابعہ کی طرف دیکھا جن کے ہاتھ میں کوئی بکس تھا۔
''آج کیا پہن رہی ہو؟''
''جی میں نے یہ نکالا ہے۔'' اس نے ہینگر کیا ہوا سوٹ دکھایا۔ بلیو اینڈ فان کلر کا جارجٹ کا سوٹ تھا جس پر گولڈن اینڈ بلیو ایمبر اڈری ہوئی تھی۔ عارفین وہ سوٹ طارق روڈ سے اپنی پسند سے لایا تھا۔ رابعہ کو وہ سوٹ بھی بہت خوب صورت لگا تھا۔ فان ایمر لائن شرٹ کے ساتھ بلیو اوور کوٹ زبردست تھا آج کی تقریب کی مناسبت سے۔
''یہ سوٹ بھی بہت خوب صورت لگ رہا ہے مگر تم ایک کام کرو یہ ولیمہ کی تقریب میں پہن لینا، آج یہ ساڑھی باندھو۔'' انہوں نے مسکراتے ہوئے وہ بکس اس کی طرف بڑھایا جسے مقسوم نے تھام لیا تھا۔
''امی ساڑھی......'' ساڑھی باندھنے کا پہلا ہی تجربہ ہی اس کا بہت خراب تھا۔
''جی ساڑھی...... اب ٹائم ضائع مت کرو جلدی سے تیار ہو کر آ جاؤ۔ نیچے پارلر کی بیوٹیشن کو بلوایا ہے۔ وہ تھوڑی دیر میں اوپر آ جائے گی تمہارا میک اپ اور ہیئر اسٹائل وہ ہی کر دے گی۔'' وہ کہہ کر رکی نہیں تھیں کیونکہ انہیں کچھ اور بھی کام کرنے تھے۔
مقسوم نے بے چارگی بھری نظروں سے عارفین کو دیکھا جس نے مسکرا کے کندھے اچکائے۔ مقسوم نے بکس کھولا جس سے بلڈ ریڈ نیٹ اینڈ جارجٹ کی ساڑھی نکلی تھی جو نہایت ہی حسین لگ رہی تھی جس پر بہت ہی باریک کام کیا گیا تھا جو مہنگی اور قیمتی کے علاوہ بہت ہی خوب صورت لگ رہی تھی۔
''ساڑھی بہت خوب صورت ہے مگر اسے باندھوں کیسے؟'' پریشانی اس کے چہرے پر ہویدا تھی۔
''اگر آپ برا نہ مانیں تو میں آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔'' عارفین کو اس کی بچاری صورت پر ترس آ گیا تھا۔

مقسوم نے عارفین کو دیکھا پھر ساڑھی جو جتنی مہنگی اور خوب صورت تھی، نازک بھی اتنی ہی تھی مگر عارفین کی آفر پر اسے حیا سی آنے لگی۔

''نہیں...... میں وانیہ کے پاس چلی جاتی ہوں وہ باندھ دے گی۔'' وہ وہاں سے جانے لگی مگر عارفین نے آگے بڑھ کر اس کی کلائی تھام لی تھی۔

''میں بھی اچھی باندھ دوں گا...... چلو......'' اس نے مقسوم کو کمر سے پکڑا اور ڈریسنگ روم کی جانب بڑھا۔

''عارفین......'' اس نے احتجاج کرنا چاہا مگر عارفین نے اس کی ایک نہ سنی۔ بی جان آج کے دن کی تقریب کے لیے زوباریہ سے لاروش اغولان اور وانیہ کے لیے ارجنٹ ریڈی میڈ سوٹ مال سے منگوائے تھے۔ وانیہ کو حنین آفریدی دے گیا تھا۔ بیوٹیشن اسے تیار کرنے آرہی تھی مگر حسن آفریدی کا فون آگیا۔

''مجھے تمہارا بیوٹیشن سے میک اپ کرانا اچھا نہیں لگے گا۔ پتا نہیں وہ کیا کیا لگا کر بندے کا اصل چہرہ ہی چھپا دیتی ہیں۔ مجھے تمہارا سادہ حسن ہی اٹریکٹ کرتا ہے اس لیے زیادہ میک اپ کرا کے اسے بگاڑنا نہیں۔''

وانیہ آئینے میں اپنا عکس دیکھ کر مسکرا دی اور وہ سوٹ اٹھائے ڈریسنگ روم میں آگئی تھی۔ حنین آفریدی لاروش اغولان کے بیڈروم میں چلا آیا تھا۔

''تم نے اچھا نہیں کیا کل میرے ساتھ آئی نہیں نا مگر آج تمہیں یہاں ڈیرا ڈالنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شرافت سے گھر چلنا۔'' حنین آفریدی دھم سے اس کے بیڈ پر لیٹا تھا۔

''وانیہ بھابی نے مجھے کہا ہے کہ میں آج ان کے ساتھ ان کے بیڈروم میں سوؤں گی۔''

''یہ وانیہ بھابی کو آج ہی تمہاری کیوں ضرورت پڑ گئی اچانک سے؟''

''مطلب......!''

''مطلب یہ میری جان کہ کیوں اپنی بھو کی بددعائیں سمیٹتی ہو۔'' حنین آفریدی نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی کھینچی کہ وہ اپنا توازن برقرار نہیں رکھ پائی اور اس کے پہلو میں آگری تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ اٹھتی حنین آفریدی نے اس کے گرد اپنا گھیرا تنگ کر دیا۔

''حنین! حد ہوتی ہے بے ہودگی کی بھی۔ سمعیہ زیدی خود تو چلی گئی مگر آپ کو بگاڑ گئی۔'' لاروش اغولان نے تپ کر اسے دیکھا تھا اور اس کا مضبوط گھیرا توڑنے کی کوشش بھی کی جس کے لیے مقابل قطعی طور پر راضی نہیں تھا۔

''تم نے ابھی میری بے ہودگیاں دیکھی کہاں ہیں آج گھر تو چلو پھر بتاتا ہوں۔'' اس نے دھیمے سے کہتے ہوئے ایک شریری جسارت کر دی تھی۔

''یہی وجہ ہے جو میں آج آپ کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔'' اس کا اشارہ اس کی جسارت کی طرف تھا۔

''کبھی کبھی تو سوچتی ہوں سمعیہ زیدی کے ساتھ جانے کیا کیا کرتے ہوں گے۔''

''سمعیہ زیدی کے ساتھ جو کرتا تھا اگر تمہارے ساتھ کر دیا تو تم تو یقیناً بے ہوش ہی ہو جاؤ گی۔'' وہ مسکرا کے ذو معنی بات کر گیا۔

''کیا مطلب......؟'' اس نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''ایک تو تم مطلب بہت پوچھتی ہو گھر چلو سارے مطلب سمجھاتا ہوں۔''

''نہیں پہلے آپ مجھے یہ بتائیے کہ آپ نے سمعیہ زیدی کے ساتھ کیا کیا ہے؟'' کیا وہ جو سوچ رہی تھی ایسا ہی تھا اور حنین آفریدی اس کی سوچ پڑھ چکا تھا۔

''لاحول ولاقوۃ...... بے وقوف لڑکی جیسا تم سمجھ رہی ہو ایسا بالکل نہیں ہے۔''

''پھر کیا ہے؟''

''اف اوہ یار! میری صرف سمعیہ زیدی سے زبانی کلامی گفتگو رہتی تھی جسے بے باک گفتگو اور تمہاری زبان میں بے ہودگی کہا جاتا ہے۔ مگر یہ بھی سچ ہے کہ اظہارِ محبت اور عملی محبت صرف تمہارے ساتھ ہے۔'' اس نے لاروش اغولان کے چہرے پر ہلکی سی پھونک ماری۔ لاروش اغولان نے اپنی ہرنی آنکھیں بند کر لیں۔ جن پر حنین آفریدی نے اپنے ہونٹوں سے اپنا نام لکھ دیا تھا۔ لاروش اغولان نے آنکھیں آہستہ آہستہ سے کھولیں وہ ابھی بھی اس پر جھکا ہوا تھا۔

''تمہارے چہرے کے ہر نقش نے تمہاری اداؤں نے مجھ پر ایسا مضبوط حصار باندھ دیا ہے کہ دل تمہارا غلام بن گیا ہے اور یہ دل تمہارے علاوہ کسی کو نہیں چاہتا یہ دل کبھی نہیں چاہے گا کہ تمہاری محبت کا حصار ٹوٹے اس لیے بے فکر رہو۔ حنین آفریدی کی نظر تم سے کبھی نہیں ہٹے گی یہ صرف تمہاری صورت تمہاری سیرت کا ہی گرویدہ ہے صرف تمہیں ہی پوجتا ہے تمہیں ہی چاہتا ہے۔'' وہ لاروش اغولان کے چہرے پر ہولے ہولے انگلیاں پھیر رہا تھا اور اپنا آپ دل، روح سب کچھ اسے سونپ چکا تھا۔

لاروش اغولان کا دل مغرور ہونے لگا۔ فخر کرنے لگا کہ یہ شخص آج مکمل اس کا ہو چکا ہے اسے اپنی نانو کی پسند پر ناز تھا، فخر تھا۔

''مجھے یقین ہے آپ مجھے چھوڑ کے کہیں نہیں جائیں گے۔ آپ کی محبت سے میرا پورا وجود خوشبو سے مہکنے لگا ہے۔'' اس نے دھیرے سے اظہار محبت کیا تھا اور اس کے اظہار محبت پر حنین آفریدی نے یقین کی مہر ثبت کر دی تھی۔

☆......☆

پرل ہوٹل میں خوب چہل پہل ہو رہی تھی۔ پر رونق ماحول تھا۔ ہر طرف خوشبو ہی خوشبو خوشیاں ہی خوشیاں بکھری ہوئی تھیں۔

حنین آفریدی اور حسن آفریدی کے بیچ میں چلتا ہوا ریاست کا شہزادہ فاتحانہ قدموں سے چلتا ہوا سلجوق آفریدی خوب صورت سے اسٹیج تک آیا تھا۔

تھوڑی ہی دیر میں نکاح بھی کر دیا گیا تھا۔

خوب صورت سی نازک اور پیاری سی بالکل گڑیا لگ رہی تھی حرا۔

جسے آہستہ آہستہ ژالے اور مقسوم تھامے ہوئے تھیں۔ دونوں کے سنگ وہ اسٹیج تک آرہی تھیں اور نہایت آرام سے اسے سلجوق کے برابر میں بٹھا دیا تھا۔ سلجوق آفریدی کا چوڑا شانہ اس سے ٹچ ہوا تو اس کا دل بری طرح دھڑک اٹھا تھا تنفس تیز تر ہو گیا تھا۔ جب کہ ژالے سلجوق آفریدی کے سامنے آکھڑی ہوئی تھی۔

''جی تو سلجوق بھو! لائیے نکالیے ہمارا نیگ۔'' اس نے اپنا ہاتھ سلجوق آفریدی کے سامنے پھیلا دیا تھا۔

”جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے میں نے آپ کو پہلی بار دیکھا ہے۔“ سلجوق آفریدی نے پر مزاح انداز میں کہتے ہوئے ژالے کو دیکھا تھا۔

”کیا...... یعنی آپ دھوکا دے رہے ہیں۔“ ژالے کی آنکھیں پھٹ کے رہ گئیں۔

”مگر فوجی تو کبھی کسی کو دھوکا نہیں دیتا۔“

”سلجوق بھیو! آپ اس وقت بارڈر پر نہیں بلکہ اسٹیج پر اپنی دلہن کے ساتھ بیٹھے ہیں اور آپ نہیں تو کیا ہوا ہم تو دھوکہ دے سکتے ہیں، ہم حرا کو آج یہاں سے ابھی اٹھا کے لے جاتے ہیں آپ کو بغیر دلہن کے اپنی خوب صورت سی بجی ہوئی گاڑی میں اکیلا بیٹھ کے جانا ہوگا۔“ برابر میں کھڑی مقسوم بھی چہکی تھی۔

”سلجوق بھیو! کیوں بے موت خود بھی مرو گے اور مجھے بھی مارو گے۔ ژالے بھابی چنگیز خان کی بھتیجی ہوتی ہیں، یہ نہ حرا بھابی کو جانے دیں گی اور نہ ہی لاروش کو۔“ پیچھے سے حنین آفریدی نے کان میں آہستگی سے کہا تھا۔

”کیا کھسر پھسر چل رہی ہے؟“ ژالے نے حنین آفریدی کو گھورا تھا۔

”کچھ نہیں ژالے بھابی! میں تو کہہ رہا تھا کہ یہ جتنا مانگ رہی ہیں دے دیں۔“ اس نے ڈرنے کی بھرپور ایکٹنگ کی تھی۔

”وہ تو میں سب سمجھ رہی ہوں مگر تمہیں بھی میں بعد میں دیکھتی ہوں۔“ اس نے کہتے ہوئے پھر سے سلجوق آفریدی کو دیکھا۔

”چلیں بھئی سلجوق بھیو! جلدی کریں نا۔“

”آپ نے حرا سے اجازت لی تھی؟“ گھنی بلیک مونچھوں تلے ان لبوں پر شریر مسکراہٹ تھی۔

”او کے ہم حرا کو اندر لے جاتے ہیں پھر تسلی سے اس سے پوچھتے ہیں، چلیں مقسوم بھابی حرا کو اٹھایئے۔“ وہ آگے بڑھی۔

”ارے، ارے میں تو مذاق کر رہا تھا یہ لیجیے۔“ سلجوق آفریدی نے جلدی سے شیروانی کے اندر والی جیب سے بھاری لفافہ نکال کے ژالے کے ہاتھ پر رکھا۔

”تھینکس۔“ وہ مسکرا دی۔

وہ دونوں نیچے اسٹیج سے اتریں۔

”اچھا تم نے بتایا نہیں۔“

”کیا نہیں بتایا مقسوم بھابی۔“ اس نے وہ بھاری لفافہ اپنے گولڈن پرس میں ڈال کے مقسوم کو دیکھا تھا۔

”وہی رات کا فسانہ۔“

مقسوم ریڈ ساڑھی میں بہت حسین اور خوب صورت لگ رہی تھی۔ آج پہلی بار ژالے نے اس کے چہرے پر قوس وقزح کے سارے رنگ دیکھے تھے جو اس کے چہرے کو ہی نہیں اس کے پورے وجود کے گرد ہالا روشن کر رہے تھے۔ آج سے پہلے اس نے مقسوم کو اتنا خوش کبھی نہیں دیکھا تھا۔

”مقسوم بھابی! آپ پر تو خوب ٹوٹ کے رنگ آیا ہے۔“ اس نے بے ساختہ مقسوم کے رخسار پر اپنا رخسار رکھ کر کس کیا تھا۔ وہ جھینپ کے رہ گئی۔

”میری فی الحال چھوڑو اپنی سناؤ رات کو کیا ہوا، زرمیل بھائی نے تمہارا بنا ہوا وہ گلگلہ کھا لیا تھا؟“

”ہاں یار کھلا کے اپنی ہی شامت کو آواز دی۔“ ژالے کے چہرے پر اس قدر بے چارگی تھی مقسوم سمجھی کے یقیناً ایک تھپڑ تو ضرور پڑا ہوگا۔ اس کے کام بھی تو ایسے ہی نرالے ہوتے ہیں۔

”خیریت......!“

”خیریت تو ہی نہیں تھی۔ گلگلہ میں نے انہیں کھلایا اور پوری رات میں ٹھنڈا پانی پیتی رہی بچی مقسوم بھابی نیند بھی پوری نہیں ہوئی۔“

ژالے کے کہنے پر اسے کچھ دیر میں سمجھ میں آیا تھا۔

”اللہ ژالے بہت ہی بری ہو تم تو۔“ مقسوم نے اس کو زور سے چپت اس کے کندھے پر لگا دی تھی۔

”آہ مقسوم بھابی!“ اپنا کندھا سہلانے لگی۔

”آخر کو ہیں نا باڈی بلڈر کی بیوی، کیا پوری رات آپ پر ہی آزماتے رہے ہیں۔“ اس نے دھیمے سے سرگوشی کی۔

”میں تو بعض اوقات تم سے کچھ ایسا ویسا پوچھ کے ہی پچھتاتی ہوں۔ ٹھیک کہتی ہیں ثمرن بھابی بے شرمی کے ریکارڈ توڑے ہوئے ہیں تم نے۔“

”چلیں ایسا ویسا نہ پوچھیں مگر کچھ ایسا ویسا ہی بتا دیں۔“ شرارت سے بھرپور مسکراہٹ لیے اس نے شرمائی سی مقسوم کو چھیڑا۔

”صبر کرو تمہاری ابھی زرمیل بھائی سے شکایت کرتی ہوں وہی تمہیں سیدھا کریں گے۔“ مقسوم نے اپنی ریڈ ساڑھی کا پلو ٹھیک سے کیا تھا۔

”اوئے ہوئے آج تو لوگ بہت زیادہ ہی اترا رہے ہیں، بھئی اترانا بھی چاہیے کہ آخر کو میرے سب سے اچھے بھائی کی مسز ہیں۔“

”اور یہ میری سب سے اچھی مگر نالائق بہن ہے۔“ پیچھے سے آتے عارفین نے شفقت سے دیکھتے ہوئے ہلکی سی چپت اس کے سر پر ماری تھی۔

ژالے کو یوں ہنستا مسکراتا خوش دیکھ کر وہ بہت مطمئن تھا۔ ژالے نے اپنی چھوٹی سی عمر میں جو تکلیف اٹھائی تھی آج اس کو سود سمیت خوشیاں بھی بڑھ کر ملی تھیں۔

”عارفین بھائی آپ اپنی اس نالائق بہن کو پھپھو کب بنا رہے ہیں؟“ وہ ایسی ہی تھی بغیر سوچے سمجھے ہر بات بول دیتی تھی کتنی ہی ڈانٹ کھا چکی تھی مگر کوئی اثر نہیں۔

”وہ تو انشاء اللہ تمہیں جلد پھپھو بنا دے گا مگر تم مما بالکل کوری ہو۔“ وہیں زرمیل بھی رضا کو گود میں لیے چلا آیا تھا جو ژالے کو دیکھ کے پاس آنے کے لیے ہمک رہا تھا۔

”کب سے تمہیں ڈھونڈ رہا ہے رضا۔“

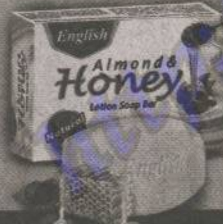
”میرا بیٹا۔“ ژالے نے دلار سے اسے لے لیا تھا۔

”اسے کچھ کھلاؤ بھوکا لگ رہا ہے یہ مجھے، مجھ سے کچھ کھا بھی نہیں رہا ہے۔“ ژالے رضا کو گال پر پیار کرتی کھانے کی ٹیبل کی سمت بڑھی تھی۔ مقسوم بھی وہاں سے وانیہ کی سمت بڑھ گئی جو بی جان اور زوباریہ کے پاس بیٹھی تھی۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟“ زرمیل بغور عارفین کو تک رہا تھا۔







''یہی کہ آج خوب رونق ہے چہرے پر۔''

''یہ سب رونق مقسوم کی مرہون منت ہے۔'' اس کی نظریں مقسوم پر ہی تھیں جو بی جان کے برابر میں بیٹھی تھی۔

''وہ تو نظر آرہا ہے؟ آج دل تجھے دیکھ کر بہت خوش ہے۔ تیری مکمل زندگی پر تجھے مبارک باد۔'' عارفین ہولے سے ہنس دیا۔

ساری رسمیں ہوگئی تھیں۔ اب آخری رسم سہرا بندھی کی تھی۔ وہ بھی شروع ہوگئی تھی جو رسم تھی کہ سات سہاگنیں ہی کریں گی۔

''مقسوم! جلدی آؤ سہرا بندھی کرنی ہے اور ژالے کہاں ہے؟'' ثمرن نے وہیں اسٹیج پر سے ہانک لگائی تھی۔ عارفین اور زرمیل نے اسٹیج پر دیکھا تھا۔

مقسوم ساڑھی سنبھالتی کھڑی ہوئی تھی اور اوپر اسٹیج کی طرف بڑھی۔

''وہ دیکھو۔'' زرمیل نے ٹیبل کے پاس دیکھا جہاں ژالے رضا کو زبردستی کچھ کھلانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ مسلسل انکاری تھا۔

''جانے اس لڑکی کا کیا بنے گا وہاں رسم شروع ہوگئی ہے سہرا بندھی کی اور یہ ابھی تک یہیں ہے۔ میں دیکھتا ہوں۔'' زرمیل ہنستا ہوا ژالے کی طرف آرکا تھا۔ ژالے نے زرمیل کو دیکھا۔

''زرمیل! کچھ نہیں کھا رہا یہ۔'' ژالے پریشان ہی نہیں رضا کو سنبھالتے سنبھالتے ہلکان بھی ہوگئی تھی، زرمیل ہولے سے مسکرا دیا تھا۔

''تم رضا کو مجھے دو اور چلو ثمرن تمہیں بلا رہی ہے حرا کی سہرا بندھائی کی رسم شروع ہوگئی ہے۔'' زرمیل نے رضا کو ژالے کی گود سے لے لیا تھا اور ژالے کے کان میں کوئی میٹھی سی سرگوشی کی تھی جس سے ژالے کا چہرہ گلنار سا ہوگیا تھا۔ بلکہ اس نے ایک ہلکا سا مکہ بنا کر اس کے بازو پر جڑ دیا تھا۔

یہ سب کھڑا عارفین دور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ دھیرے سے مسکرا دیا اور زندگی بھر خوشیاں دینے کی رب سے صدق دل سے دعا کی۔ وہ ایک گہری سانس لیتا ہوا مقسوم کو تلاش کرنے لگا تھا۔ جو وہاں اسٹیج کے پاس ہی کھڑی تھی۔ وہ چلا ہوا مقسوم کے بالکل نزدیک جا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ مقسوم نے رخ موڑ کے دیکھا۔ ان بلوریں آنکھوں میں چاہت کا ایک سمندر دیکھا۔

''بہت خوب صورت لگ رہی ہو سوچ رہا ہوں ہنی مون منانے پیرس خوشبو کے شہر چلیں تمہارا کیا خیال ہے؟'' مقسوم حیا سے مسکرا دی اس کے گال پر پڑتا ڈمپل مزید گہرا ہو گیا تھا۔

پھولوں سے سجی کار میں وانیہ اور لاروش اغولان کے ہمراہ حرا چلتی ہوئی آئی تھی۔ تینوں کار میں بیٹھ گئی تھیں۔ فرنٹ پر سلجوق آفریدی براجمان تھا۔

دوسری گاڑی میں حسن آفریدی اور حنین آفریدی جن کے ساتھ پیچھے بی جان زوباریہ اور صمد آفریدی بیٹھے تھے یہ دونوں کاریں آفریدی ولاز کی طرف گامزن تھی۔

ہر کوئی اپنی جگہ خوش تھا ہر شخص کو مہکتی خوشبوؤں نے اپنے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ خوش حال خوش و خرم زندگی کی نوید جس کا پتا کل نکلنے والے سورج کی پہلی کرن دے گی۔

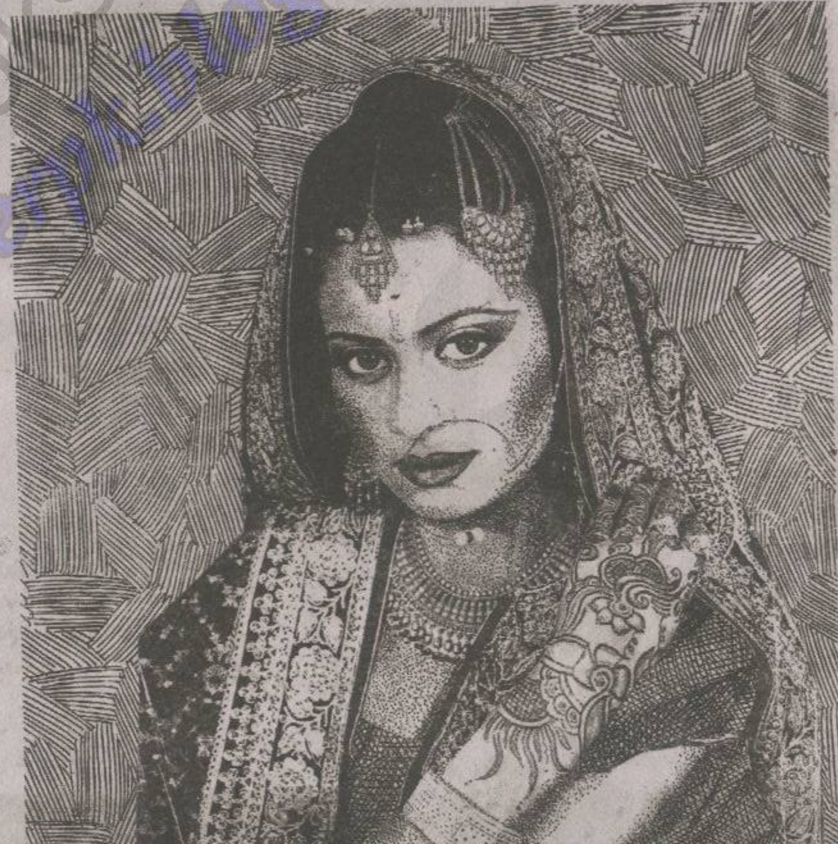
☆......ختم شد......☆

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین

مکمل ناول

محبت کا دکھ

''اوہو رومی! اٹھ جاؤ، دیکھو 8 بج گئے ہیں تمہیں کالج نہیں جانا کیا!''
آنی نے پیار سے اس کے اوپر سے کمبل ہٹاتے ہوئے کہا، رومیصہ جو دوبارہ کمبل میں گھسنے والی تھی، فوراً اٹھ بیٹھی۔



''کیا۔۔۔!'' 8 بج گئے؟''
''اوہ! آج کالج میں پہلا دن تھا مجھے تو اپنی کلاس کا بھی نہیں پتہ اوف آنی اب کیا ہوگا؟ مجھے 9 بجے تک پہنچنا ہے''۔

اُس نے جلدی سے بستر چھوڑا اور الٹے سیدھے سلیپر پہنتے عجلت میں واش روم میں گھس گئی، آنی اس کی جلد بازی پر مسکرادیں، وہ ایسی ہی تھی لاپرواہ، لاابالی، مگر اسٹڈی میں بہت محنتی اور ذہین۔ ہمیشہ اُس نے ہر کلاس میں شاندار نمبروں سے کامیابی حاصل کی تھی اور آج اُس کا میڈیکل کالج میں پہلا دن تھا۔

''اوکے! میں نیچے جا رہی ہوں تم جلدی سے تیار ہو کر آجاؤ، اس سے پہلے کہ مزید دیر ہو جائے''۔
یہ کہہ کر وہ ناشتہ تیار کرنے نیچے چلی گئیں۔
''اوکے آنی''!



اُس نے جلدی جلدی چائے پیتے ہوئے کہا۔

''دوپہر میں لنچ میں ملاقات ہوتی ہے، سنا ہے پہلی کلاس ڈاکٹر زیدی کی ہے اور وہ بالکل بھی لیٹ کمرز کو پسند نہیں کرتے۔''

رومی نے جلدی جلدی اپنا ہینڈ بیگ، فائل اور موبائل فون سمیٹا اور انہیں پیار کرتے ہوئے کہا۔

''او کے بائے''۔

آنی پیچھے سے آواز ہی دیتی رہ گئیں کہ ناشتہ کر کے جاؤ مگر اس وقت اُسے کالج پہنچنے کی جلدی تھی، اپنی لاپرواہی کی وجہ سے اُس نے ابھی تک اپنی کلاس بھی نہیں دیکھی تھی، حالانکہ اس کی دوست تحریم نے بہت کہا تھا جیسے ہی وہ کالج پہنچی تحریم کو گیٹ پر ہی اپنے انتظار میں ٹہلتے پایا، وہ اُس کی خفگی کے ڈر سے جلدی جلدی اُس کی طرف بڑھنے لگی۔

''اوہ، آوچ'' پتھر کی ٹھوکر سے نیچے گر پڑی اور اُسے اپنے پیچھے کھڑے لڑکوں کے گروپ کی بے ہنگم ہنسی کی آواز سنائی دی، وہ تو شرمندگی کے مارے اٹھ ہی نہیں سکی۔

''ارے محترمہ! کیا میرے قدموں میں ہی زندگی گزار دینے کا ارادہ ہے؟ کس اس دنیا میں ہیں یا گزر گئیں؟''

اُس کی طنزیہ آواز پر پھر ایک قہقہہ سنائی دیا، رومیصہ ایک دم جھٹکے سے اٹھی۔

''اوہ یو...... مسٹر! اپنے آپ کو کیا سمجھتے ہیں؟ جہاں حسین لڑکی دیکھی، آ گئے بات کرنے کے بہانے، ایک تو میں گر گئی ہوں، بجائے مجھے اٹھانے میں میری مدد کرنے کے میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟''

غصے میں اسے کچھ سمجھ نہیں آیا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے؟

تحریم جو اُسے دیکھ چکی تھی قریب آتے ہوئے وہ بھی اُس کی آخری بات سن کر شرمندہ ہو گئی اس کا دل چاہا کہ محاورتاً نہیں بلکہ حقیقتاً اُس کا سر پیٹ دے۔''

''ہاہاہا...... یعنی میں آپ سے ہمدردی؟ مثلاً کس قسم کی مدد؟ محترمہ آپ کو اپنے ہاتھوں میں اٹھا کر میڈیکل کیمپ لے کر جاؤں؟ یا آپ کے زخموں کا مداوا کروں؟''

حارث نے معنی خیزی سے اُس کے قریب آ کر کہا، وہ اُس کی بات سن کر خفت سے سرخ پڑ گئی اب اُسے اپنی بے تکی بات کا احساس ہوا تھا، مگر اپنی شرمندگی بھی تو دور کرنی تھی۔''

''جی میرا مطلب یہ نہیں تھا آپ لڑکوں کو تو بس فضول بولنے کا موقع چاہیے ہوتا ہے، اونہہ چلو تحریم، ان کے منہ لگنا بیکار ہے۔''

یہ کہہ کر وہ اپنے پاؤں میں لگی چوٹ کی پرواہ کیے بغیر یہ جا، وہ جا۔

حارث بھی مسکرا کر رہ گیا۔

''پہلے دن ہی اتنا خوبصورت ٹکراؤ واؤ!''

پیچھے سے اُسے اپنے دوست علی کی آواز سنائی دی، اب لڑکوں کا پورا ٹولہ اُس کی طرف آ رہا تھا، وہ سمجھ گیا کہ اب اس کا ریکارڈ لگنے والا ہے لہٰذا اُس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

''کوئی فضول بکواس نہیں یہ محض ایک اتفاق تھا اور تمہیں پتہ ہے صنف نازک کی میں بہت عزت کرتا ہوں، وہ تو اُس لڑکی کے چہرے پر اتنی بیوقوفی اور گھبراہٹ تھی کہ میری دلچسپی خود بخود اُس کی طرف مائل ہو گئی، ورنہ میرے لیے ہر لڑکی قابل احترام ہے۔''

اُس کے الفاظ اور لہجے میں اتنی سنجیدگی اور مضبوطی تھی کہ پھر کسی کو کچھ کہنے کا موقع نہیں ملا اور وہ سر زیدی کی کلاس کی

طرف بڑھ گئے، جہاں وہ نادان حسینہ بھی موجود تھی علی کھنکارنے سے باز نہیں رہ سکا، حارث بس اُسے گھور کر رہ گیا، دوسری طرف رومیصہ کے منہ میں اُسے دیکھ کر کڑواہٹ گھل گئی۔

''اونہہ تو یہ میرا کلاس فیلو ہے، ایک نمبر کا چھچھورا، اکڑو اور مغرور کہیں کا، آج کا دن ہی بُرا ہے۔''

سر زیدی کے داخل ہونے سے اُس کی توجہ ہٹی۔

''السلام علیکم سر!''

سب نے مؤدب ہو کر سلام کیا، پھر سر نے اپنا تعارف کروایا اور سب سے باری باری اپنا تعارف کروانے کے لیے کہا، ان کا لہجہ، انداز گفتگو اور سمجھانے کا انداز، بہت خوبصورت اور نرم تھا کہ رومیصہ جو ڈری ہوئی تھی کہ پتہ نہیں سر کیسے ہوں گے؟ اس کا ڈر اور خوف دور ہو گیا اور تھوڑی دیر پہلے جو بیزاری اُس پر طاری تھی وہ دور ہو گئی۔

......☆......

''پیر جلال اتنے دن ہو گئے کمال پتر کا کوئی خط نہیں آیا، نہ وہ خود ملنے کے لیے آیا، بڑا دل کر رہا ہے اُسے دیکھنے کو۔''

بے بے کی بات سن کر گل رخ کے کان اسی طرف لگ گئے، وہ بھی تو بے چین تھی اسے دیکھنے کے لیے، مگر اسے کیا پرواہ کہ یہاں کوئی اس کی راہ دیکھ رہا ہے، وہ تو شہر کی روشنیوں اور رنگینیوں میں گم تھا۔

''ارے کمالے کی ماں تو بلاوجہ پریشان ہو رہی ہے تجھے پتہ تو ہے، ڈاکٹری کی پڑھائی اتنی مشکل ہے روز، روز کا آنا مشکل ہے۔ کل اس کا فون آیا تھا، کہہ رہا تھا اس ہفتے اس کا امتحان ہے اگلے ہفتے فارغ ہوتے ہی وہ آئے گا۔''

''اچھا! واقعی میرا پتر آئے گا، اللہ ساتھ خیریت سے اس کو لائے۔''

بے بے نے خوش ہوتے ہوئے کہا تو وہیں گل رخ کے دل کی کلی بھی کھل گئی، وہ بے بے کے ساتھ مل کر ابھی سے اس کے لیے اس کی پسند کی چیزیں بنانے لگی۔

''ارے گل پتر ٹھنڈ بہت ہے، کمالے کے کمرے میں رضائی جو ہے اس کو دھوپ لگا دے، اسے سردی بھی بہت لگتی ہے، اور ہاں وہ بجلی کا ہیٹر بھی صاف کر کے اس کے کمرے میں رکھ دے۔''

بے بے نے فکرمندی سے کہا۔ گل رخ ان کی محبت پر مسکرا دی۔

''ارے بے بے! تو پریشان نہ ہو، میں سب کچھ کر لوں گی ابھی تو میرے کالج کی چھٹیاں ہیں یہیں ہوں میں، تو پریشان نہ ہوں۔''

گل رخ نے رضائی کو دھوپ میں پھیلاتے ہوئے بے بے کو تسلی دی۔ کوئی اس کے دل سے پوچھتا وہ تو اپنے محبوب کی راہ میں پلکیں بچھائے بیٹھی تھی کہ کب اس کا دیدار ہو، اور اس کے دل کو قرار آئے ایک ہفتے بعد آخر جنوری کی سرد سی خوشگوار شام میں وہ دشمن جاں آ گیا، آج اس نے گڑ کے میٹھے چاول خوب بادام پستہ ڈال کر بنایا تھا، ساتھ اس کی پسند کا مرغ پلاؤ تھا، شہر میں پڑھنے کے باوجود آج بھی وہ اندر سے دیہاتی تھا۔

''سلام بابا! سلام بے بے!''

آتے کے ساتھ ہی اس نے بے بے کو گلے لگاتے ہوئے کہا۔

''ارے جیتا رہ میرا پتر! آج کتنے دن بعد شکل دکھائی ہے، کتنا کمزور ہو گیا ہے میرا پتر؟''

بے بے نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا، پیر جلال کے ساتھ ساتھ کمال بھی مسکرا دیا۔

''ارے کہاں بے بے! اچھا بھلا ہینڈسم تو ہوں، وہاں شہر میں لڑکیاں تو تیرے بیٹے کی دیوانی ہیں۔''

کمال نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ارے فٹے منہ یہ شہر کی کڑیاں تو ہوتی ہی ایسی ہیں جہاں کوئی گھبرو جوان نظر آیا بس دل آ گیا۔''

بے بے نے منہ بناتے ہوئے کہا تو ایک بار پھر اس کی ہنسی نکل گئی صاف، کھلکھلاتی اور زندگی سے بھرپور ہنسی جو کسی کو بھی تسخیر کرنا جانتی ہو، جیسے ابھی گل رخ کے دل کو بے قابو کر گئی، اسی وقت کمال کی اس پر نظر پڑی۔

''ارے گل! وہاں کیوں کھڑی ہو؟ ادھر بیٹھو اور سناؤ تمہاری پڑھائی کیسی چل رہی ہے؟''

کمال نے اسے پاس بلاتے ہوئے کہا۔ اس وقت گل کا دل اس کی اتنی ہی نظر عنایت پر کسی معصوم بچے کی طرح جھومنے لگا۔ وہ نظر جھکائے بے بے کے ساتھ آ کر بیٹھ گئی۔

''جی بس صحیح چل رہی ہے۔''

''ہوں......! کسی چیز یا کتابوں کی ضرورت ہو تو مجھے بتادو، بھجوادوں گا، تمہیں اچھے نمبروں سے پاس ہونا ہے۔'' گل نے اس کی بات پر اس کی طرف نظر بھر کر دیکھا مگر اس کا انداز ہمیشہ کی طرح نارمل تھا، وہ ہمیشہ اس سے بس اس کی پڑھائی اور ضرورت کی بات ہی کرتا تھا، اس کی خواہش تھی کبھی تو وہ اس کی دل کی بات بھی سنے اس کی پسند اور ناپسند کے بارے میں معلوم کرے، لیکن ہر بار اسے مایوسی ہوتی مگر پھر بھی اس کے معصوم دل کو اس کا رعب جمانا اچھا لگتا تھا۔

''جا پتر کمالے کے لیے کھانے کا انتظام کر، میرا پتر اتنا تھکا ہوا آیا ہے''

گل رخ اپنے دل کو سنبھالتے ہوئے، آنکھوں میں آئی نمی کو چھپاتے اندر چلی گئی، پھر کھانے کے بعد وہ جلد ہی اپنے کمرے میں چلی گئی، جبکہ کمال کو اس کے والد نے اپنے پاس روک لیا۔

''ہاں تو پتر! پھر تو نے کیا سوچا ہے؟''

''کس بارے میں؟''

کمال جو اپنے موبائل پر Msgs چیک کر رہا تھا، سرسری طور پر پوچھا۔

''ارے پتر وہی بات جو تجھ سے میں نے فون پر کی تھی، اب گل بارہویں کا امتحان دے گی، تجھے پتہ ہے ہمارے گاؤں کے نزدیک کوئی اور بڑا کالج نہیں کہ جہاں وہ آگے پڑھ سکے، بس اتنا پڑھ لیا، وہ بھی تیری ضد پر......بس اتنا کافی ہے اب میں اپنے مرحوم بھائی کی ذمہ داری سے آزاد ہونا چاہتا ہوں اس کی شادی کر کے۔''

پیر جلال نے اسے تفصیل سے بتایا۔

''تو بابا......! پھر آپ نے کوئی لڑکا دیکھا؟''

کمال نے اسی لاپرواہی سے پوچھا، اس دفعہ پیر جلال کے ساتھ ساتھ چپ بیٹھی بے بے بھی بول پڑیں۔

کیا مطلب تیرا پتر؟ لڑکا دیکھنے کی ضرورت ہے، تو ہے نا ہم تیری شادی گل سے کریں گے، تجھ سے بڑھ کر کوئی اور ہو سکتا ہے؟''

''بے بے! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ لوگ؟''

اس دفعہ کمال ٹھٹکے بغیر نہ رہ سکا۔

''میں اور گل سے شادی؟ بابا ایسا سوچنا بھی مت، اس کا اور میرا بھلا کوئی جوڑ ہے، کہاں وہ گاؤں کی F-A پاس، اور کہاں میں مستقبل کا MBBs ڈاکٹر اب صرف ایک سال رہ گیا ہے مجھے MBBs مکمل کرنے میں......ویسے بھی میرا ارادہ اسپیشلائزیشن کے لیے باہر ملک جانے کا ہے، ابھی میرا شادی کا دو سال تک کوئی ارادہ نہیں، آپ میرا خیال ہے کہ یہیں گاؤں میں دیکھ کر اس کی شادی کر دیں۔''

کمال نے حتمی انداز میں جواب دیا۔

''یہ، یہ کیا، کہہ رہا ہے کمالے تو؟ میں نے اپنے مرحوم بھائی سے وعدہ کیا تھا، اب کیسے اپنے وعدے سے پھر جاؤں!''

''اوہ......بابا! وعدہ آپ نے کیا تھا، ویسے بھی مرنے والوں کی خواہش زندہ لوگوں کے ارمانوں سے بڑھ کر نہیں ہوتی، یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے نکلتا چلا گیا، یہ جانے بغیر کے اس کی سفا کی اور بے حسی پر اندر ایک معصوم لڑکی کی آنکھوں کے جلتے دیے بجھ گئے ہیں، نہ صرف اس کی خواہشوں کا خون ہوا ہے بلکہ اس کو اتنا حقیر سمجھ کر اس کی عزت نفس کو مجروح کیا، اس رات گل رخ بلک بلک کر روئی، کاش اس کے ماں باپ زندہ ہوتے تو آج یہ نارسائی اور رسوائی اس کے حصے میں نہ آتی، پھر کمال کے باپ نے اس سے شادی کے سلسلے میں دوبارہ کوئی بات نہیں کی اور وہ مطمئن ہو کر شہر واپس آ گیا، جہاں اس کی محبت رباب اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی تھی، جو گل رخ کی طرح حسین اور معصوم نہ سہی مگر گڈ لکنگ اور سیٹھ نثار کی بے پناہ جائیداد کی اکلوتی وارث تھی، جسکی ہر خواہش پوری کرنا سیٹھ نثار کی اولین ترجیح تھی اور کمال بھی اس کی ایک ضد اور خواہش ہی تو تھا، اسے امید تھی کہ رباب سے شادی کے بعد وہ لندن سے اپنے اسپیشلائزیشن کا خواب اور پھر اسپتال و کالج کھولنے کی خواہش کو تعبیر دے سکے گا۔ اس کے خوابوں میں گل رخ جیسی عام سی کالج کی انٹر پاس لڑکی کا کوئی گزر نہیں تھا، وہ اس کے لئے بس چچازاد تھی بے شک وہ بہت حسین اور معصوم تھی، مگر زندگی صرف خوبصورتی کے سہارے نہیں گزرتی۔ لہٰذا رباب کو دیکھ کر اس کے دل میں ماں باپ کی خواہش کو رد کرنے کا جو ملال تھا وہ بھی دور ہو گیا، وہ رباب کی سنگت میں بہت خوش تھا یہ جانے بغیر کے قدرت کسی معصوم کا دل توڑنے پر معاف نہیں کرتی۔

......☆......

''السلام علیکم آنی!''

''وعلیکم سلام مائی سویٹ ہارٹ! آج کا دن کیسا گزرا آپ کا؟'' آنی نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھا۔

''ایک دم پرفیکٹ، بس شروع میں تھوڑی بدمزگی ہو گئی تھی۔''

اسے صبح کا واقعہ از سر نو یاد آیا تو منہ بناتے ہوئے جواب دیا۔

''اچھا ایسا کیا ہو گیا تھا، ہمیں بھی تو پتہ چلے۔''

آنی نے پیار سے پوچھا۔

رومی نے انہیں ساری روداد سنادی جسے سن کر وہ ہنسنے لگیں۔

''آنی! آپ بھی ہنس رہی ہیں اس بدتمیز انسان نے میری انسلٹ کی بجائے آپ غصہ ہونے کے ہنس رہی ہیں۔''

رومی نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''ارے نہیں چندا! مجھے تم پر نہیں بلکہ تمہاری بے وقوفی پر ہنسی آ رہی ہے سچ تم نے حرکت ہی ایسی کی کہ اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا تو ایسے ہی مذاق اڑاتا۔''

''آنی......ItisnotFair۔''

یہ کہہ کر وہ پاؤں پٹختے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چل دی، آنی کو اس کے انداز پر ایک بار پھر ہنسی آ گئی، انہیں

پتہ تھا ابھی اس کی پسند کا مٹر قیمہ اور گاجر کا حلوہ لنچ میں ہوگا تو اس کا موڈ خود بخود ٹھیک ہوجائے گا وہ ایسی ہی تھی، جلد روٹھنے والی اور پھر مان جانے والی، ان کی زندگی کا کل اثاثہ، وہی تو انکی ویران زندگی میں جینے کی آرزو تھی ان کی بیٹی، ان کی دوست، ان کی ہمراز اور انکا سب کچھ...... ان کا آخری رشتہ جس کی خوشی کے لیے وہ سب کچھ کرسکتی تھیں، جیسے ابھی اسکول سے اتنی تھک کر آنے کے باوجود اس کے لیے لنچ تیار کررہی تھیں کہ انہیں اس کی فکر تھی صبح بھی اس نے جلدی میں کچھ نہیں کھایا تھا، پھر واقعی لنچ میں اس کا دل خوش ہوگیا۔

"آئی لو یو آنی۔"

یہ کہہ کر وہ ان کے گلے لگ گئی اور انہیں لگا، ان کی ساری محنت وصول ہوگئی۔

"ارے آنی آپ کو سر زیدی کا تو بتایا ہی نہیں، ویسے تو سارے پروفیسر بہت اچھے ہیں مگر سر زیدی! ان کی کیا بات ہے؟ بلاوجہ سب نے اتنا ڈرا دیا تھا! پر وہ بہت نرم مزاج اور ہینڈسم ہیں۔"

رومی نے انہیں خوشی خوشی بتایا۔ "ہاں تھوڑے اصول کے سخت ہیں کلاس میں لیٹ آنا اور اسائنمنٹ وقت پر جمع نہ کرانا انہیں سخت ناپسند ہے۔"

"ہوں...... تو کیا ہوا، ہماری رومی تو ہے ہی بریلینٹ اسٹوڈنٹ؟ تم وقت پر جاؤ گی اور ان کی کلاس توجہ سے لوگی تو وہ تمہارے ساتھ ہمیشہ Polite اور مہربان رہیں گے۔"

آنی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں! یہ تو ہے واقعی میں کوئی نکمی اسٹوڈنٹ تو ہوں نہیں اس حارث کی طرح؟ جو ڈانٹ کھاؤں گی۔"

مزے سے گاجر کے حلوے سے انصاف کرتے ہوئے اس نے کہا۔

"یہ حارث کون ہے بھئی؟"

"ارے وہی ڈفر جس کا میں نے آپ کو بتایا تھا، پتہ نہیں اپنے آپ کو کہاں کا افلاطون سمجھتا ہے؟"

اس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

"اور آپ کو پتہ ہے، وہ سر زیدی کا بیٹا ہے جب ہی تو جناب کو اتنی اکڑ ہے کہ میڈیکل کالج کے اونر اور چیئرمین کا صاحبزادہ جو ہے، اونہہ!"

"اوکے! اب شام میں بات ہوگی تم بھی یہ برتن سمیٹ کر آرام کرو میں بھی ذرا اسکول کا نیا پروجیکٹ دیکھ لوں، کچھ کنسٹرکشن کا کام شروع کروایا ہے۔"

آنی نے بات سمیٹتے ہوئے کہا۔ آنی اپنا او لیول اسکول چلا رہی تھیں، اس سے ہونے والی آمدنی ان دونوں کے لیے کافی تھی پھر گاؤں سے کچھ زمینوں سے بھی آمدنی ہوجاتی تھی، جو وہ اس کے میڈیکل کے خرچ اور شادی کے لیے سیونگ کررہی تھیں، سارا اسٹاف اور اسٹوڈنٹ ان نرم خو پرخلوص اور اسمارٹ سی پرنسپل سے بہت خوش تھا۔

"OK"۔

یہ کہہ کر وہ اپنے روم میں چلی گئیں۔ رومی بھی کچن سمیٹ کر اپنے کمرے میں آگئی، کمرے میں آتے ہی اسے صبح والا واقعہ اور حارث کی طنزیہ گفتگو دوبارہ یاد آئی تو وہ نئے سرے سے جلنے کڑھنے لگی، اور یہی سب سوچتے سوچتے وہ نیند کی وادی میں چلی گئی، شام میں اسے اٹھ کر کل کے لیے نوٹس بھی تیار کرنے تھے وہ پہلے دن سے ہی اپنی اسٹڈی میں پرفیکٹ رہنا چاہتی تھی۔

☆......☆

"کمال! آخر تم اپنے پیرنٹس کو میرے ڈیڈ سے ملوانے کب لاؤ گے؟ فائنل کے فوراً بعد ہی وہ میری شادی کرنا چاہتے ہیں اور وہ میرے پھوپھو زاد میں انٹرسٹ ہیں، مگر مجھے وہ بالکل پسند نہیں پلیز تم جلدی کرو کم از کم ڈیڈ کو میری پسند کا پتہ تو چل جائے۔"

رباب نے کافی کا سپ لیتے ہوئے کہا، وہ اس وقت کمال کے ساتھ Sea View کے سامنے اپنے پسندیدہ کیفے شاپ میں موجود تھی، وہ آج کمال سے اپنی شادی کے سلسلے میں فائنل بات کرنے کا سوچ کر آئی تھی، کمال جو کسی گہری سوچ میں گم تھا اس کی بات سن کر ایک دم چونکا۔

"ہوں، ہاں! تم پریشان نہ ہو اس ویک اینڈ پر میں جاؤں گا گاؤں، تو بے بے سے بات کرتا ہوں، ویسے پچھلی بار میں نے ان کو اپنے ارادے سے باخبر کردیا تھا کہ میں شادی اپنی مرضی سے کروں گا۔"

کمال نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"ہوں...... مگر تم نے بتایا تھا کہ تمہارے پیرنٹس تمہاری کزن سے شادی کرنا چاہتے ہیں مجھے ڈر ہے کہ وہ تمہیں کہیں ایموشنلی بلیک میل نہ کرلیں۔"

رباب نے نخوت سے کہا۔

"او کم آن سویٹی! ایسا کچھ نہیں ہوگا، کمال صرف تمہارا ہے، اگر میرے بابا ضدی ہیں تو میری رگوں میں بھی ان کا خون ہے، جہاں تک گل کی بات ہے اس کی تم فکر نہ کرو وہ ایک بیوقوف اور بے ضرر سی لڑکی ہے۔ تمہارا اس کے ساتھ بھلا کیا مقابلہ؟ سو، سویٹ ہارٹ اپنے دل سے سارے خدشات نکال دو، میں ہوں ناں تمہارے ساتھ!" کمال نے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے اپنے اعتبار کا یقین دلایا تو رباب کے بے چین دل کو قرار آ گیا، مگر کمال کو تھوڑا خدشہ تھا کہ بے شک بابا گل رخ سے شادی سے انکار پر خاموش ہوگئے مگر یہ سن کر کہ میں خاندان سے باہر ایک شہری لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہوں، وہ کبھی نہیں مانیں گے لہٰذا اس نے سوچا تھا کہ وہ اس بار گل رخ کو مہرہ بنا کر اس کے ذریعے اپنی بات منوائے گا، اسے کہے گا کہ وہ بے بے سے بات کرے کہ وہ خود مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی، اس طرح بے بے اس کی بات نہیں ٹالیں گی اور پھر میں رباب کے لیے راہ ہموار کرلوں گا، یہ سب پلاننگ کرکے وہ اگلے ہفتے جانے کی تیاری کرنے لگا۔

وہ اوائل جنوری کی ایک خوشگوار، اجلی صبح تھی ہر طرف ہوا میں خوشگواریت اور سرور چھایا ہوا تھا، بے بے صحن میں چارپائی بچھائے گندم کی چھان پھٹک کررہی تھیں، ان کے سامنے ہی رخ بیٹھی کینوؤں کو ٹوکری میں قرینے سے رکھ رہی تھی جو پیر جلال کو منڈی بھیجنا تھے کہ اچانک دروازے سے کمال کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔

"السلام علیکم بے بے!"

"وعلیکم السلام! خوش رہو پتر! اس بار تو بغیر بتائے آگیا۔"

جہاں بے بے اس کی اچانک آمد پر اسے سامنے دیکھ کر خوش ہوئیں وہیں گل کا دل بھی اسے دیکھ کر ٹھٹکے بغیر نہ رہ سکا، اس کی چھٹی حس اسے کسی انہونی کا احساس دلا رہی تھی۔

"بے بے! بس آپ لوگوں کی یاد آئی تو چلا آیا پچھلی بار بابا مجھ سے تھوڑا ناراض ہوگئے تھے، سوچا مل کر آؤں پھر فائنل امتحان کی تیاری میں وقت نہیں مل سکے گا۔"

کمال نے اپنے آنے کی وضاحت کی۔

"اچھا، اچھا پتر! تو کمرے میں جا کر آرام کر میں روٹی، پانی کا بندوبست کرتی ہوں، جب تک تیرا بابا بھی

آ جائے گا، ارے گل رانی ذرا یہ سامان تو کمالے کے کمرے میں رکھ آ۔"

بے بے نے کمالے کے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ارے نہیں گل! تم رہنے دو میں خود ہی لے جاؤں گا مگر کام نمٹا کر تم میرے کمرے میں آنا مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

کمال جلد از جلد اپنا مسئلہ حل کرنا چاہتا تھا اور گل تو اس کے حکم پر ہی حیران رہ گئی، آج تک اس کی موجودگی میں وہ اس کے کمرے میں نہیں گئی تھی۔

"تو کیا انہیں اپنی پچھلی بار کہی گئی تلخ بات کا احساس ہو گیا ہے، کیا وہ مجھ سے شرمندہ ہیں؟ ہاں یہی بات ہے شاید وہ مجھ سے بات کر کے اپنی غلطی کی تلافی کرنا چاہتے ہیں۔"

اس کا نادان دل ایک بار پھر خوش فہمی کے ہنڈولے میں جھولنے لگا۔ اور وہ اسی سوچ میں گم، گھبرائی، گھبرائی سی اس کے کمرے میں آ گئی۔

"ہاں، آؤ گل! یہاں بیٹھو۔"

کمال جو کھڑکی کے پاس کھڑا اس سے بات کرنے کے لئے مناسب الفاظ ڈھونڈ رہا تھا اس کے آنے پر چونکا اور پھر اسے بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے خود بھی اس کے قریب آ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ وہیں اس کے سامنے جھجکتی جھجکتی سی بیٹھ گئی۔ کمال نے اس کی طرف دیکھ کر سوچا۔

"یہ اتنی بے وقوف سہمی سہمی سی دبو ٹائپ لڑکی کیا میرے ساتھ شریک حیات بن کر میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکتی ہے؟ بابا نے بھی نہ جانے کیا سوچ کر اس کا میرے ساتھ شادی کا فیصلہ کر دیا اونہہ۔"

اپنے خیال کو جھٹکتے ہوئے وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اور گل...... اس کا تو ایک ایک عضو اس کی طرف متوجہ تھا ایسا لگ رہا تھا ابھی اس کا دل پسلی توڑ کر باہر آ جائے گا، بڑی مشکل سے اس نے خود پر قابو پایا۔

"گل! ادھر میری طرف دیکھو! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔"

کمال نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

"جی کہیں میں سن رہی ہوں۔"

اس دفعہ وہ لب کھولنے کی گستاخی ابھی بھی نہیں کر سکی، کمال کو بھی کہاں اس کی پرواہ تھی اسے تو بس اپنا مسئلہ حل کرنا تھا۔

"ہوں...... تمہیں پتہ تو ہوگا کہ بابا تمہاری شادی مجھ سے کرنا چاہتے ہیں۔"

اس نے اصل بات کا آغاز کیا۔

"جی"

اس نے حیران ہوتے ہوئے بس اتنا ہی کہا۔

"مگر کزن! میں تم سے شادی نہیں کر سکتا، دیکھو تم خوبصورت اور معصوم ہو مگر زمانے کے ساتھ قدم ملا کر نہیں چل سکتیں اور مجھے ایسی لائف پارٹنر چاہیے جو میرا ساتھ دے سکے، میرے خوابوں کی تعبیر میں میرے ہم قدم رہے، تم سمجھ رہی ہو ناں میں کیا کہہ رہا ہوں؟"

بات کرتے ہوئے کمال کو محسوس ہوا کہ شاید وہ اس کی طرف متوجہ نہیں۔

"ہوں، ہاں آپ کہیں میں سن رہی ہوں۔"

گل رخ جس کا دل اس کی بات سن کر صدمے سے دو چار تھا، کچھ دیر پہلے جو اسے خوش فہمی تھی وہ ایک دم دور ہو گئی تھی اس نے اپنی آنکھوں میں آئے آنسوؤں کو بمشکل باہر آنے سے روکا، بے شک اس کا دل اس کے بس میں نہیں تھا مگر وہ اپنی انا اور خودداری کو اس سنگدل اور خودغرض انسان کے لئے مجروح نہیں کر سکتی تھی اور اپنے آنسوؤں کو اس بے حس انسان کے لئے مزید بے مول نہیں کر سکتی تھی۔

"ہاں تو میں کہہ رہا تھا کہ میں اپنی کلاس فیلو رباب سے شادی کرنا چاہتا ہوں، مگر بابا راضی نہیں ہوں گے۔"

کمال نے بے نیازی سے کہا۔

"تو پھر آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟"

اس نے کمال ضبط سے پوچھا۔

"میں چاہتا ہوں تم بے بے کو خود سمجھاؤ کہ تم بھی مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتیں مجھے یقین ہے تمہاری بھی یہی خواہش ہوگی، دیکھو ہمارا کوئی جوڑ نہیں، ہماری سوچ اور خیالات میں زمین، آسمان کا فرق ہے، میں نہیں چاہتا کہ اس بے جوڑ شادی کی وجہ سے میرے ساتھ ساتھ تمہاری زندگی بھی برباد ہو جائے، للہذا تم آج ہی بے بے سے بات کر کے اس قصے کو ختم کرو۔"

یہ کہہ کر وہ بے نیازی سے باہر چلا گیا، یہ دیکھے بغیر کہ اپنی آرزوؤں کی تکمیل میں اس نے ایک معصوم دل میں پنپنے والے محبت کے پودے کو روند ڈالا ہے، جس کی گل نے بچپن سے ہی اپنے جذبات کے ذریعے آبیاری کی تھی ابھی تو اس پر محبت کے پھول بھی نہیں کھلے تھے اور اس نے اسے صرف اپنی خوشی کے لئے مرجھا ڈالا۔ گل رخ بے بسی سے رو دی اس دفعہ اس نے اپنے آنسوؤں کو بے دردی سے بہنے دیا، مگر اس کا دل اب بھی اس کی حمایت کر رہا تھا۔

"ہاں تو گل! اس میں اتنے دکھ کی کیا بات، اس نے کون سا بھی تم سے کوئی وعدہ یا اظہار محبت کیا تھا؟ یہ تو تم ہی تھیں جو اس کو دل ہی دل میں پوجتی رہیں، وہ تو بے قصور ہے۔"

اور وہ اپنے دل کی حمایت پر ایک بار پھر بے بس ہو گئی، پھر گل نے کس طرح بے بے اور بابا کو راضی کیا؟ کمال کو اس سے کوئی مطلب نہیں تھا، اس کے لئے یہی کافی تھا کہ وہ رباب کے لئے رشتہ لے جانے پر راضی ہیں، فیصلہ تو ویسے بھی کمال کر چکا تھا ان کو لے جانا تو بس ایک فارمیلٹی تھی، پھر جلال کی جہاندیدہ نظروں اور دور اندیشی نے کمال کے اٹل ارادوں کو بھانپ لیا تھا للہذا انہوں نے جوان بیٹے کی خواہش کو مان لینے میں ہی اپنی عزت اور بھرم کو برقرار رکھنا چاہا، پھر گل بھی شادی کے لئے راضی نہیں تھی تو زبردستی کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"گل رانی!"

بے بے نے اس سے نظر چراتے ہوئے کہا۔

"آج ہم شہر جا رہے ہیں کمالے کی بات پکی کرنے۔ تو بھی ہمارے ساتھ چل، تجھے ایک ہفتے سے بخار بھی ہے مجھے تیری فکر رہے گی۔"

"ارے بے بے! آپ کیوں پریشان ہوتی ہیں اب تو میں کافی بہتر ہوں۔"

گل جو اس صدمے سے بیمار پڑ گئی تھی کیونکہ اتنا آسان نہیں ہوتا اپنی پسندیدہ چیز کسی اور کے حوالے کرنا مگر وہ اس کا تھا ہی کب؟ اس نے سوچا مگر بے بے کو تسلی دیتے ہوئے خود کو ہشاش بشاش ظاہر کیا۔

"بے بے! میری فکر نہ کریں آپ آرام سے جائیں، میں یہاں پھوپھو زینب کے گھر رہ لوں گی وہ کافی دن سے مجھے بلا رہی تھیں۔"

"پر گل رانی!"

بے بے ایک دم کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئیں، انہیں لگا گل کا نہ جانا ہی شاید اس کے حق میں بہتر ہے، وہ جانتی تھیں کہ گل بچپن سے ہی کمالے کے ساتھ کا خواب دیکھ رہی ہے، مگر اس کی خوشی کے لئے اپنی خواہش کا گلا گھونٹ دیا۔

"اچھا دھی! تو پھر تھوڑی دیر میں زینب کے گھر چلی جانا، میں تیرے چاچے کو کہتی ہوں وہ چھوڑ آئے اپنا خیال رکھنا میری دھی رانی، اللہ تیرا نصیب اچھا کرے تو شاد و آباد رہ۔"

یہ کہہ کر وہ ٹھنڈی آہیں بھرتی وہاں سے اٹھ گئیں۔ گل بھی بجھے دل کے ساتھ پھوپھو زینب کے گھر جانے کی تیاری کرنے لگی وہ سنگدل تو اتنا بے خبر تھا کہ اپنی خواہش پوری ہونے کے بعد پیچھے پلٹ کر اس کی خیریت تک معلوم نہیں کی۔

ایک ہفتے بعد بے بے اور چاچا واپس آئے تو کافی چپ، چپ تھے۔

"کیا ہوا؟ بے بے لے آئیں اپنے کمال کی کنوار؟ (دلہن)"

گل نے اپنی دلی کیفیت کو چھپاتے ہوئے خوش دلی سے پوچھا۔

"ارے بس ہمیں تو ایسے ہی بلایا تھا سب کچھ تو کمالے نے پہلے سے طے کر لیا تھا، اس کی بیوی بڑی تیز کڑی ہے ہم سے تو ایسے سلوک کر رہی تھی، جیسے ہم کمال کے ماں باپ نہیں محلے دار ہیں پتہ نہیں کمالے کو اس تک چڑی میں کیا نظر آیا؟ ہونہہ۔"

بے بے جو ایک ہفتے سے سب کچھ برداشت کر رہی تھیں اس کے پوچھتے ہی ایک دم پھٹ پڑیں۔

"ارے کمالے کی ماں! دل چھوٹا نہ کر تیرا پتر تو خوش ہے ناں ہمیں اور کیا چاہئے؟ بس اللہ اس کے سارے خواب پورے کرے۔"

چاچا نے بے بے کو سمجھاتے ہوئے کہا اور باہر چلا گیا۔

"بے بے! کیا وہ بہت خوبصورت ہے؟"

گل رخ نے یاسیت سے پوچھا۔

"ارے کیا خاک خوبصورت ہے؟ بس باپ کی دولت کا غرور ہے مہارانی کو، پھر ڈاکٹر بن گئی ہے کہہ رہی تھی کہ آپ لوگ اب کمال کی فکر نہ کریں یہ کوئی اب بچہ نہیں رہا اپنا بھلا، برا سمجھ سکتا ہے، اگلے مہینے فائنل امتحان کے بعد ہم امریکہ جا رہے ہیں وہاں ہم وہ کریں گے۔ بھلا کیا کہتے ہیں اس کو؟"

بے بے نے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے یاد کرنے کی کوشش کی۔

"اسپیشلائزیشن بے بے!"

گل نے جلدی سے ان کی مشکل آسان کی۔

"ہاں، ہاں وہی کریں گے دونوں، اب ہم اپنے پتر کی شکل دیکھنے کو بھی ترس جائیں گے ہائے میرا اکو، ایک پتر ہے، کمالے نے یہ اچھا نہیں کیا تجھ جیسی اتنی سوہنی دھی کو چھوڑ کر، دیکھنا وہ ایک دن پچھتائے گا۔"

بے بے نے اداس ہوتے ہوئے کہا۔ گل تڑپ کر رہ گئی بے شک اس سنگدل نے اس کا دل توڑا تھا اس کی محبت کی توہین کی تھی، مگر آج بھی اس کا دل صرف اس کے نام پر دھڑک رہا تھا، وہ اس کی ہر دعا میں شامل تھا۔

"اللہ نہ کرے بے بے! جو ہونا تھا وہ ہو گیا ویسے بھی یہ سب قسمت کے فیصلے ہوتے ہیں شاید اس کا اور میرا ملن ہی نہیں تھا، بس اب وہ جہاں رہے خوش رہے، مجھے اس سے یا آپ لوگوں سے کوئی گلہ نہیں۔"

گل نے بے بے کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا وہ اپنے پیاروں کو اپنی وجہ سے پریشان نہیں دیکھ سکتی تھی، اور بے بے اس صابر لڑکی کو دیکھ کر رہ گئیں اور اس کے اچھے نصیب کی دعا کرنے لگیں، پھر پتہ چلا کہ کمال امریکہ چلا گیا ہے شروع شروع میں اس کا فون اور خط آتا تھا مگر پھر آہستہ آہستہ اس مشینی زندگی میں اس کے جذبات بھی بر فیلے ہو گئے، وہ یہ بھول گیا تھا کہ اس کے بوڑھے ماں باپ جس کی وجہ سے آج وہ اس مقام تک پہنچا ہے، ان کی بوڑھی آنکھیں اس کی راہ تک رہی ہیں، گل رخ کے کئی رشتے برادری سے آئے مگر وہ اس کے جوڑ کے نہیں تھے پھر گل رخ نے شادی سے انکار کر دیا اور گاؤں میں ہی ایک پرائمری اسکول میں پڑھانے لگی اور پرائیویٹ بی۔ اے کی تیاری بھی اس نے شروع کر دی، جس میں پھوپھو زینب کے بیٹے سجاول بھائی (جو شہر میں ایک فیکٹری میں کام کرتے تھے) نے اس کی بہت مدد کی، اسے کمال کو دکھانا تھا کہ وہ اتنی بھی بے مایہ نہیں وہ زندگی کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل سکتی ہے، محبت میں محبوب کی طرف سے ملنے والا نارسائی اور بے وفائی کا دکھ انسان کو بہادر بنا دیتا ہے، یہی گل رخ کے ساتھ ہوا تھا۔

.......☆.......

رومیصہ کو کالج جاتے ہوئے دو مہینے ہو گئے تھے وہ اب کافی حد تک ایڈجسٹ ہو گئی تھی، اس کی اپنے بہت سے کلاس فیلوز سے دوستی بھی ہو گئی تھی اور تمام پروفیسرز خاص طور پر سر زیدی کی وہ ہر دلعزیز اسٹوڈنٹ تھی، جس طرح وہ ان کے لیکچرز، پریزنٹیشن تیار کرتی تھی وہ اس سے، بہت خوش تھے آج وہ دو دن بعد کالج آئی تھی۔

"ہیلو!"

تحریم اسے دیکھ کر خوش ہو گئی۔

"ہائے!" کیسی ہو رومی اب؟"

تحریم نے اس سے گلے ملتے ہوئے کہا۔

"میں اب ٹھیک ہوں بس ہلکا سا ٹمپریچر تھا مگر تمہیں پتہ تو ہے آنی کا، انہوں نے بستر سے اٹھنے ہی نہیں دیا آج بھی بڑی مشکل سے انہیں تسلی دے کر آئی ہوں، کیونکہ تم نے بتایا تھا کہ آج سر عادل ہمیں سینی ٹوریم وزٹ کے لئے لے کر جائیں گے، جہاں ہمیں ٹی بی سے متعلق، علامت، تشخیص اور اس کے علاج پر رپورٹ تیار کرنی ہے، مگر یار مسئلہ یہ ہے کہ میرے پاس تو دو دن کا لیکچر ہی نہیں پھر میں کیسے Follow کروں گی؟"

رومی نے بے چارگی سے کہا۔

"ہاں یہ مسئلہ تو ہے۔ کیونکہ تمہیں پتہ ہے سر عادل کا، جتنی تیزی سے وہ ٹرانسپیرنسی چینج کرتے ہیں کہ بندہ پوائنٹ صحیح طور پر نوٹ ہی نہیں کر پاتا، کیا کریں پھر؟"

تحریم کو بھی فکر لاحق ہوئی۔

"ہیلو گرلز! ہاؤ آر یو؟"

اسی وقت حارث ان کے پاس آیا، علی بھی اس کے ساتھ تھا، حارث کو دیکھ کر رومیصہ کا موڈ جیسے بدلا تھا وہ حارث کے ساتھ ساتھ تحریم اور علی نے بھی نوٹ کیا، مگر حارث نے اسے اگنور کر کے تحریم سے پوچھا۔

"اور آج کے وزٹ کی مکمل تیاری ہے ناں؟"

بس تحریم کو تو اپنا مسئلہ بتانے کا موقع مل گیا۔ رومیصہ کے لاکھ گھورنے کا بھی اسے اثر نہیں ہوا وہ وہاں سے واک آؤٹ کر گئی۔

"ارے! اسے کیا ہوا؟"

حارث نے حیرانگی سے پوچھا۔

"اسے چھوڑیں وہ تو ہے ہی بے وقوف آپ بتائیں آپ ہماری کچھ مدد کر سکتے ہیں؟"

تحریم کو رومی پر غصہ تو بہت آ رہا تھا مگر اس وقت وہ اپنی پوزیشن خراب نہیں کرنا چاہتی تھی، اسے پتہ تھا حارث کے پاس تمام لیکچرز اپ ٹو ڈیٹ ہوتے ہیں۔

"نو پرابلم ڈیئر! اگر آپ کہیں تو میں اپنے لیکچرز کی کاپی آپ کو دے دیتا ہوں مگر آپ کی وہ دوست......؟"

حارث نے آخر میں دور کھڑی رومیصہ پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"اس کی فکر نہ کریں بس آپ یہ کام کر دیں، ہماری بہت بڑی مشکل دور ہو جائے گی۔"

"بالکل جی! بس علی 15 منٹ میں آپ تک پہنچا دے گا۔"

یہ کہہ کر وہ دور کھڑی رومیصہ پر سرسری مگر بھرپور نظر ڈال کر چلا گیا۔

"یہ کیا بدتمیزی تھی رومی! ایک تو وہ ہماری مدد کر رہا تھا اور تم نے اتنے برے رویئے کا مظاہرہ کیا، کیا سوچتا ہو گا وہ ہمارے بارے میں؟"

تحریم نے اس کے قریب آ کر اس کی کلاس لیتے ہوئے کہا۔ رومی جو خود اپنی بدسلوکی پر شرمندہ تھی کہ اس کے برے رویئے کے باوجود اس نے ان کی اتنی بڑی مشکل آسان کر دی، ورنہ کوئی اتنی آسانی سے اپنے تیار کردہ لیکچرز کسی سے Share نہیں کرتا، مگر وہی ازلی لاپرواہی سے بولی۔

"تو کس نے کہا تھا تمہیں احسان لینے کا؟ میں کر لیتی کچھ نہ کچھ؟"

"اچھا محترمہ! تو ٹھیک ہے، میں اسے منع کر دیتی ہوں کہ آئندہ رومیصہ کی انا کو کسی کا احسان لینا گوارہ نہیں۔"

تحریم نے اس کے ڈھیٹ پن پر غصے سے کہا۔

"اچھا، اچھا ناں! ٹھیک ہے اب اس نے دے ہی دیا ہے، تو واپس کرنے کی کیا تک بنتی ہے، ویسے ڈیئر مانو یا نہ مانو یہ بھی لڑکیوں کو امپریس کرنے کا ایک طریقہ ہے۔"

"جی آپ نے بالکل درست کہا آپ ایسے ہی تو "بیوٹی کوئن" ہیں ناں کہ ہر کوئی آپ کے لئے دل ہتھیلی پر لئے کر پھرتا ہے۔"

جواب تحریم کے بجائے پیچھے سے آیا دونوں نے چونک کے پیچھے دیکھا جہاں حارث ان کے لئے لیکچرز کی فوٹو کاپی لئے کھڑا تھا۔ علی کو کچھ ضروری کام پڑ گیا تھا لہٰذا اسے خود آنا پڑا، کیونکہ وہ اپنی کمٹمنٹ کا پکا تھا ہر ایک کے ساتھ اس کا رویہ دوستانہ خاص طور پر لیڈیز کے لئے قابل احترام تھا، مگر رومیصہ کی بات نے اس کا دل جلا دیا اس کا چہرہ اس کی بات سن کر غصے سے سرخ ہو رہا تھا اور پیشانی پر اس کی رگ شدت ضبط کی وجہ سے ابھر گئی۔

"مس رومیصہ! میں آپ کی اس بات کا جواب بہت اچھی طرح دے سکتا تھا، مگر صنف نازک کا احترام کرنا میری تربیت ہے چاہے وہ آپ جیسی سر پھری لڑکی ہی کیوں نہ ہو؟ مگر میں اپنی فطرت اور تربیت کی وجہ سے آپ کی عزت کرنے پر مجبور ہوں، مگر Keep Your Mind! آئندہ سوچ سمجھ کر بولئے گا، ایسا نہ ہو آپ کا یہ غرور اور نام نہاد انا آپ کے لئے کسی پچھتاوے کا باعث بن جائے۔"

یہ کہہ کر وہ نوٹس تحریم کے ہاتھ میں پکڑا کر وہاں سے لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔

"رومی تو پہلے ہی شرمندہ تھی اس کی بات سن کر وہ نظر اٹھانے کے قابل ہی نہیں رہی، تحریم کو ہی پھر اس کی حالت پر

رحم آیا۔

"Its ok یار! تم بھی تو ہمیشہ غلط کر جاتی ہو، مان لو کہ وہ شریف انسان ہے، تم خود بتاؤ اس دو مہینے میں کبھی اسے کسی لڑکی کے ساتھ پھرتے دیکھا؟ اس کے گروپ میں صرف لڑکے ہیں حالانکہ اس کی چارمنگ پرسنالٹی اور ذہانت پر ہر لڑکی فدا ہے۔"

"ہوں، ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔"

رومی نے آہستہ سے کہا تو تحریم نے اسے مزید شرمندہ کرنا بہتر نہیں سمجھا، اور پھر وزٹ کے دوران اس نے نوٹ کیا، حارث نہ صرف ان کے ساتھ بلکہ سب کے ساتھ اتنا ہی کوآپریٹیو اور فرینک ہے مگر ایک حد میں رہ کر، وہ صنف مخالف کو خود فاصلے میں رکھتا تھا، کچھ اپنی شرمندگی اور پھر تحریم کی باتوں سے اس کا دل حارث کی طرف سے صاف ہو گیا تھا، اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس سے اپنے پچھلے رویوں کی معافی مانگ لے گی، واپسی میں اس نے ہمت جمع کرتے ہوئے حارث کو مخاطب کیا۔

"جی میم! اب مجھ خاکسار سے کیا خطا ہو گئی؟ یا ابھی میری شخصیت کا کوئی منفی پہلو باقی ہے، جو شاید مجھے خود بھی نہیں پتہ جتنا آپ مجھے صرف دو مہینے میں جان گئی ہیں۔"

حارث نے طنز کرتے ہوئے کہا، تحریم اسے پہلے ہی اس کی ندامت اور شرمندگی کے بارے میں بتا چکی تھی، دل تو اس کا پہلے ہی صاف ہو گیا تھا مگر اس کے معصوم اور خوبصورت چہرے پر نظر پڑتے ہی پھر اسے شرارت سوجھی تو سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر رومی ایک بار پھر شرم سے پانی پانی ہو گئی۔

"وہ مسٹر حارث! مجھے آپ سے سوری کہنا تھا، وہ اصل میں فرسٹ ڈے آپ کا امپریشن مجھ پر غلط پڑا تھا، مجھے لگا آپ نے میرا مذاق اڑایا ہے، پھر بلا سوچے سمجھے میں نے آپ کو الٹا سیدھا سنا دیا، مگر سچ میں مجھے آنٹی نے بھی میری غلطی کا احساس دلایا تھا، میں ہر بار آپ سے Sorry کا سوچتی تھی مگر پتہ نہیں کیوں؟ میں ہر بار آپ کو دیکھ کر روڈ ہو جاتی تھی۔"

وہ معصومیت سے ہچکچاتے ہوئے کہتی چلی گئی اس وقت حارث کو وہ اس رومیصہ سے بالکل مختلف لگی جو ہمیشہ لاپرواہ اور مغرور دکھائی دیتی تھی، حارث نے اپنی بے ساختہ امڈ آنے والی مسکراہٹ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"Its ok مگر خیال رکھئے گا یہ تعلیمی ادارہ ہے یہاں ہم سب کلاس فیلوز، فیملی ممبرز کی طرح ہیں ایک دوسرے کے جذبات اور احساسات کا احترام کرنا ہماری ذمہ داری ہے۔"

"جی آپ بالکل ٹھیک کہہ رہے ہیں، تو پھر آپ نے میری سوری ایکسیپٹ کر لی ناں؟"

رومی نے جلدی سے کہا۔

"ہوں......! مگر ایک شرط ہے۔"

رومی اس کی بات سن کر چونکی۔

"جی کیسی شرط......؟"

"آپ کو ہمارا گروپ جوائن کرنا ہو گا یعنی اب ہم دوست ہیں۔"

حارث نے اپنا ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا، جسے رومیصہ نے معصومیت سے تھام لیا۔

"Yeswearefriend"

اور حارث اس کی معصومیت پر ہنستا چلا گیا، یہ لڑکی فرسٹ ڈے ہی اس کے دل کے دروازے پر دستک دے گئی

تھی جس کی اسے خود بھی خبر نہیں تھی، اب بدگمانی کے بادل چھٹے تو سب کچھ اچھا لگ رہا تھا، اس طرح ان کے گروپ میں اب رومیصہ اور تحریم کا بھی اضافہ ہو گیا تھا، جس پر کچھ لڑکیوں نے رشک کیا اور کچھ نے حسد کی نظر سے دیکھا مگر انہیں کسی کی پرواہ نہیں تھی۔ وہ خود بھی ذہین تھیں اب دونوں کی ذہانت اور محنت ایک ساتھ ملی تو پھر میڈیکل کے فرسٹ ایئر میں حارث کی سیکنڈ اور رومیصہ کی فرسٹ پوزیشن کی صورت میں سامنے آئی۔ حارث جو ہر میدان میں نمبر ون آتا تھا یہاں نمبر 2 ہو کر بھی بہت خوش تھا، کیونکہ نمبر ون آنے والی کوئی اور نہیں بلکہ اس کے دل کے قریب بسنے والی متاعِ جاں تھی، آج وہ پہلی بار اس کے گھر اسے وش (Wish) کرنے کے لئے جا رہا تھا، علی نے اس سے کہا بھی تھا کہ یار تم اسے کسی ریسٹورنٹ میں وش کر دو یہ کیا کہ گھر پر؟ مگر اسے علی کی بات پسند نہیں آئی، وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس معصوم لڑکی کا کوئی اسکینڈل بنے، جسے شاید یہ بھی خبر نہیں تھی کہ وہ اب اس کے دل اور جذبات کی بلا شرکتِ غیر مالک بھی اس کا دل اور اس میں بسنے والی دھڑکن صرف اب اس کے لئے ہیں کئی بار اس کا دل اظہارِ محبت کرنے کو چاہا مگر اس کی معصومیت اور بھولپن ہمیشہ اسے ایسا کرنے سے روک دیتیں، مگر آج اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ بتائے گا اس لڑکی کو کہ وہ اس کے لئے کتنی خاص ہے؟ اس کی صبح اسے دیکھ کر روشن ہوتی ہے، اس کے دن کا آغاز اس کی خوبصورت آواز سن کر ہوتا ہے، وہ اس کے ساتھ نہ ہو کر بھی خوشبو کے جھونکے کی طرح اس کے ساتھ محوِ سفر ہوتی ہے۔

☆......☆

دروازے پر دستک کی آواز سن کر آنی نے دروازہ کھولا تھا اور اپنے سامنے ایک خوبرو نوجوان کو دیکھ کر چونک گئیں۔

''السلام علیکم آنی!''

حارث وہاں آ تو گیا تھا مگر اب اسے جھجک ہو رہی تھی کہ جانے اس کی آنی کیا سوچیں گی، جبکہ رومیصہ نے بتایا تھا کہ وہ کافی Loving اور Caring ہیں۔

''وعلیکم السلام بیٹے! سوری میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔''

آنی کو یہ چہرہ کچھ شناسا سا لگا انہوں نے چونکتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''جی وہ...... میں رومیصہ کا کلاس فیلو حارث ہوں، میں رومی کو اس کی پوزیشن پر Wish کرنے آیا تھا۔''

''اوہ...... اچھا، اچھا اندر آؤ، بیٹے رومی نے تمہارا ذکر کیا ہے۔''

اسے اندر بلاتے ہوئے انہوں نے محبت سے کہا۔ حارث کی جھجک دور ہو گئی وہ اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر رومی کو بلانے چلی گئیں، حارث ارد گرد کا جائزہ لینے لگا ان کا گھر بہت سادہ مگر ہر چیز قرینے سے سجی تھی، ایک دم اس کی نظر ایک سائیڈ کارنر پر فریم پر پڑی جس میں رومی کی تصویر تھی، جہاں وہ اپنی خوبصورت مسکراہٹ کے ساتھ اپنی آنی کے گلے میں بانہیں ڈالے ہوئے مسکرا رہی تھی، حارث ایک دم مسکرایا، اس کا ہر روپ اس کے لئے دلفریب تھا۔

''ارے مسٹر حارث! ہمارے غریب خانے میں آئے ہیں واہ بھئی۔''

رومی کی چہکتی ہوئی آواز سن کر حارث مسکرا دیا۔

''آنی! یہ حارث ہے سر زیدی کا بیٹا اور میرا کلاس فیلو، جس کا میں نے آپ کو بتایا تھا۔''

''اچھا، اچھا وہی حارث جو بقول تمہارے اکڑو، بدتمیز، اور مغرور ہے اور خوبصورت لڑکیوں سے بلاوجہ فری ہونے کی کوشش کرتا ہے۔''

آنی نے شرارت سے سرگوشی کی۔

''آنی...... پلیز! یہ پرانی بات ہے جب مجھے کچھ غلط فہمی ہو گئی تھی، اب یہ میرا بہت اچھا فرینڈ ہے پلیز میری

انسلٹ تو نہ کروائیے کیا سوچے گا وہ میرے بارے میں؟''

رومیصہ نے آہستہ آہستہ منت بھرے لہجے میں کہا حارث جو آنی کی بات سن چکا تھا مسکرائے بغیر نہ رہ سکا، مگر اس نے کچھ بھی ظاہر نہ کیا، کیونکہ وہ اسے ''اپنی زندگی'' کو مزید شرمندہ نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''اچھا، اچھا بیٹے! آپ دونوں باتیں کرو میں تم لوگوں کے لئے کافی بناتی ہوں، بلکہ کیک بھی میں نے رومی کی کامیابی کی خوشی میں بیک کیا ہے وہ بھی میں لے کر آتی ہوں۔''

یہ کہہ کر وہ کچن کی طرف چلی گئیں۔

رومیصہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

''یہ میں تمہارے لئے بکے لے کر آیا ہوں۔''

حارث نے پھولوں کا خوبصورت بکے، ٹیڈی بیئر اور ایک گفٹ پیک اس کے حوالے کیا۔

''Wow یار! تم نے تو اچھا خاصہ خرچہ کر ڈالا جبکہ تم نے بھی پوزیشن لی ہے، مگر میں نے تو تمہیں کوئی گفٹ نہیں دیا۔''

رومیصہ نے پھولوں کی خوشبو اپنی سانسوں میں اتارتے ہوئے معصومیت سے کہا۔ حارث اس کی اس ادا پر قربان ہو گیا۔

''کوئی بات نہیں ڈیئر! یوں سمجھ لو میرا گفٹ تم پر ادھار رہا۔''

''Thanks Alot حارث! تم واقعی بہت اچھے دوست ہو۔''

''اچھا جناب! گفٹ ملنے کے بعد آپ کو ہماری اچھائی کا اندازہ ہو رہا ہے۔''

حارث نے اسے تنگ کرتے ہوئے شرارت سے کہا۔ رومی اس کی شرارت سمجھ کر بے ساختہ ہنس دی حارث کو ایسا لگا اس کے کانوں میں بہت ساری نقرئی گھنٹیاں سریلی آواز میں بج اٹھی ہوں۔ وہ اس کی ہنسی کے سحر میں کھو کر رہ گیا، پھر آنی اور رومیصہ کے ساتھ مل کر اس نے کافی اور کیک سے لطف اٹھایا، دو گھنٹے خوشگوار وقت گزار کر جب وہ اٹھ رہا تھا، اس وقت تک اس کی آنی کے ساتھ بھی کافی گہری اور اچھی دوستی ہو گئی تھی، اسے نہیں لگا کہ وہ پہلی بار ان سے مل رہا ہے۔

''او کے آنی! یقین کریں آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی، ورنہ میں یہاں آتے ہوئے ڈر رہا تھا، میری والدہ میرے بچپن میں ہی انتقال کر گئی تھیں، جب سے کسی عورت کا پیار مجھے نہیں ملا، مگر آج آپ سے مل کر مجھے بہت اپنائیت کا احساس ہوا۔''

حارث نے دل سے انہیں کہا آنی اس کی سعادت مندی پر مسکرا دیں۔

''کوئی بات نہیں بیٹے! تم میرے لئے رومی کی طرح ہو، جب دل چاہے آجایا کرو۔''

آنی نے اسے محبت سے کہا۔

''اوہ...... آنی! یہ فاؤل ہے یعنی اب آپ کی محبت میں ہمارے ساتھ یہ موصوف بھی شامل ہو گئے۔''

رومی نے مصنوعی خفگی سے کہا۔ حارث کے ساتھ ساتھ آنی بھی اس کے بچکانہ پن پر مسکرا دیں پھر حارث بہت سی خوشگوار یادیں اپنے دامن میں سمیٹے وہاں سے گھر واپس آ گیا۔ وہ گھر میں بڑے ترنگ میں داخل ہوا۔

''او...... پاپا آپ ابھی تک جاگ رہے ہیں۔''

''ہوں...... برخوردار! جن کا جوان بیٹا اتنی دیر تک گھر سے باہر رہے، اسے بھلا نیند آ سکتی ہے؟ شہر کے حالات کا

تمہیں اندازہ ہے تمہاری فکر لگی رہتی ہے۔"
انہوں نے اسے سرزنش کرتے ہوئے کہا، حارث شرمندہ ہو گیا۔
"اوہ سوری پاپا! بس آج میں بہت خوش تھا، ایک دوست کی طرف چلا گیا تھا پھر واپسی میں علی کے ساتھ ڈنر کا موڈ بن گیا، تو بس تھوڑی دیر ہو گئی۔"
"اچھا آ آ...... کہیں وہ دوست رومیصہ تو نہیں؟"
ان کی بات سن کر حارث چونکے بنا نہ رہ سکا۔
"پاپا! آپ یہ کیسے جانتے ہیں؟"
حارث نے گھبراتے ہوئے پوچھا۔
"برخوردار! میرے ہاتھوں تمہاری پرورش ہوئی ہے، تمہاری پسند، ناپسند، تم کب خوش ہوتے ہو؟ مجھ سے زیادہ بہتر کون جان سکتا ہے؟"
زیدی صاحب نے مسکراتے ہوئے اس کے سر پر چپت لگائی حارث اپنا سر سہلانے لگا۔
"ویسے صرف یہ دوست ہے یا پھر...... ؟ جو میں سمجھ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے؟"
"اوہ پاپا! جب آپ سب جانتے ہیں تو پھر مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہیں، آفٹر آل میں ایک مشرقی لڑکا ہوں۔"
حارث نے بھی انہی کے انداز میں مصنوعی طور پر شرماتے ہوئے کہا۔
"ناٹی بوائے۔ تو یہ بات ہے پھر ہم کب اس کے گھر جا رہے ہیں"۔
"اس کے گھر؟ مگر کیوں؟"
حارث نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔
"اوئے مشرقی لڑکے، اس کے رشتے کی بات کرنے اور کس لئے؟"
انہوں نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔
"اوہو پاپا! آپ بھی ناں! اتنے بڑے ہارٹ سرجن ہیں مگر اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ پہلے میں اس کا حال دل تو جان لوں۔"
"یعنی برخوردار! آپ کی محبت ون سائیڈڈ ہے، چلو بیسٹ آف لک پھر جب ہماری مدد کی ضرورت ہو تو ہمیں بتا دینا۔"
یہ کہہ کر وہ اسٹڈی روم میں چلے گئے اور حارث اپنے روم میں آ کر اپنے بستر پر گر گیا آنکھ بند کرتے ہی اس پری پیکر کا حسین چہرہ اس کے تصور میں آ ٹھہرا۔
"جانے وہ تحفہ دیکھ کر میری فیلنگ سمجھ پائی ہو گی یا نہیں؟"
یہی سوچتے ہوئے اس نے بے قراری سے اسے فون کر ڈالا۔
"ہیلو رومی!"
دوسری طرف اس کی کھنکتی ہوئی آواز سنائی دی۔
"کہو! اتنی رات کو کیسے فون کیا خیریت؟"
رومی نے تھوڑا الجھ کے پوچھا۔
"بس یہ پوچھنے کے لئے مادام! کہ آپ کو مجھ خاکسار کا تحفہ پسند آیا؟"

"جی بالکل پسند آیا ہے۔"
رومی نے اسی کے انداز میں جواب دیا وہ ابھی اس کا گولڈ کا دیا ہوا بریسلیٹ ہی دیکھ رہی تھی، جسے دیکھ کر اس کی Feelings عجیب سی ہو رہی تھی اور اتنے میں اس کا فون آ گیا۔
"صرف تحفہ؟ یا اس میں چھپے میرے جذبات بھی؟"
حارث نے گھمبیر لہجے میں پوچھا رومی تو اس کے طرز تخاطب پر ہی گھبرا گئی۔
"جی کیا مطلب حارث؟"
"اوہ...... بے وقوف لڑکی تمہیں واقعی ذرا بھی احساس نہیں کہ تمہارے لئے میرے جذبات کتنے خاص ہیں؟"
حارث نے ایک بار پھر اسے مشکل میں ڈال دیا، رومی کو اپنی دھڑکن بند ہوتی محسوس ہوئی۔
"ہیلو رومی! تم سن رہی ہو ناں؟"
حارث نے بے چینی سے پوچھا۔
"ہاں میں سن رہی ہوں۔"
"تو پھر جواب دو تم نے کہا تھا ناں کہ تم بھی مجھے گفٹ دو گی، تو تمہارا اقرار محبت ہی میرے لئے سب سے انمول گفٹ ہو گا، پلیز رومی کچھ تو کہو تمہاری ایک ہاں میری زندگی میں نئی روح پھونک دے گی۔"
حارث کی پھر جذبوں میں گندھی آواز سنائی دی۔ رومی تو اس کی اتنی محبت پر ہی سرشار ہو گئی۔
"میں کیا کہوں؟ اگر میں یہ کہوں مجھے تمہاری فیلنگز کا شروع سے اندازہ تھا پھر؟"
"کیا، کیا کہا تم نے؟ تمہیں اندازہ تھا؟ اوہ رومی! My Love تم نہیں جانتیں تم نے مجھے کتنی بڑی خوشی دی ہے، کاش میں اس وقت تمہارا شرمایا شرمایا روپ دیکھ سکتا۔"
اس کی آخری بات پر وہ واقعی شرم سے گلنار ہو گئی۔
"اچھا مسٹر حارث! زیادہ فری نہ ہوں، اللہ حافظ ٹیک کیئر!"
اس نے جلدی سے اپنی ازلی خود اعتمادی سے کہا، حارث ہنستا چلا گیا رومی نے جلدی سے کال ڈسکنیکٹ کر دی، مگر اب حارث کو پرواہ نہیں تھی کیونکہ اسے پتہ تھا اب وہ اکیلا محبت کے سفر کا مسافر نہیں بلکہ اس کے ساتھ وہ بھی محو سفر ہے۔

......☆......

اگلے دن جب وہ یونیورسٹی پہنچی تو تحریم اور علی کو حارث کے ساتھ کسی بات پر الجھتے پایا۔
"ارے کیا مسئلہ ہے؟ تم لوگ کس بات پر بحث کر رہے ہو؟"
اس کا یہ کہنا تھا کہ علی اور تحریم کی توپوں کا رخ اس کی طرف مڑ گیا۔
"اوئے ہوئے بی بنو کی معصومیت تو دیکھو جیسے انہیں کچھ پتہ نہیں۔"
تحریم نے جل کر کہا۔
"اور نہیں تو کیا...... ؟ جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے۔ باغ تو سارا جانے ہے۔"
علی نے بھی لقمہ دیا وہ واقعی حیران رہ گئی حارث کی طرف سوالیہ نگاہ سے دیکھا، وہ کندھے اچکا کر رہ گیا۔
"تحریم یار! پہیلیاں نہ بجھواؤ، کیا بات ہے؟ صاف صاف بتاؤ۔"
رومیصہ نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

''ارے واہ! دورِ حاضر کے رومیو، جولیٹ خود ہی محبت کے عہد و پیماں باندھ لئے اور ہمیں خبر ہی نہیں۔''

تحریم نے اس کی طرف گھورتے ہوئے کہا اس بار رومی کو ساری بات سمجھ آ گئی، اس نے حارث کی طرف گھور کر دیکھا۔

''تو مسٹر! یہ آپ کی کارروائی ہے، میں نے ایسا کب کہا تھا کہ......''

کہتے کہتے وہ ایک دم رک گئی اسے محسوس ہوا کہ پھر وہ کچھ غلط کہنے جا رہی ہے۔ تحریم اور علی نے بیک وقت ریکارڈ لگایا وہ ان کی شرارت سمجھ گئی تھی۔

''ہٹو پرے! مجھے نہیں پتہ اس سے پوچھو جس نے صبح ہی صبح تم لوگوں کو میرے پیچھے لگا دیا ہے۔''

یہ کہہ کر وہ وہاں سے جانے لگی۔

''ارے، ارے رومی! ہم تو مذاق کر رہے تھے۔''

تحریم نے جلدی سے اسے روکا کہ اس کے موڈ کا واقعی کچھ نہیں پتہ تھا کہ کب روٹھ جائے۔

''تو میں کونسا واقعی جا رہی تھی۔''

اس نے شانِ بے نیازی سے کہا، حارث اس کی معصومیت پر فدا ہو گیا اس وقت موسم کی مناسبت سے دھانی کلر کی لانگ شرٹ اور ٹراؤزر میں وہ خود بھی موسم بہار کا حصہ لگ رہی تھی، وہ میک اپ اور جیولری کبھی نہیں پہنتی تھی ہمیشہ اس نے اس کی کلائی میں بس ایک بریسلیٹ دیکھا تھا، اس لئے اس کی پسند کے مطابق بریسلیٹ ہی دیا تھا، اسی وقت رومی کی نظر حارث پر پڑی، تو وہ نظریں چرا گئی، بے شک وہ خود اعتماد سہی مگر اندر سے وہی شرمائی شرمائی مشرقی لڑکی تھی اسی ادا نے حارث کو پہلے دن سے اس کے دل کے ساتھ باندھ دیا تھا۔ وہ مسکرا دیا اور پھر تحریم اور علی کے پرزور اصرار پر کلاسز آف ہونے کے بعد ''عثمانیہ'' میں انہیں ٹریٹ دی تب ان دونوں کی جان بخشی ہوئی واپسی میں وہ رومی کو خود گھر ڈراپ کرنے آیا تھا۔

وہ آنی سے بھی ملنا چاہتا تھا۔

''تھینک یو رومی۔''

حارث نے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے اس سے کہا۔

''کس بات کے لئے؟''

رومی نے حیرانی سے پوچھا۔

''اس کے لئے......''

حارث نے اس کی شفاف دودھیائی کلائی میں سجے بریسلیٹ کی طرف اشارہ کیا، رومی نے ایک دم گھبرا کر اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا، حارث کی ہنسی اس کی حرکت پر بے ساختہ تھی۔

''ویسے تم شرمائی شرمائی اس رومی سے کتنی مختلف لگتی ہو جو ہر وقت لڑنے مرنے کو تیار رہتی تھی۔''

حارث نے اسے چڑانے کے لئے کہا اور واقعی وہ چڑ بھی گئی۔

''کیا، کیا مطلب میں لڑتی ہوں اور خود جو ہر وقت مجھ پر طنز کرتے رہتے تھے اور اتنی سخت باتیں سناتے تھے، ہلاکو کے جانشین ہونہہ۔''

رومی نے بھی بدلہ اتارا۔ حارث کو اس وقت روٹھی، روٹھی سی وہ اور بھی دل کے قریب لگی۔

اس نے طے کر لیا کہ آج ہی پاپا سے رومی اور اپنی بات کرے گا، ویسے بھی پاپا کو میری پسند کا اندازہ ہے اور رومی

بھی ان کی ہر دلعزیز اسٹوڈنٹ ہے انہیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور آنی بھی مجھے بہت مانتی ہیں۔ لہٰذا اسے امید تھی کہ وہ دونوں آسانی سے ایک دوسرے کے ہو جائیں گے، کم از کم وہ منگنی کروا لینا چاہتا تھا، شادی بے شک فائنل اور ہاؤس جاب کے بعد ہوتی رہے۔ اس طرح وہ اس کے نام تو ہو جائے گی تا کہ کوئی اور اس معصوم گڑیا کو اس سے چرا نہ سکے۔ جس کے بغیر اب وہ ایک پل بھی نہیں رہ سکتا تھا۔

''ارے کہاں کھو گئے؟ جناب گھر آ گیا ہے۔''

رومی نے اسی خفگی سے کہا حارث نے چونک کر اسے دیکھا۔

''ہوں، ہاں تمہارے ساتھ اتنی جلدی سفر ختم ہو گیا پتہ ہی نہیں چلا۔''

حارث نے جذب سے کہا، رومی اپنا روٹھنا بھول کر اسے دیکھے گی۔ پھر جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی، حارث بھی مسکراتا ہوا اس کے پیچھے ہی اندر داخل ہوا۔

''السلام علیکم آنی!''

دونوں نے بیک وقت کہا، آنی جو کچن میں تھیں ان کی آواز سن کر باہر آ ئیں۔

''وعلیکم السلام میرے بچوں! لگتا ہے آج خوب آؤٹنگ کی جو اتنی دیر ہو گئی۔''

انہوں نے حارث کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا ایک دن میں ہی وہ انہیں بہت عزیز ہو گیا تھا، اسے دیکھ کر پتہ نہیں کیوں انہیں اپنا دل انجانی راحت سے بھرتا محسوس ہوا۔

''ہوں...... وہ دراصل علی اور تحریم ہماری پوزیشن کی خوشی میں ٹریٹ مانگ رہے تھے، اس لئے واپسی میں ہم عثمانیہ چلے گئے تھے اب ردی کو چھوڑنے آیا سوچا آپ سے بھی ملاقات ہو جائے گی 18 گھنٹے ہو گئے تھے ناں بیوٹی فل لیڈی آپ کو دیکھے ہوئے آپ نے میرا اس طرح دوبارہ آنا مائنڈ تو نہیں کیا؟''

حارث نے کچھ شرارت اور کچھ جھجکتے ہوئے اپنے ساتھ لایا ہوا بکے دیتے ہوئے انہیں جواب دیا۔ آنی اس کے اس انداز پر سرشار ہو گئیں، رومی کو اس وقت وہ بہت اچھی لگیں، اس نے آنی کو اس طرح کھل کر مسکراتے ہوئے بہت کم دیکھا تھا۔

''تھینک یو حارث! تم نے میرے ساتھ ساتھ آنی کی زندگی کو بھی خوبصورت بنا دیا ہے، انہیں مسکرانا سکھا دیا ہے اب وہ اپنے گرد بنے تنہائی کے خول سے باہر آنے لگی ہیں۔''

رومی نے حارث کی طرف دیکھتے ہوئے سوچا۔

''اوں ہوں آنی! کیا آپ کے گھر آئے مہمانوں کو چائے نہیں پلائی جاتی ذرا ان محترمہ کو بھی اپنی طرح کچھ سلیقہ سکھائیں، آخر کو انہیں اگلے گھر جانا ہے۔''

حارث نے پھر اسے چڑاتے ہوئے کہا آنی ہنسنے لگیں۔

''آنی! یہ فاؤل ہے اب آپ اس کا ساتھ دیتی ہیں، یہ میرا مذاق اڑا رہا ہے اور آپ ہنس رہی ہیں۔''

اس نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''ہاں...... تو آنی! کیا میں نے کچھ غلط کہا؟ کیا ساری زندگی تم آنی کے سر پر سوار رہو گی، ارے تمہیں رخصت کر کے میں ان بیوٹی فل لیڈی سے اپنے نخرے اٹھواؤں گا، بس پھر ہم دونوں ہوں گے، تم جا کر اپنے شوہر کی خدمت کرنا۔''

حارث نے ایک بار پھر آنی کی طرف دیکھتے ہوئے شرارت سے کہا، اس دفعہ تو رومی بالکل ہی تپ گئی۔

”ارے مسٹر! بے فکر رہو میں کہیں نہیں جانے والی ساری زندگی یہیں رہوں گی تم دونوں کے ساتھ۔“

”اوں ہوں...... یعنی ساری زندگی میرے ساتھ رہنے کے لئے تیار ہیں؟“

حارث نے اس کے کان میں سرگوشی کی۔ وہ اپنی ایک بار پھر بے سوچی سمجھی کہی بات پر جی جان سے شرمندہ ہوئی اور جلدی سے چائے بنانے کچن کی طرف چلی گئی، اپنے پیچھے اسے حارث کے ساتھ ساتھ آنی کا بھی زندگی سے بھرپور قہقہہ سنائی دیا، وہ خود بھی مسکرادی، کچھ دیر بعد آنی مغرب کی نماز پڑھنے چلی گئیں۔ حارث کچن میں اس کے پاس آ گیا اور کاؤنٹر سے ٹیک لگائے اسے رات کے کھانے کی تیاری کرتے ہوئے دیکھنے لگا اس وقت وہ بالکل گھریلو عام سے حلیے میں اپنے اردگرد سے بے نیاز حارث کو بہت پیاری لگی اسے لگا۔

”اس لڑکی کا ہر روپ ایک انوکھی اور سحر طاری کرنے والی کشش رکھتا ہے۔“

”رومی!“

اسے حارث کی محبت میں ڈوبی گھمبیر آواز سنائی دی۔

”ہوں!“

رومی کا دل ایک انوکھی لے پر دھڑکنے لگا، بغیر مڑے اس نے جواب دیا۔

”رومی! ادھر میری طرف دیکھو۔“

حارث نے اسے شانوں سے پکڑ کر اپنی طرف اس کا رخ کیا۔

”رومی! کیا تم بھی مجھ سے اتنی ہی محبت کرتی ہو جتنی میں تم سے؟ کیا تمہیں بھی وہی سب کچھ Feel ہوتا ہے جو مجھے؟“

حارث نے اس وقت ایک بار پھر اس کی جان مشکل میں ڈال دی وہ لاکھ لاپرواہ اور بولڈ سہی، مگر اس وقت اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ کیسے ”تجدید وفا“ کا اقرار کرے اپنے دل میں پھوٹنے والے نئے نئے محبت کے شگوفے سے کیسے اسے یقین کی مہک عطا کرے، مگر بہرحال اسے حارث کو مطمئن تو کرنا ہی تھا۔

”حارث! کیا ضروری ہے کہ ہم زبان سے ہی اظہار کریں، کیا تمہیں میرے چہرے اور میری آنکھوں میں چھپے جذبوں کی سچائی کے رنگ نظر نہیں آتے، جو صرف اور صرف تمہارے لئے میرے دل میں ہیں۔“

رومی نے جذب سے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

”اوہ...... اچھا تو رومی صاحبہ بھی ہم سے محبت کرنے لگی ہیں، بقول آپ کے اکڑو، سر پھرا اور کیا تم نے آنی کو میرے بارے میں بتایا تھا جو وہ کل کہہ رہی تھیں۔“

حارث نے اسے تنگ کرتے ہوئے کہا۔

”حارث تم...... تم بہت بدتمیز ہو تمہیں مجھے بس ہر وقت شرمندہ کرنا ہوتا ہے، وہ تو تمہارا پہلے دن امپریشن ایسا بنا تھا مگر اب تو......“

رومی کہتے کہتے ایک دم سر جھکا گئی۔

”مگر اب تو......؟ بولو ناں رومی! اب تو کیا......“

حارث نے شرارت سے کہا۔

”اب تو...... تم اور بدتمیز ہو گئے ہو پتہ نہیں آنی پر کیا جادو کر دیا ہے، جو تمہاری تعریف کرتی رہتی ہیں ان کے سامنے محترم کتنے شریف اور فرمانبردار بنے رہتے ہیں۔“

رومی اس کی شرارت سمجھ گئی تھی لہٰذا اسی کے انداز میں لاپرواہی سے جواب دیا۔ حارث اس کے بات بدلنے پر بے ساختہ ہنستا چلا گیا۔ رومی کی ہنسی بھی اس کے ساتھ شامل ہو گئی، پھر آنی نے حارث کو رات کا کھانا، کھائے بغیر جانے نہیں دیا۔

”تھینک یو سوئیٹی“

گیٹ پر حارث نے رومی کی طرف محبت سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کس بات کا؟“

رومی نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

”میری پسندیدہ ڈشیز بنانے کا، تمہیں میری پسند کا کتنا خیال ہے، ویسے بھی کہتے ہیں مرد کے دل کا راستہ معدے سے ہو کر گزرتا ہے۔“

اس نے رومی کی چھوٹی سی سرخ ناک کو دباتے ہوئے کہا۔

”Bye Dear!“ جاتے، جاتے بھی اسے تنگ کئے بغیر نہ رہ سکا رومی بھی اس کی بے تکی بکواس پر دانت پیس کر رہ گئی، مگر اسے بھی حارث کا اپنے لئے یوں اپنائیت جمانا اچھا لگتا تھا۔

......☆......

دو دن وہ آنی کے اسکول کے پروجیکٹ کی وجہ سے کالج نہیں جا سکی، وہ اتنی تھکی ہوئی آتی تھیں لہٰذا رومی نے دو دن کالج سے آف لے کر گھر پر رہنا ضروری سمجھا، تاکہ انہیں اسکول سے آ کر گھر کے کام نہ کرنا پڑیں۔ فون پر حارث اور تحریم سے وہ لیکچرز وغیرہ ڈسکس کر لیتی تھی، آج جب وہ کالج پہنچی تو اس کے لئے تحریم اور علی کے پاس ایک Good News تھی ان سے سینئرز جو اس سال MBBs مکمل کر کے پاس آؤٹ ہونے والے تھے، ان کے اعزاز میں ان کی جونیئر کلاس نے ایک گرینڈ پارٹی دینے کا منصوبہ بنایا تھا جس کا سارا انتظام اور کمپیئرنگ کی ذمہ داری سر زیدی نے حارث اور علی کے ذمہ لگائی تھی۔

”Oh Wow! بہت مزہ آئے گا۔“

رومی نے خوشی کا اظہار کیا۔

”جی جناب! مزہ تو آئے گا، مگر ڈرامے کے لئے فیمیل کریکٹر حارث نے آپ کے لئے منتخب کیا ہے بقول ان کے آپ سے زیادہ معصوم، سادہ اور خوبصورت گوہر نایاب چہرہ اس پورے کالج میں اور کوئی نہیں۔“

تحریم نے آنکھ دباتے ہوئے کہا۔ اس کے انداز پر علی کے ساتھ ساتھ رومی بھی ہنس دی۔

”مگر مسئلہ یہ ہے کہ اس ڈرامے میں جو میل کریکٹر تمہارے مدمقابل ہوگا، وہ اب تک حارث کو نہیں مل پا رہا، جو تمہارے ساتھ پرفیکٹ لگے۔“

ابھی رومی تحریم کی بات کے جواب میں کچھ کہنے ہی والی تھی کہ ایک دم سے ان کے سامنے سجاول کا گروپ آ گیا، جس کی شہرت کالج میں اچھی نہیں تھی، وہ ایک بگڑا ہوا رئیس زادہ تھا، تین سال سے اسی کالج میں ٹکا ہوا تھا اور سب کی زندگی اجیرن کی ہوئی تھی، روز نئی نئی گرل فرینڈز بنانا اور اپنی نیو ماڈل کار میں گھمانا اس کی ہابی تھی، تحریم اور رومی کو وہ سخت زہر لگتا تھا ابھی بھی ان کی آمد سے دونوں کا موڈ خراب ہو گیا۔

”ہیلو گائز!“ سجاول نے اپنے گلے میں موجود سونے کی چین کو گھماتے ہوئے لوفرانہ نگاہ تحریم اور رومی پر ڈالتے ہوئے کہا دونوں اس کے اس انداز پر تپ کر رہ گئیں، غصہ تو علی کو بھی بہت آیا، مگر وہ ضبط کر گیا وہ کوئی بدمزگی نہیں کرنا

چاہتا تھا۔

''ہم پروگرام کی تیاری کررہے ہیں۔''

علی نے ہی جواب دیا۔

''ہاں مجھے پتہ چلا تھا کہ اس کے لئے کسی خوبرو ہیرو کی ضرورت ہے۔''

سجاول نے اپنے چمچوں کی طرف آنکھ مارتے ہوئے کہا۔

''تو پھر کیا خیال ہے مس رومی کے ساتھ تو میرا کپل ہی اچھا لگے گا۔''

سجاول نے ایک دم رومی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ اس کی اس نازیبا حرکت پر رومی کے ساتھ ساتھ تحریم اور علی بھی دم بخود رہ گئے، پھر ایک دم رومی کا دایاں ہاتھ اٹھا اور سجاول کے چہرے پر نشان چھوڑتا چلا گیا۔

''You Idiot لوفر انسان، تمہاری ہمت کیسے ہوئی مجھے ٹچ کرنے کی، اپنی اوقات میں رہو مسٹر سجاول! یہ کالج تمہارے باپ کی پراپرٹی نہیں، نہ ہی میں تمہاری گرل فرینڈ ہوں، جو تمہاری ان چھچھوری اداؤں پر تمہارے آگے بچھ جاؤں، آئندہ مجھ سے بات کرنے کی بھی کوشش کی تو اس تھپڑ کو ضرور یاد کر لینا۔''

رومی کا مارے غصے برا حال تھا اس کا تیز ہوتا تنفس اور ماتھے پر آئے بل اس کی اندرونی کیفیت کا پتہ دے رہے تھے، اس کا بس نہیں چل رہا وہ سجاول کا ہاتھ کاٹ دیتی، جس سے اس نے چھونے کی کوشش کی تھی شور کی آواز سن کر حارث بھی سر زیدی کے آفس سے وہاں آ گیا تھا، اسے بھی سجاول پر بہت غصہ تھا، اس کی بے باکیاں بڑھتی جا رہی تھیں اور آج اس نے رومی یعنی اس کی زندگی کے ساتھ بدتمیزی کی تھی، جسے وہ برداشت نہیں کر سکتا تھا، مگر رومی کے ردعمل اور کرارے جواب نے اس کے شعلہ بار جذبات کو ٹھنڈا کر دیا تھا۔

''دیکھ لوں گا تمہیں......''

یہ کہتے ہوئے سجاول اپنے دوستوں کے ساتھ وہاں سے کھسک گیا، کیونکہ حارث سے کم از کم وہ نہیں الجھ سکتا تھا، حارث کے ہی کہنے پر سر زیدی نے اب تک اس کے خلاف کوئی سخت ایکشن نہیں لیا تھا، مگر اب حارث کی برداشت سے باہر تھا، اس نے رومی کو تسلی دی اور تحریم کے ساتھ اسے گھر بھیج دیا، اور خود وہ علی کے ساتھ سر زیدی کے آفس میں آ گیا، جہاں علی نے آج کی ساری روداد ان کو بتا دی۔

''ہوں......! میں تو بہت پہلے ہی اسے نکال دیتا مگر اس کا باپ بہت شریف انسان ہے، صرف حارث کے کہنے پر اور اس کے باپ کی سفارش پر میں نے کوئی ایکشن نہیں لیا، مگر اس کی اتنی جرات بڑھ گئی ہے کہ کالج کی لڑکیوں کے ساتھ بھی بدتمیزی کرے۔ No, Notatall۔ تم آج ہی سجاول کے خلاف کالج سے باہر کرنے کا نوٹس اس کے باپ کو بھجوا دو، اب میں مزید اس لڑکے کی وجہ سے اپنے کالج کا ماحول اور ریپوٹیشن خراب نہیں کر سکتا اور اب تو بات ایک لڑکی کی عزت کی ہے۔''

''ٹھیک ہے سر!''

یہ کہہ کر علی وہاں سے نوٹس بھیجنے چلا گیا سر زیدی اس کی طرف متوجہ ہوئے جواب تک بالکل خاموش تھا مگر اس کی پیشانی کی ابھری رگ، اور غصے سے بند مٹھی اس کے اندر اٹھتے طوفان کا پتہ دے رہی تھی، انہیں اندازہ تھا کہ وہ اس وقت ضبط کی کڑی منزل پر ہے۔

''کول ڈاؤن حارث! انشاءاللہ اب سجاول اس کالج میں مزید نہیں رہے گا، اب نہ ہی اس کے باپ کی سفارش کام آئے گی، نہ ہی میڈیکل بورڈ آف ڈائریکٹر کا کوئی دباؤ! اور تم بس اب جلد ہی رومی کی آنی سے مجھے ملوا دو، تا کہ تم

دونوں کو مضبوط نکاح کے بندھن میں باندھ دوں، رخصتی بے شک فائنل کے بعد رکھ لیں گے پھر سب کو پتہ چل جائے گا کہ وہ اس کالج کے چیئرمین کی بہو اور ہمارے شہزادے کی جان ہے، پھر کوئی کچھ نہیں کہہ سکے گا۔''

آخری میں انہوں نے شرارت سے کہا، حارث جو غصے میں تھا ان کی آخری بات سن کر بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگا۔

''آر یو سیریس پاپا؟!''

''ہاں پہلے میرا ارادہ تم لوگوں کے فائنل کے بعد کا تھا، مگر اب صورتحال مختلف ہے، اس لئے اب یہ فیصلہ لینا پڑا، ٹھیک ہے ناں؟''

انہوں نے حارث کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

''ہاں پاپا! تھینک یو، میں آج ہی آنی سے آپ کی Meeting کا ٹائم لیتا ہوں، دراصل وہ ایک اسکول رن کر رہی ہیں، تو کافی بزی رہتی ہیں۔''

حارث نے جواب دیا۔

''او کے مائی سن! پھر شام میں ملاقات ہوتی ہے اس وقت مجھے سجاول والا مسئلہ حل کرنا ہے۔''

''او کے پاپا''۔

حارث ان کے ماتھے پر بوسہ دے کر باہر آ گیا، وہ ہنس دیئے اب اس کا موڈ خوشگوار ہو چکا تھا اس کے تصور میں رومی کا پریشان گھبرایا چہرہ تھا بے شک اس نے ہمت کر کے سجاول کو اس کی گستاخی کا زبردست جواب دے دیا تھا، مگر اب وہ بہت زیادہ خوفزدہ تھی، پھر ایک ہفتے وہ کالج نہیں آئی حارث بھی بہت پریشان تھا، تحریم نے بھی رومی کو سمجھایا کہ اس واقعہ کو ذہن پر سوار نہ کرے، سجاول جیسے لڑکے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، مگر اس کا دل مطمئن نہیں ہوا آنی کو انہوں نے کچھ نہیں بتایا تھا، رومی نے آنی کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا تھا کہ آج کل کالج میں ''اسٹوڈنٹ ویک'' کی وجہ سے خاص پڑھائی نہیں ہو رہی، وہ گھر میں رہ کر تیاری کرے گی۔ آج اسے حارث کا فون آیا۔

''ہیلو!''۔

''السلام علیکم!''

رومی کی اداس سی آواز سنائی دی، حارث کے دل کو کچھ ہوا وہ اس پیاری سی لڑکی کو کبھی اداس نہیں دیکھ سکتا تھا۔

''تم کالج کیوں نہیں آ رہیں؟''

حارث نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

''ویسے ہی میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی''۔

''او کم آن رومی یار بی بریو''۔

حارث نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

''ہمت کرو رومی! سجاول جیسے بزدلوں سے ڈر کر گھر بیٹھنا کہاں کی عقلمندی ہے اور آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے کہ پاپا یعنی سر زیدی (چیئرمین) اور میڈیکل بورڈ کے دیگر ممبرز نے اس کا پچھلا تمام خراب ریکارڈز دیکھتے ہوئے کالج سے نکال دیا ہے، اس کے والد بھی بہت شرمندہ ہیں سنا ہے وہ اسے دبئی اس کے ماموں کے پاس بھجوا رہے ہیں، اب تو تم کالج آنا شروع کر دو، یار رومی کتنے دن ہو گئے تمہیں دیکھے ہوئے ایگزیم بھی قریب ہیں۔ کیا اس بار مجھے فرسٹ پوزیشن دلوانے کا ارادہ ہے۔''

حارث نے اس کو ٹینشن سے نکالنے کے لئے سنجیدگی سے کہتے کہتے آخری میں شوخ انداز میں کہا، رومی سجاول کا کالج سے نکل جانے کا سن کر ریلیکس ہوگئی اور اس کی بات سن کر اپنے سابقہ موڈ میں کہنے لگی۔

”جی نہیں ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ رومی کے ہوتے ہوئے حارث نمبرون آئے۔“

”وہ تو ہے! حارث کی زندگی میں صرف رومی ہی نمبرون ہے اس کے آگے پیچھے کوئی نہیں۔“

حارث کی بات پر رومی ہنسنے لگی۔

”اسی طرح ہنستی رہا کرو مجھے تمہارے چہرے پر مسکراہٹ اور شوخی اچھی لگتی ہے۔ تو پھر کل آپ اپنا دیدار کروا رہی ہیں ناں؟ پارٹی کی بھی تیاری کرنی ہے۔“

حارث نے اس سے پوچھا اور رومی نے حامی بھرلی اب اسے کوئی بھی ٹینشن نہیں تھی اور اسے اپنی پڑھائی اور حارث کے ساتھ ساتھ تحریم کی پریشانی کا بھی خیال تھا۔

”ٹیک کیئر! پھر کل ملتے ہیں۔“

یہ کہہ کر حارث نے لائن ڈس کنیکٹ کردی۔ اگلے دن تحریم نے رومی کو دوبارہ کالج جوائن کرنے اور اپنی شادی کی تاریخ فکس ہونے پر Treat دی، تحریم کی منگنی اپنے چچازاد سے 2 سال پہلے ہوئی تھی جو انگلینڈ میں تھا آج کل پاکستان آیا ہوا تھا اور تحریم سے اس کا اگلے جمعہ نکاح تھا، رخصتی اس کے فائنل کے بعد رکھی گئی تھی، جب تک تحریم کے انگلینڈ جانے کے لئے کاغذات وغیرہ تیار ہوجاتے۔

”ہوں...... تو محترمہ دو سال بعد ہمیں چھوڑ کر پیا دیس سدھار جائیں گی۔“

تحریم، رومی کی بات سن کر جھینپ گئی علی اور حارث بھی ہنسنے لگے، پھر دو ہفتے چٹکی بجاتے گزر گئے، پارٹی بہت اچھی رہی تھی، سب نے ان کے انتظامات اور ڈرامے کو پسند کیا تھا، جو رومی اور حارث نے پرفارم کیا تھا کیونکہ سجاول والے واقعہ کے بعد حارث کوئی رسک نہیں لینا چاہتا تھا، پھر ان کے 3rd سمسٹر کے امتحان شروع ہوگئے، جس میں وہ لوگ بری طرح مصروف ہوگئے، حسب معمول اس دفعہ بھی ان لوگوں ہی نے پوزیشن لی تھی، مگر فرق صرف اتنا تھا کہ اس بار رومی اور حارث دونوں ٹاپ پر رہے تھے، اور تحریم دوسرے نمبر پر آئی تھی، وہ لوگ اپنی کامیابی سیلیبریٹ کررہے تھے۔

”ویسے یار کتنی عجیب بات ہے کہ اس بار تم دونوں کے مارکس بالکل سیم آئے امیزنگ!“

تحریم نے سموسوں سے انصاف کرتے ہوئے کہا، علی نے بھی اس کی تائید کی۔

”ہوں...... لگتا ہے سر زیدی نے دونوں کے لئے پروفیسرز سے سفارش کی تھی، آفٹر آل حارث ان کا لخت جگر اور رومی ان کے لخت جگر کی زندگی جو ہے!“

علی نے شرارت سے برگر کھاتے ہوئے کہا حسب توقع حارث تو مسکرانے لگا۔ مگر رومی تو تپ کر رہ گئی۔

”او مائنڈ اٹ جب لومڑ کو انگور نہیں ملتا تو وہ یہی کرتا ہے؟ انگور کھٹے ہیں، اگر ایسی بات ہوتی تو پھر تحریم کی پوزیشن کیوں آئی؟ اور تم بھی حارث کے بچپن کے دوست ہو، تمہاری کیوں نہیں آئی؟ تو مسٹر علی ساری بات یہ کہ پوزیشن سفارش سے نہیں، بلکہ محنت اور ذہانت سے آتی ہے تمہارے پاس یہ دونوں ہیں نہیں“۔

آخر میں رومی نے بھی علی کے انداز میں شرارت سے کہا، علی اس کی حاضر جوابی پر سر کھجانے لگا۔ جبکہ تحریم اور حارث ان کی نوک جھونک انجوائے کررہے تھے۔“

”جہاں تک ایک جیسے مارکس کی بات ہے تو ڈیئر! جب ہم دونوں کے دل ایک ہوگئے، تو پھر زندگی کے ہر میدان

میں ہماری کامیابی، خوشی، پسند و ناپسند ایک ہی ہوگی ناں!“

اس بار حارث نے جواب دیا، تحریم اور علی اس کی حمایت پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکے، اس طرح ان کی خوبصورت یادوں کے البم میں ایک اور خوشگوار شام کا اضافہ ہوگیا۔

رزلٹ کے بعد فائنل ایئر کی کلاسز شروع ہونے میں ایک ہفتہ Off تھا، جس کو رومی نے خوب سو کر اور آنی سے لاڈ اٹھوا کر گزارہ۔ آج بھی وہ رف سے حلیے میں ٹی وی دیکھ رہی تھی کہ آنی اس کے پاس آگئیں۔

”رومی! یہ کیا حلیہ بنایا ہوا ہے؟ اٹھو، چلو شاور لے کر اچھی طرح ڈریس اپ ہوجاؤ“۔

آنی نے ٹی وی کا والیوم آہستہ کرتے ہوئے کہا۔ رومی نے بدمزہ ہوتے ہوئے ان کی طرف دیکھا اس وقت ٹی وی پر اس کا فیورٹ شو چل رہا تھا۔

”کیا ہے آنی! آپ کو پتہ ہے ہم میڈیکل اسٹوڈنٹ کی لائف کتنی ٹف ہوتی ہے، ابھی یہ کچھ دن فراغت کے ملے ہیں پلیز انجوائے کرنے دیں۔“

”میرے خیال سے سوئیٹ ہارٹ! تم صبح سے شاید انجوائے ہی کررہی ہو، چلو اٹھو شاباش حارث آنے والا ہے۔“

آنی نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا۔

”تو...... ؟ وہ تو ہر دوسرے دن چلا آتا ہے یہ کون سی نئی بات ہے؟ ویسے آنی! میں دیکھ رہی ہوں اب آپ مجھے چھوڑ کر اس کے لاڈ بہت اٹھاتی ہیں یہ فاؤل ہے۔“

رومی نے ان سے شکایت کی۔

”وہ اس لئے میری جان! وہ مجھے تمہارے حوالے سے بہت عزیز ہے، اور تمہیں پتہ ہے آج وہ اکیلے نہیں آرہا بلکہ اس کے پاپا یعنی تمہارے ہردلعزیز پروفیسر سر زیدی بھی آرہے ہیں تمہارا پروپوزل لے کر“۔

آنی نے اسے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ رومی جو سر زیدی کا آنے کا سن کر گھبرا گئی تھی آخری بات پر تو بالکل ہی کنفیوژ ہوگئی، آنی اس کا شرمایا شرمایا روپ دیکھ کر نہال ہوگئیں۔

”شام کی چائے میں اچھا خاصا اہتمام کرنا ہے۔“

آنی نے اسے پیار سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”آنی! سر زیدی ہمارے گھر آرہے ہیں، آپ نے پہلے کیوں نہیں بتایا“۔

اس نے صوفے سے چھلانگ لگاتے ہوئے کہا۔

”چار بج رہے ہیں یعنی بس وہ لوگ آنے والے ہوں گے او...... کتنا برا امپریشن پڑے گا سر پر اور یہ حارث کا بچہ اس نے بھی مجھے نہیں بتایا۔“

ہمیشہ کی طرح جلدی افراتفری مچا کر وہ اپنے کمرے میں گئی اور وارڈ روب سے جو استری کیا ہوا سوٹ ہاتھ لگا اسے لے کر واش روم میں گھس گئی، آنی اس کی عجلت پر مسکرا کر رہ گئیں۔

”صحیح کہتا ہے حارث، اس لڑکی کو اب سلیقہ سکھانا پڑے گا۔“

یہ سوچ کر وہ کچن میں چائے کے لوازمات تیار کرنے چلی گئیں۔ رومی ابھی کمرے میں بالوں میں برش کررہی تھی کہ اسے ڈور بیل کی آواز سنائی دی اس کا دل ایک انوکھے انداز سے دھڑکا، آج حارث اسے اپنے نام کرنے آرہا تھا یہ سوچ کر ہی اسے نیچے جانے میں جھجک محسوس ہورہی تھی۔

"السلام علیکم آنی!"

حارث کے جذبوں سے سرشار پرجوش آواز پر اس کے لب مسکرا دیئے۔

"وعلیکم السلام بیٹے!"

آنی نے ہمیشہ کی طرح اس سے بکے لے کر پیار کیا، آج بکے کے ساتھ ساتھ مٹھائی اور پھل کے ٹوکرے بھی تھے جسے حارث نے سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"وہ آنی! پاپا بھی ہیں میرے ساتھ اگر آپ کہیں تو انہیں بلالوں۔"

حارث نے آنی سے اجازت طلب کی۔

"ہاں، ہاں بیٹے! انہیں بلالو مجھے اس وقت کا تو بڑی بے صبری سے انتظار تھا، میرا مطلب ہے رومی اور تم نے اپنے پاپا کی اتنی تعریف کی ہے کہ اس عظیم ہستی سے میں بھی ملنا چاہوں گی۔"

آنی نے جلدی سے کہا۔

حارث اپنے پاپا کو ڈرائنگ روم میں لئے آیا جہاں آنی پہلے ہی موجود تھیں۔

"پاپا یہ ہیں آنی جنہوں نے مجھے ہمیشہ ماں کا پیار دیا۔"

حارث نے عقیدت سے آنی کا تعارف کروایا۔

"السلام علیکم!" حارث کے پاپا نے انہیں سلام کیا۔ جیسے ہی انہوں نے نظر اٹھا کر دیکھا تو ڈاکٹر زیدی کی آنکھیں حیرت اور تحیر سے پھیل گئیں وہ بے یقینی سے ان کی طرف دیکھنے لگے۔

"تم...... گل رخ...... یہاں؟"

ان کے منہ سے ٹوٹے پھوٹے بے ربط الفاظ نکلے۔

"ہاں! میں...... کیوں ڈاکٹر کمال زیدی! مجھے یہاں دیکھ کر حیرت ہوئی"؟

آنی نے طنزیہ انداز میں تمسخر سے کیا۔

"ظاہر ہے، تمہارے نزدیک تو میں ایک عام سی عورت تھی، جو گاؤں میں پلی بڑھی جسے جدید تقاضوں کو نبھانا نہیں آتا، جو زمانے کے ساتھ قدم ملا کر نہیں چل سکتی اور کہاں میں......؟ ایک مشہور گرلز کالج کی سابقہ انگلش کی پروفیسر اور اب شہر کے مایہ ناز او لیول اکیڈمی کی اونر اور پرنسپل، کیوں تمہیں دیکھ کر دکھ ہوا؟"

آنی نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مکمل اعتماد اور قدرے اونچی آواز میں کہا، جہاں حارث ان کے اس روپ کو دیکھ کر حیران رہ گیا وہیں رومی جو ان سے ملنے نیچے آرہی تھی یہ منظر دیکھ کر ششدر رہ گئی، اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ آنی اتنے غصے میں کیوں ہیں؟ ان کا حارث کے پاپا کے ساتھ کیا رشتہ ہے؟ وہیں حارث کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت بھی مفقود ہو چکی تھی کہ اس کے پاپا آنی کو دیکھ کر کیوں چونکے؟ وہ انہیں کیسے جانتے ہیں؟ اس نے اپنے پاپا کی طرف ناسمجھی سے دیکھا۔ جہاں ان کے چہرے پر صرف ندامت اور پشیمانی تھی۔

"پاپا! یہ سب کیا ہے؟ آنی آپ کے ساتھ ایسا سلوک کیوں کر رہی ہیں پلیز مجھے بتائیں آپ لوگ ایک دوسرے کو کیسے جانتے ہیں؟"

اتنی دیر میں رومی بھی خود پر قابو پا کر ان کے پاس آچکی تھی اب اس کی نگاہ آنی پر تھی جو سوال حارث نے پوچھا وہی اس کے لبوں پر مچل رہا تھا۔"

"یہ بے ضمیر انسان تمہیں کیا بتائے گا، حارث! میں تمہیں بتاتی ہوں کہ میرا تم سے اور اس بے حس انسان سے کیا

رشتہ ہے"۔

آنی کی آواز پر حارث کے ساتھ ساتھ رومی نے بھی انہیں چونک کر دیکھا، جبکہ کمال زیدی تو کچھ کہنے کی پوزیشن میں ہی نہیں تھے۔

"جاننا چاہتے ہو کہ میں کون ہوں؟ تو سنو حارث! میں تمہاری ماں اور اس سنگدل اور خودغرض انسان کی بدقسمت بیوی ہوں"۔

آنی نے رنج و دکھ کی لپیٹ میں راز فاش کیا، ان کے یہ الفاظ حارث اور رومی کے لئے کسی بم بلاسٹ سے کم نہیں تھے، حارث نے بے یقینی سے ان کی طرف دیکھا۔

"آپ میری ماں ہیں، مگر پاپا نے تو بتایا تھا رباب ماما میری ماں ہیں اور وہ تو میرے بچپن میں ہی"۔

آگے اس سے بولا ہی نہیں گیا، وہ کمال زیدی کی طرف مڑا۔

"بابا! یہ سب کیا ہے؟ یہ آنی کیا کہہ رہی ہیں؟ پلیز مجھے سب کچھ صاف صاف بتائیں میرا دماغ پھٹ جائے گا"۔

حارث نے بے بسی سے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"اللہ نہ کرے!"

کمال زیدی کے ساتھ ساتھ آنی کی آواز بھی سنائی دی۔

"تو پھر آپ لوگ یہ پہیلی بوجھنا بند کریں پلیز مجھے سب کچھ سچ بتائیں۔"

"ارے تمہارے باپ میں اتنا حوصلہ کہاں کہ سچ بتا سکے اور اپنے جرم کا اعتراف کر سکے۔"

کمال زیدی کو گل رخ کی نشتر میں ڈوبی آواز نے مزید شرمندگی کے سمندر میں ڈبو دیا۔

"ٹھہرو، میرے بچوں میں تمہیں بتاتی ہوں اب شاید یہ بوجھ میں مزید نہیں سہہ سکتی۔"

آنی نے صوفے پر گرتے ہوئے کمال ضبط سے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا، حارث اور رومی ان کی طرف متوجہ ہوئے، ان کے چہرے پر پھیلی زردی اور دکھ کی کیفیت ان کے کسی کربناک ماضی کی ترجمانی کر رہی تھی۔

"آج سے تقریباً 25 سال پہلے میری زندگی میں ایسا طوفان آیا جو میرا اعتماد، یقین، محبت اور میرے خونی رشتے سب کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے گیا اور میری زندگی کو اندھیروں کے حوالے کر دیا۔"

آنی نے کرب سے آنکھیں بند کرتے ہوئے حقیقت کا پردہ چاک کیا۔

"وہ جاتی سردیوں کی ایک سرد ترین تاریک رات تھی، ہر طرف اداسی اور ویرانی چھائی ہوئی تھی، آسمان پر کہر اور دھند کی وجہ سے چاند بھی اداسی میں ڈوبا ہوا ماند لگ رہا تھا کہ ایک دم دروازے پر دستک ہوئی۔"

"ارے کون ہے اتنی رات میں؟ آتا ہوں بابا ذرا دم تو لو"۔

چاچا نے اپنی رضائی سے نکلتے ہوئے کہا آج کل سردی کی وجہ سے انہیں سانس کا مسئلہ تھا۔ بے بے بھی دوا کھا کر گہری نیند میں تھیں، جبکہ گل رخ اپنے کمرے میں بی۔ اے کی تیاری کر رہی تھی، وہ بھی دستک کی آواز پر چونک گئی، پھر اسے چاچا کی آواز سنائی دی۔

"ارے کمالے پتر تو......؟ اس وقت؟"

انہوں نے حیرت و بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں بابا! میں بس فلائٹ ہی رات کی تھی تو اب پہنچا ہوں"۔

کمال نے اندر آتے ہوئے وضاحت کی۔ گل رخ بھی آواز سن کر باہر آ گئی تھی اور اسے سامنے دیکھ کر اس کی آنکھیں بھی پتھر کی ہو گئی تھیں۔

”ارے گل بیٹا، ادھر کیوں کھڑی ہے، جلدی آ، دیکھ کون آیا ہے، جا اپنی بے بے کو اٹھا، چاچا کی خوشی سے چھلکتی آواز سنائی دی جسے سن کر جہاں گل رخ ہوش میں آئی وہیں کمال نے بھی اسے چونک کر گہری نظر سے دیکھا، گل رخ کو الجھن ہوئی آج تک اس نے کبھی اسے سرسری نظر کے علاوہ اس طرح نہیں دیکھا تھا، اسی الجھن میں وہ بے بے کو جگانے چلی گئی، بے بے کی بھی کمالے کو دیکھ کر وہی کیفیت تھی جو چاچا اور خود گل کی تھی۔ ماں تھیں وہ اسے سامنے دیکھ کر ساری ناراضی بھول گئیں، اور فوراً کمالے سے لپٹ گئیں۔

”پتر 3 سال سے تجھے دیکھنے کے لئے آنکھیں ترس رہی تھیں، آخر تجھے ہم بوڑھے ماں، پیو کا خیال آ ہی گیا۔“

”ارے نہیں بے بے! آپ لوگ تو ہر پل میرے ساتھ ہوتے ہیں آپ کو معلوم ہے گوروں کے ملک کی زندگی کتنی مشینی ہے اور پھر ہم دونوں مختلف کورسز میں مصروف ہو گئے کہ وقت گزرنے کا پتہ نہیں چلا، مگر بے بے تو مجھے ہر پل یاد آتی تھی، دیکھ جیسے ہی سب کچھ سیٹ ہوا، فوراً چلا آیا تجھ سے ملنے۔“

کمالے نے بے بے کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے کہا، بے بے کا ملال اس کی اس ادا پر ختم ہو گیا ان کے لئے یہی کافی تھا کہ ان کا بیٹا ان کے پاس تھا، ماں باپ کا دل شاید ایسا ہی موم ہوتا ہے وہ جلال دین جس کی ضدی طبیعت اور جلال سے سب گھبراتے تھے اپنے بیٹے کے لئے صرف ایک نرم دل اور محبت کرنے والا باپ تھا۔

”اچھا چل تو آ گیا یہی بہت ہے، تیری کنوار نہیں آئی؟“

بے بے نے اس سے چونک کر پوچھا انہیں اب احساس ہوا تھا کہ کمالا اکیلا ہی آیا ہے۔

”وہ بے بے......! آنا تو چاہتی تھی مگر ابھی وہاں نیا نیا سب سیٹ ہوا ہے، جاب سے دونوں کو بیک وقت چھٹی نہیں مل سکتی تھی ناں، لہٰذا کسی ایک کا وہاں ہونا ضروری تھا، پر تو فکر نہ کر انشاء اللہ اگلی بار وہ ساتھ آئے گی۔“

کمالے نے جلدی جلدی رباب کے نہ آنے کی وضاحت کی۔

”اچھا پتر! تو بھی تھکا ہوا ہو گا اندر چل کر آرام کر صبح بات ہو گی۔“

جلال دین کی جہاندیدہ نظریں کمال کے چہرے پر پھیلی شرمندگی بھانپ چکی تھیں۔ لہٰذا انہوں نے جلدی سے بات بدل دی، جس پر کمالے نے بھی سکون کا سانس لیا۔ اور بے بے کا ہاتھ لبوں سے لگا کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا آج بھی اس کا کمرہ اتنا ہی صاف ستھرا تھا اور ہر چیز قرینے سے سجی تھی، جیسا وہ چھوڑ کر گیا تھا یقیناً یہ گل رخ کا کمال تھا وہ سر جھٹک کر لیٹ گیا اسی وقت اس کے سیل پر رباب کی Call آئی۔

”ہیلو کمال! تم پہنچ گئے؟“

”ہوں! کچھ دیر پہلے پہنچا ہوں۔“

کمال نے جواب دیا۔

”او کے اپنا خیال رکھنا اور جس مقصد کے لئے بھیجا ہے، وہ جتنی جلدی ہو سکے پورا کر کے واپس لوٹ آؤ میں تمہارا شدت سے انتظار کر رہی ہوں اور جیسا میں نے تمہیں سمجھایا ہے ویسا ہی کرنا، او کے ٹیک کیئر۔“

ہمیشہ کی طرح رباب نے رعونت سے کہتے ہوئے اس کی سنے بغیر اپنی سنا کر فون بند کر دیا، اور کمال ٹھنڈی آہیں بھر کر رہ گیا۔

دوسرے دن صبح بہت چمکتی اور روشن تھی پرندے اپنے رب کی حمد وثناء میں ہرے بھرے درختوں پر چہچہار ہے

تھے، بے بے کمالے کے لئے بڑے دل سے لسی بنا رہی تھی، سامنے ہی چاچا اپنا حقہ گرم کر رہا تھا اور گل رخ ہمیشہ کی طرح خاموش کمالے کے لئے دیسی گھی کے پراٹھے بنا رہی تھی، آج سردی کا زور کچھ کم تھا۔ ناشتے سے فارغ ہو کر کمال، جلال دین کے ساتھ ہی اپنی زمینوں کی طرف نکل گیا۔

”کیا بات ہے پتر؟ میں دیکھ رہا ہوں تو کل سے کچھ اداس اور بجھا بجھا سا ہے سب خیر تو ہے ناں، ایسا لگتا ہے تو کچھ کہنا چاہتا ہے مگر کہہ نہیں پا رہا۔“

جلال دین نے اپنی جہاندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہوں، ہاں......“

کمال جو ٹیوب ویل کے ذریعے کھیتوں میں جاتے پانی کو دیکھ رہا تھا، مگر اس کی سوچ کی پرواز کہیں اور محو سفر تھی کہ جلال دین نے اس کی غائب دماغی نوٹ کرتے ہوئے پوچھا وہ چونک گیا۔

”وہ بابا! آپ سے ایک بات کرنی تھی، مگر ہمت نہیں ہو رہی۔“

کمال کو جلال دین کے پوچھنے پر کچھ حوصلہ ہوا۔

”کیا بات ہے بیٹے! کھل کر بات کر و آج سے پہلے تو کبھی تجھے اتنا گھبراتے نہیں دیکھا۔“

جلال دین کے کہنے پر اس نے کچھ ہچکچاتے ہوئے بات شروع کی۔

”وہ بابا! اصل میں مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے۔ دراصل میں گل رخ کی بات کر رہا ہوں مجھے اپنے رویوں پر شرمندگی ہے بابا۔“

”یہ تو اچھی بات ہے مگر اب کیا ہو سکتا ہے؟“

جلال دین نے ناسمجھی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”برادری میں اس کے جیسا پڑھا لکھا اور قابل نہیں جو اس کا جوڑ کا ہو، اور تجھے پتہ ہے پتر برادری سے باہر ہمارے خاندان میں شادی نہیں ہوتی، تیری باری پر ویسے ہی میں سب سے بہت باتیں سن چکا ہوں، پر تو فکر نہ کر اللہ مالک ہے۔“

جلال دین نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”وہ بابا......! اگر تو چاہے تو میرا مطلب ہے میں گل رخ کو اپنا کر اپنی غلطی کا ازالہ کرنا چاہتا ہوں۔“

”کیا، کیا یہ تو کیا کہہ رہا ہے پتر! تو ہوش میں تو ہے؟ بھلا یہ اب کیسے ممکن ہے؟“

”ارے بابا! تو ٹھنڈے دل سے میری بات سن، شرع میں تو چار شادی جائز ہیں اور پھر میں جب دوسری شادی افورڈ کر سکتا ہوں، تو پھر ایسا انوکھا کیا؟ میں تجھ سے وعدہ کرتا ہوں بابا کہ، اسے کوئی دکھ نہیں دوں گا، بہت خوش رکھوں گا اسے بس مجھے اپنی غلطی کا مداوا کرنے دے، ورنہ میرے ضمیر پر یہ بوجھ مجھے آرام سے جینے نہیں دے گا۔“

آخر میں اس نے یاسیت سے کہا۔ جلال دین بھی سوچنے پر مجبور ہو گیا اسے گل رخ کی بہت فکر تھی کمال ان کی بھتیجی کو اپنا کر ان کے مرحوم بھائی کے سامنے انہیں سرخرو کرنا چاہتا تھا، تو بھلا اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی تھی؟ اور دوسری شادی کرنا کوئی عیب کی بات بھی نہیں تھی۔

”پر بیٹا! تیری بیوی...... کیا وہ مان جائے گی؟“

پیر جلال نے نیم رضامند ہوتے ہوئے کچھ ہچکچا کر پوچھا۔

”ارے اس کی فکر نہ کریں وہ پڑھی لکھی اور روشن خیال عورت ہے، اسے میری دوسری شادی پر کوئی اعتراض نہیں بس اس کی ایک شرط ہے۔“

کمالے نے کچھ ٹھہرتے ہوئے کہا۔

”کیسی شرط؟“

پیر جلال نے حیران ہو کر کہا۔

”وہ اس کا کہنا ہے کہ شادی کے بعد گل رخ یہیں گاؤں میں آپ لوگوں کے پاس رہے گی، مگر آپ فکر نہ کریں میں ہر سال چھٹیوں پر ملنے آتا رہوں گا اور روز فون بھی کروں گا، میرا وعدہ ہے کہ گل کو مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔“

کمالے نے جلدی سے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے یقین دلایا۔

”اچھا ٹھیک ہے ویسے بھی وہ گاؤں میں پلی بڑھی ہے، یہاں وہ زیادہ سہولت سے رہ سکتی ہے۔“

آخر کار پیر جلال نے اپنی رضامندی دے دی کمال کے لئے یہی کافی تھا اسے یقین تھا کہ اب بے بے کو منانا مشکل نہیں اور رہی گل رخ وہ تو ہے ہی مٹی کی مادھو، اسے زعم تھا کہ وہ اب بھی اسی سے محبت کرتی ہے، جب ہی شادی نہیں کرنا چاہتی، اس کے لئے تو اس کا اقرار کسی دولت سے کم نہیں ہوگا۔ یہ سب سوچتے ہوئے کمال سرشار سا گھر واپس آ گیا، پھر بے بے کو پیر جلال نے کس طرح منایا یہ الگ کہانی ہے، اصل مرحلہ تو تب آیا جب گل نے شادی سے انکار کر دیا، کمال تو اس کے انکار پر حیران رہ گیا، اسے بالکل توقع نہیں تھی، وہ سیدھا اس کے کمرے میں آیا جہاں وہ آخری پیپر کی تیاری کر رہی تھی۔

”گل ادھر دیکھو“۔

”ارے آپ...... کہئے مجھ سے کچھ کام تھا؟“

گل نے انجان بنتے ہوئے پوچھا وہ تپ کر رہ گیا، مگر خلاف توقع اپنے مزاج کے برعکس دھیمے لہجے میں کہا۔

”گل رخ! کیا میں انکار کی وجہ جان سکتا ہوں؟“

”آپ شاید بھول رہے ہیں آج سے تین سال پہلے آپ نے ہی مجھ سے انکار کروایا تھا، بقول آپ کے میرا اور آپ کا کوئی جوڑ نہیں، تو پھر اب ایسا کیا ہو گیا، میں اب بھی وہی گل ہوں، جبکہ آپ نے اپنی خواہشوں کے جگنوؤں سے روشن تعبیر رباب کی صورت میں پالی ہے، پھر اب اس نظر التفات کی وجہ؟ کیا مجھ پر ترس کھا کر؟ مگر بغیر کسی غرض کے تو آپ مجھ پر مہربان ہو نہیں سکتے مسٹر کمال! پھر ایسی کیا مجبوری ہے، جو مجھ تک دوبارہ لے آئی؟“

کمال اس کا لہجہ اور خود اعتمادی دیکھ کر ہی حیران رہ گیا، یہ اس گل رخ سے بالکل مختلف تھی جسے وہ تین سال پہلے رد کر کے گیا تھا، مگر آج رباب کی خوشی اور اپنی

غرض اسے ایک بار پھر اس کے سامنے لے آئی تھی، کتنا صحیح اندازہ لگایا تھا اس نے۔

”مجھے احساس ہے کہ میں نے تمہاری محبت کو ٹھکرایا اور بابا کا دل دکھایا، مگر اب مجھے اپنی غلطی کا احساس ہو گیا ہے، دیکھو رباب کو بھی کوئی اعتراض نہیں ہے تو تم کیوں بابا اور بے بے کی خوشی کے لئے نہیں مان جاتیں؟“

کمالے نے تھوڑی نرمی سے اسے قائل کرنے کی کوشش کی۔

”میں جانتا ہوں گل! تم اب بھی مجھ سے محبت کرتی ہو، بس تمہاری انا مجروح ہوئی ہے جس کی وجہ سے تم انکار کر رہی ہو، مگر یقین کرو میرے دل میں تمہاری محبت اور قربانیوں کی بہت قدر ہے، میں بھی تمہیں پسند کرتا ہوں

رباب سے شادی کا فیصلہ میری مجبوری تھی جو تم نہیں سمجھو گی۔“

اس نے اپنے لہجے میں یاسیت بھرتے ہوئے کرب سے کہا اور گل رخ تو یہ سن کر ہی حیران رہ گئی کہ وہ بھی اسے پسند کرتا ہے، اور اس کی چاہت سے بے خبر نہیں، بس، اس کا دل ایک بار پھر ہار گیا اور اس نے دماغ کے خدشوں سے نظریں چرا کر دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر شادی کے لئے اقرار کر لیا، بعد کے مراحل بہت تیزی سے طے ہوئے اس کے پیپرز کے ایک ہفتے بعد اسے مایوں بٹھا دیا گیا، بے بے نے اپنے دل کے سارے ارمان پورے کئے، اور آج وہ اس شخص کی سیج سجائے بیٹھی تھی جو اتنی بے اعتنائی کے باوجود آج بھی اس کے دل میں سب سے اونچی مسند پر تھا اور اب جب اس نے اپنا نام دے کر اسے اپنی زندگی میں شامل کر لیا تھا، تو رہی سہی شکایت بھی دور ہو گئی تھی، اس کے لئے کافی تھا کہ اس کے نام کے ساتھ کمال کا نام جڑ گیا تھا، اس کی خزاں رسیدہ زندگی میں بہار آ گئی تھی، کمال جب کمرے میں آیا تو اسے سر جھکا کر مسکراتے پایا آج اس کی سادگی نے سنگھار کا روپ دھارا تو اس کا ایک ایک نقش دو آتشہ اور خوبصورت ہو گیا تھا اس کے آبشار جیسے بال موتیوں کے پھولوں میں پروئے اس کے کندھے سے آگے پڑے تھے اور ہاتھوں میں کمال کے نام کی حنا اس کی گوری ہتھیلیوں کو اور دلکش بنا رہی تھی کلائیوں میں چوڑیوں کی کھنک اسے محبت کے سر سنا رہی تھی، آج وہ بہت خوش تھی، کمال بھی ایک لمحے کے لئے اس کے الوہی معصوم روپ کو دیکھ کر چونک گیا مگر پھر نظریں چراتے ہوئے اس کی طرف بڑھا اور اس کی انگلی میں خوبصورت سونے کی انگوٹھی پہنا دی، جس پر گل نے شرما کر اپنے لب رکھ دیئے۔ یہ کمال کی طرف سے دیا جانے والا پہلا محبت کا تحفہ تھا، اسی طرح کمال کے سنگ محبتوں میں بھیگتے دو مہینے گزر گئے بے بے اور چاچا اسے خوش دیکھ کر بہت خوش تھے، پھر اس کے واپس جانے کا وقت بھی آ پہنچا گل کے لئے یہ جدائی بہت تکلیف دہ تھی، مگر اس کے پیچھے بہت سی خوشگوار یادیں اور مہکتے لمحات تھے جو اسے ہمیشہ آسودہ رکھتے، کمال دوبارہ جلد آنے کا وعدہ کر کے گیا تھا، وہ اس کی واپسی کے انتظار میں ہر وقت چہرے پر ایک معصوم سی مسکراہٹ سجائے ادھر سے ادھر کام میں مصروف رہتی، اسی دوران اس کا بی۔ اے (B.A) کا رزلٹ بھی آ گیا اس نے پورے ضلع میں ٹاپ کیا تھا کمال کو فون پر یہ خوشخبری اس نے سنائی، جس پر اس نے سرسری سی مبارک باد دی، جسے گل نے محسوس تو کیا مگر نظر انداز کر گئی۔ پھر ایک رات بے بے ایسا سوئی کہ دوبارہ اٹھ نہ سکی، کمال اپنی ماں کی میت میں بھی نہیں پہنچ سکا تھا، صرف اس کی Call آ گئی تھی جس میں اس نے اپنی نہ آنے کی مجبوریاں بتا دی تھیں اور جلال دین اس پر ایک بار پھر اعتبار کر بیٹھے، کچھ دنوں سے گل رخ کی طبیعت کچھ سست ہو رہی تھی، چاچا اسے شہر کے ہاسپٹل لے کر آ گئے جہاں اسے پتہ چلا کہ اللہ اسے ماں جیسے خوبصورت درجے پر فائز کرنے والا ہے چاچا تو یہ خبر سن کر نہال ہو گئے فوراً کمال کو فون پر خبر سنائی، کمال تو یہ خبر سن کر ہی خوشی سے بے قابو ہو گیا، نہ صرف وہ بلکہ خلاف توقع اس کی بیوی رباب نے بھی گل رخ سے پہلی بار بات کی اور اسے اپنا خیال رکھنے کی تاکید کی جس پر گل مطمئن ہو گئی ورنہ اسے رباب کی طرف سے اس خبر پر سخت ردعمل کا خدشہ تھا، پھر ایک دن کمال انہیں اطلاع دیئے بغیر آ گیا۔ گل رخ تو اسے سامنے دیکھ کر ہی خوشی سے کھل گئی، اس کی موجودگی اس کے لئے تقویت کا باعث بنی تھی، کمال نے اس کا بہت خیال رکھا، اس کا چہرہ کمال کی اتنی محبت اور ممتا کے جذبے سے ایک پر نور گلابی ہالے کی طرح جگمگا رہا تھا، اور آخر کار ایک روشن، چمکیلی صبح اس نے ایک بہت ہی خوبصورت گول مٹول سے بیٹے کو جنم دیا، چاچا کے ساتھ ساتھ کمال کی خوشی دیکھنے کے قابل تھی اس نے رباب کو بھی یہ خوش خبری سنائی اور پورے ہاسپٹل کے اسٹاف کو انعام سے نوازا، بے شمار صدقہ و خیرات بانٹے گئے، گل تو اس کی اتنی محبت پر ہی جانثار ہو گئی لیکن خوشیوں کے بس اتنے ہی دن تھے ایک بار پھر اس سے اس

کی محبت کا خراج وصول کیا گیا، اور بے خبری میں ہی اس کی گود اجاڑ دی گئی، اسے بہت کمزوری اور نقاہت تھی کمال نے اسے سوپ اور پھل کے ساتھ دوا دے کر سلا دیا تھا یہ کہہ کر کہ بچے کے پاس وہ ہے فکر نہ کرے، چاچا کو بھی آرام کرنے کے لئے بھیج دیا تھا، صبح جب وہ سو کر اٹھی، اپنے پاس کمال کو نہ پا کر وہ چونک گئی، اس نے نقاہت سے اٹھتے ہوئے کمال کو آواز دی ایک نرس فوراً اس کی آواز سن کر اندر آ گئی۔

''ارے میم! آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لیٹی رہیں صاحب ابھی آتے ہیں وہ بے بی کو لے کر ڈاکٹر کے پاس بے بی کی امپرومنٹ کے بارے میں بات کرنے گئے ہیں۔''

نرس نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔ اس کی بات سن کر گل مطمئن ہو گئی۔ نرس اس کا B.P چیک کر کے باہر جا چکی تھی، وہ لیٹنے ہی والی تھی کہ ایک دم اس کی نظر اپنے سائیڈ ٹیبل پر پڑے ہوئے ایک کاغذ پر پڑی اسے کسی انہونی کا احساس ہوا، جلدی سے اس نے اٹھا کر پڑھنا شروع کیا۔

''ڈیئر گل رخ! معذرت کے ساتھ کہ ایک بار پھر میں تمہاری محبت کی قدر نہ کر سکا۔ اصل میں مجھے تم سے کبھی کوئی دلچسپی تھی ہی نہیں رباب جیسی ماڈرن اور آئیڈیل بیوی کے ہوتے ہوئے جو مجھے تمام خوابوں کی تعبیر دے سکتی ہے، مجھے کسی اور طرف دیکھنے کی کوئی ضرورت نہیں، تم نے بالکل ٹھیک سمجھا تھا کہ تم تک مجھے ایک بار پھر میری غرض لے کر آئی ہے، رباب کو اللہ نے اولاد کی نعمت سے محروم رکھا تو اس کی خواہش پر اس کے منصوبے کے تحت میں نے تم سے شادی کی تا کہ مجھے وارث مل جائے تمہارا بہت، بہت شکریہ کہ تم نے ایک بار پھر میری مشکل آسان کی، اس کے بدلے میں نے شہر والا بنگلہ تمہارے نام کر دیا ہے اور تمہاری خواہش پر اپنا نام تمہارے نام کے ساتھ جڑا رہنے دیا، یعنی میں تمہیں طلاق نہیں دے رہا لیکن میری مجبوری ہے کہ میں اس سے زیادہ تمہیں کچھ نہیں دے سکتا۔

فقط

''ڈاکٹر کمال زیدی''

یہ خط کمال کی طرف سے اس کی محبتوں اور وفاؤں کا شاید آخری تحفہ تھا، جو اس کے لئے موت کے پروانے سے کم نہ تھا، اس کی چیخ و پکار سے ہاسپٹل کی در و دیوار ہل گئیں، اور وہ ہوش کی دنیا سے بیگانہ ہوتی چلی گئی، پھر چاچا نے ہی اس کو سہارا دیا، مگر کمال کی اس سنگدلی نے انہیں بھی اندر سے توڑ کر رکھ دیا اور ایک دن یہ سہارا بھی گل رخ سے چھن گیا، انہوں نے وصیت کی تھی کہ ان کے مرنے کے بعد کمال کو ان کا منہ نہ دکھایا جائے اور اس طرح کمال کو ان کی موت سے بے خبر رکھا گیا، ویسے بھی وہ اپنی دنیا میں مگن تھا، ایسے میں پھوپھی زینب نے اس کی بڑی دل جوئی کی اور اس کے دکھ اور کرب کے زخموں پر اپنی شفقت کا مرہم رکھا، اسے شہر اپنے بیٹے کے پاس بھیج دیا جو ایک فیکٹری میں ملازم تھا اور فیکٹری سے دیئے گئے کوارٹر میں اپنی بیوی کے ساتھ رہتا تھا، اس کی بیوی نے گل کا اپنی بہنوں کی طرح خیال رکھا، وقت کے ساتھ ساتھ وہ کچھ سنبھل گئی اور ان کی محبت کی چھاؤں میں ایم۔ اے انگلش کا امتحان پاس کر کے پبلک کمیشن کا امتحان دیا اور مقامی گرلز کالج میں لیکچرار کی پوسٹ پر فائز ہو گئی، دن میں تو وہ مصروف رہتی مگر رات اس کی جیسے کانٹوں پر بسر ہوتی اسے اپنے بیٹے کے رونے کی آواز سنائی دیتی جسے وہ دل بھر کر دیکھ بھی نہ سکی تھی اور وہ بے وفا، ظالم اور سنگدل انسان اسے زندگی دے کر پھر ایک بار موت کی دہلیز پر چھوڑ گیا تھا، پوری رات اس کی تکیہ بھگوتے گزرتی، ایسے میں بھائی دلاور کے گھر اللہ نے رومی کی صورت میں ایک ننھی پری بھیج دی، تو جیسے اس کی ویران زندگی میں بہار آ گئی وہ اپنی ماں سے زیادہ گل رخ سے مانوس ہونے لگی جب وہ اسے توتلی زبان میں آنی کہتی تو وہ اس پر جانثار ہو جاتی، اس کے کام کرنا، اس کے ساتھ کھیلنا اب گل رخ کی زندگی کا واحد مقصد تھا کالج سے آ کر سارا وقت وہ

اس کے ساتھ گزارتی جب اس نے اسکول جانا شروع کیا تو شام میں وہ ہی اسے روز ہوم ورک کرواتی اس کے اسکول کی معصوم باتیں شیئر کرتی دلاور اور اس کی بیوی بھی اس کی دیوانگی دیکھ کر ہنسنے لگتے۔ رومی اپنے والدین سے زیادہ گل رخ سے مانوس ہو گئی تھی زندگی اس طرح گزر رہی تھی کہ اچانک ایک دن رومی کے والدین جو اپنے کسی دوست سے ملنے گئے تھے مگر واپس چار کندھوں پر آئے۔ ان کا بری طرح ٹرک سے ایکسیڈنٹ ہوا تھا، دلاور اسی وقت موت کی آغوش میں چلا گیا، جبکہ بھابھی کنیز کی زندگی بھی خطرے میں تھی، انہیں کچھ دیر کے لئے ہوش آیا تھا، گل رخ اس کی بیٹی کو لے کر اس سے ملنے گئی اور اس کی حالت دیکھ کر زار و قطار رونے لگی، بھابھی کنیز نے اس سے اشارے میں رومی کا خیال رکھنے کی تاکید کی اور گل رخ کے وعدہ کرتے ہی اس دنیا سے ناتہ توڑ گئیں اب گل رخ کی زندگی بالکل تنہا ہو گئی تھی، انسانوں کے اس جنگل میں وہ کس کے پاس پناہ کے لئے جاتی؟ دلاور کو کمپنی کی طرف سے کوارٹر ملا ہوا تھا جو اسے خالی کرنا پڑ گیا، ایسے وقت میں اللہ نے اس کی ایک بار پھر مدد کی۔ اس کی ایک کولیگ کے ذریعے اسے ایک گھر میں (پے انگ) گیسٹ کے طور پر رہنے کا ٹھکانہ مل گیا، اس طرح اب رومی ہی اس کی زندگی کا واحد سہارا تھی، ہر سال وہ رومی کے ساتھ مل کر اپنے بیٹے کی سالگرہ مناتی، رومی جیسے جیسے بچپن سے نکل کر شعور کی دنیا میں آتی گئی اسے بھی اپنی آنی کے اس دکھ کا پتہ چل گیا وہ بھی بہت افسردہ تھی ان کے دکھ پر، اور ان کے بیٹے کے ملنے کی دعا کرتی تھی اسے پتہ تھا بظاہر اتنی مطمئن نظر آنے والی آنی اندر سے کتنی تنہا اور دکھی ہیں، جنہوں نے محبت میں ہمیشہ کھویا ہی ہے، پھر رومی کے میٹرک کرنے کے بعد ہی انہوں نے اپنا ایک اسکول کھول لیا اور کالج کی جاب چھوڑ دی اور اپنی Saving اور گاؤں میں موجود زمینوں سے ہونے والی آمدنی سے ایک چھوٹا سا اپارٹمنٹ لے کر اس میں شفٹ ہو گئیں۔ اب رومی میڈیکل کی اسٹوڈنٹ تھی جہاں اس کی ملاقات پروفیسر زیدی سے ہوئی، رومی کے منہ سے ڈاکٹر کمال زیدی کا نام سن کر گل رخ چونک گئی تھی۔

پھر ''رباب میڈیکل کالج'' کا نام سن کر اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ معلومات کرانے پر اس کا اندازہ صحیح نکلا، بظاہر دکھی انسانیت کے پیشے سے وابستہ انسان جو سینکڑوں اسٹوڈنٹ کے ہر دلعزیز اور خوش اخلاق پروفیسر تھے، دراصل اندر سے ان کا روپ کتنا بھیانک ہے، کاش کوئی گل رخ سے اس کی اصلیت جان سکتا۔ اور حارث بھی تو اپنے باپ کو آئیڈیالائز کرتا تھا۔ آج آنی کے منہ سے یہ کربناک حقیقت سن کر سکتے میں رہ گیا پھر اسی نے خاموشی توڑ دی۔''

''ماما......! آپ میری ماما ہیں آپ جیسی ماں کے ہوتے ہوئے بھی میں محرومی کی زندگی گزارتا رہا۔ پاپا یہ آپ نے اچھا نہیں کیا، ایک دن کے بچے کو اس کی سگی ماں سے جدا کر دیا، آپ نے تو سنگدلی کی حد کر دی بھلا کوئی سگا باپ بھی اپنے بیٹے کے ساتھ ایسا ظلم کر سکتا ہے؟'' میں آپ کو کبھی معاف نہیں کروں گا، کبھی نہیں میں رباب ماما کو اپنی ماں سمجھتا رہا، جب ہی ان کا سلوک میرے ساتھ واجبی سا تھا، شاید انہوں نے آپ کی خواہش پر میرا وجود قبول تو کر لیا تھا، مگر وہ مجھے ایک بیٹے کا مقام نہیں دے سکیں اور میں سوچتا تھا کہ میری ماما، میرے دوستوں کی ماما جیسی کیوں نہیں، پھر آنی سے میری ملاقات ہوئی میں رومی کے ساتھ ان کی محبت دیکھ کر رشک کرتا تھا، مجھے کیا معلوم تھا کہ یہی میری سگی ماں ہیں۔''

حارث نے روتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا تو سب کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں۔

''ماما! جب آپ کو پتہ چل گیا تھا کہ میں ہی آپ کا بیٹا ہوں، تو پھر آپ نے مجھے کیوں نہیں بتایا، مجھے مزید دو سال تک اپنی محبت سے محروم رکھا۔''

حارث نے آنی کی طرف مڑتے ہوئے ان سے سوال کیا۔

"وہ اس لئے بیٹا! کہ میں نہیں چاہتی تھی کہ تمہاری نظر میں جو تمہارے باپ کا اونچا اور خوبصورت مقام ہے، وہ خراب ہو میں نے کئی بار اپنی ممتا سے مجبور ہو کر تمہیں بتانا چاہا مگر تمہاری اپنے پاپا سے اتنی محبت اور عقیدت دیکھ کر ہمت نہیں ہوئی میں وہ بت پاش پاش کرنا نہیں چاہتی تھی، جو تم نے اپنے دل میں میری طرح اس شخص کے لئے بنا رکھا تھا۔ کم از کم مجھے نہ سہی پر میری اولاد، میرے لخت جگر کو تو اس شخص نے اپنی محبت اور شفقت سے نوازا، مجھے پتہ چل گیا تھا کہ تمہارے بچپن میں ہی رباب کا کینسر میں انتقال ہو گیا تھا، پھر تمہارے انٹر کرنے کے بعد دو سال پہلے تمہارے پاپا یہاں شفٹ ہو گئے پھر رومی کے اس کالج میں داخلہ لینے سے مجھے اس کے ذریعے تمہارا پتہ چلا، مجھ سے پوچھو تمہاری جدائی کے بعد کوئی ایک رات میں سکون سے سو نہیں سکی، اور جب تمہیں دیکھا، تو بھی صرف اس شخص کی وجہ سے اپنی ممتا کا گلا گھونٹنے پر مجبور ہو گئی، مگر آج اس خود غرض انسان کو اپنے سامنے دیکھ کر مزید ضبط نہیں کر سکی۔"

یہ کہہ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو دیں، کمال زیدی ان کی طرف مڑے۔

"گل رخ اور حارث میں تم دونوں کا گنہگار ہوں اور میں واقعی دنیا کا سب سے زیادہ خود غرض اور بے ضمیر انسان ہوں، جس نے ہمیشہ اپنی خوشی اور بھلائی کے لئے تم جیسی معصوم اور باوفا لڑکی کی محبت کو ڈھال بنایا، جس نے اپنے والدین کی محبتوں اور ریاضتوں کے بدلے صرف انہیں دھوکہ دیا اور جس نے حارث کو ماں کی محبت سے محروم رکھا، میں جانتا ہوں میں معافی کے قابل نہیں مگر پھر بھی مجھے معاف کر دینا، شاید اس طرح میرے بے چین دل کو قرار آ جائے، دیکھو آج میرے پاس دولت کا انبار ہے جس کی خاطر میں نے خونی رشتوں کی محبتوں کو ٹھکرا دیا، مگر بالکل تنہا ہوں آج تو میں اپنے بیٹے کی نظروں میں بھی اپنی خود غرضی کی وجہ سے گر گیا ہوں۔"

یہ کہہ کر وہ اپنا شکستہ وجود لے کر وہاں سے چلے گئے، پھر اس رات حارث نے آنی کے ساتھ اپنے ماضی کی یادوں اور باتوں کے ساتھ گزاری۔ رومی کے لئے بھی یہ سب بہت تکلیف دہ تھا۔ صبح ناشتے کی ٹیبل پر تینوں موجود تھے، مگر اپنی اپنی سوچ میں ڈوبے ہوئے، پھر گل رخ نے ہی بات شروع کی۔

"رومی! تم بہت خوش نصیب ہو میری بیٹی، جسے حارث جیسا محبت کرنے والا اور مخلص ساتھی ملا بے شک حارث کی پرورش اس کے باپ نے کی، مگر اس کی رگوں میں دوڑنے والا خون ایک باوفا اور محبت میں گندھی ماں کا ہے، مجھے پورا یقین ہے تم محبت کے سفر میں تنہا نہیں رہو گی، حارث تمہارے ساتھ ہر قدم پر ہو گا۔"

یہ کہہ کر انہوں نے دونوں کو اپنے ساتھ لگا لیا۔ ان دونوں کی آنکھیں بھی اپنی عظیم اور صابر ماں کی قربانیوں پر بھیگی ہوئی تھیں حارث نے ان کے ہاتھوں کو اپنے لبوں سے لگا کر ان کے مان اور بھروسے کا یقین دلایا کہ وہ ہمیشہ رومی کو خوش رکھے گا۔ اسی پل فون کی بیل نے اس اداس اور خاموش ماحول میں ہلچل مچا دی، رومی نے ہی فون ریسیو کیا۔ اور جو خبر اسے سننے کو ملی، اسے سن کر کریڈل اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گر گیا، آنی اور حارث جو اسی طرف متوجہ تھے فوراً دوڑ کر آئے۔

"کیا ہوا رومی؟ کس کا فون تھا؟ کچھ تو بولو؟"

"حارث نے اس کی بدحواسی پر گھبراتے ہوئے پوچھا۔"

وہ، وہ سر، میرا مطلب ہے حارث کے پاپا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے، وہ ہاسپٹل میں موت اور زندگی کی کشمکش میں ہیں۔ ان کے ملازم کا فون تھا کہ رات صاحب جب گھر آئے بہت پریشان تھے پوری رات جاگتے رہے اور صبح جب وہ چائے دینے ان کے کمرے میں گیا وہ اوندھے منہ گرے بے ہوش پڑے تھے، اسی نے پھر ایمبولینس بلا کر انہیں

ہاسپٹل شفٹ کیا ہ۔ وہ کہہ رہا تھا وہ نیم بے ہوشی میں بس ایک ہی بے ربط جملہ دہرا رہے تھے۔

"گل رخ مجھے معاف کر دو میں تمہارا مجرم ہوں دیکھو مجھے حارث سے جدا مت کرو جیسے میں نے تمہیں کر دیا تھا، پلیز مجھے معاف کر دو۔"

رومی نے رک، رک! ٹھہرے ہوئے لہجے میں ساری بات بتائی۔ آنی اپنی نظریں چرا گئیں۔ جبکہ حارث ان کے ہارٹ اٹیک کا سن کر ہی بدحواس ہو گیا۔

"ماما، پلیز میری ایک بات مان لیں، پلیز میں جانتا ہوں پاپا نے آپ کے ساتھ بہت برا سلوک کیا، آپ کی محبت کی توہین کی، آپ کا بیٹا آپ سے چھین لیا، مگر اب تو میں آپ کو مل گیا ہوں ناں پلیز میری خاطر انہیں ایک بار معاف کر دیں، یقین کریں پاپا کو میں نے اکثر رات، رات بھر بے چین دیکھا ہے، جیسے انہیں کوئی الجھن، کوئی پچھتاوا ہو، وہ بہت بے سکون رہتے تھے، میں سوچتا تھا کہ آخر ایسی کیا بات ہے؟ جو پاپا جیسے اتنے مکمل، آئیڈیل اور کامیاب انسان کو بے چین رکھتی ہے، اب سمجھ آئی کہ وہ آپ کو دیئے جانے والے دکھوں اور دھوکے کا پچھتاوا تھا، پلیز ماما ان کے لئے یہ سزا کافی ہے بے شک وہ ایک آئیڈیل بیٹے اور شوہر نہ بن سکے، مگر وہ میرے لئے ایک پر شفیق باپ ہیں میں ہی ان کی زندگی کا واحد سہارا ہوں، پلیز ہو سکے تو ان کو معاف کر دیجئے گا میں آپ پر کوئی دباؤ نہیں ڈال رہا نہ ہی آپ کو چھوڑ کر جاؤں گا، مگر میرا خواب اس وقت پورا ہو گا، جب آپ دونوں میرے ساتھ رہیں گے، میرے بچپن کا جاگتی آنکھوں دیکھا خواب کہ جہاں محبت کرنے والا پاپا اور لاڈ اٹھانے والی ماما ہوں، صرف آپ کی اعلیٰ ظرفی اور بڑائی سے پورا ہو سکتا ہے۔"

یہ کہہ کر حارث وہاں رکا نہیں بلکہ رومی کے ساتھ ہاسپٹل چلا گیا (بہر حال رومی کے لئے بھی وہ قابل احترام استاد تھے۔ بے شک آنی کی وجہ سے اسے بھی ان پر غصہ تھا)۔ اور وقت انہیں ایک بار پھر محبت کے امتحان میں ڈال گیا، فرق صرف اتنا تھا کہ اس بار محبت کی قربانی مانگنے والا ان کا اپنا بیٹا تھا جس کے لئے وہ 25 سال تڑپی تھیں، اور پھر فیصلہ ہو گیا ایک بار پھر ان کی انا ہار گئی اور محبت جیت گئی، کمال زیدی کی حالت اب خطرے سے باہر تھی حارث کے کہنے پر انہوں نے کمال زیدی کو معاف کر دیا مگر اب ان کے دل میں ان کے لئے کوئی احساسات اور جذبات نہیں تھے صرف حارث کی خاطر ایک سمجھوتہ تھا، ان کا دل تو محبت سے تب ہی آزاد ہو گیا تھا جب کمال ان سے ایک دن کے معصوم بیٹے کو ان سے چھین کر لے گیا تھا۔ اور اب انہیں ایک چھت تلے ساتھ ساتھ تو رہنا تھا مگر صرف دو اجنبی مسافر کی طرح، کمال کے لئے بھی یہ بہت تھا کہ ان کا بیٹا پھر انہیں مل گیا ہے اور گل رخ نے انہیں معاف کر دیا ہے، انہیں یقین تھا کہ وہ ایک دن گل رخ کے دل میں جمی نفرت کی برف کو پگھلا کر محبت کے پھول کھلا دیں گے، مگر شاید انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ عورت جس سے محبت کرتی ہے اس کے لئے اپنی جان بھی دے سکتی ہے، مگر جب بات اس کی ممتا پر آ جائے تو وہ نفرت کی ساری حدود پار کر لیتی ہے، وہ محبت کی خاطر ساری عداوت، اور بے وفائی تو بھول سکتی ہے، مگر ممتا کی خاطر قربانی نہیں دے سکتی اس کے دل کے اطراف نفرت کی ایسی فصیل کھڑی ہو جاتی ہے، جسے پھر کوئی نہیں گرا سکتا، اب ڈاکٹر کمال زیدی کو ساری عمر گل رخ کی اسی بے اعتنائی کے ساتھ گزارنا تھا ی، جو بھی ان کے دل میں اس کے لئے تھی، انہوں نے ایک معصوم لڑکی کے دل میں محبت کی زمین پر اپنی نفرت کا بیج بویا تھا اور اب تا عمر صرف پچھتاوے کی فصل کاٹنی تھی۔



شمائلہ دلعباد (عمان)

ناولٹ

شاہ پیا، تیری چاہ پیا



تانگے میں وہ فرسٹ ٹائم بیٹھ رہی تھی، ایک تو پہلے اتنا لمبا سفر، اوپر سے اب تانگہ بھی، سو وہ تھک کر پوچھنے لگی۔

''اماں! کب گھر آئے گا؟ انداز چھوٹے بچوں والا ہی تھا۔ انہوں نے بھی چھوٹے بچوں کی طرح اسے بہلانے والا جواب دیا کہ تھوڑی دور ہے۔ اکتا کر وہ ادھر ادھر بھاگتے راستوں کو دیکھنے لگی۔

یہ جنوبی پنجاب کا زرخیز ترین اور پسماندہ ترین علاقہ تھا۔ یہاں ضروریات زندگی کو بھی سہولیات زندگی کا درجہ حاصل تھا۔ حکومت چاہے کیسی بھی ہو اچھی یا بری، اس علاقے کی قسمت ایک ہی جیسی تھی، بس روزگار کم ہوتا جارہا تھا اور آبادی بڑھتی جارہی تھی۔ لوگ ابھی بھی پرانے پنجاب ہی میں زندہ تھے، گزرتے وقت نے اور کچھ دیا ہو یا نہ دیا ہو ٹیلی کام کمپنی نے موبائل فون یہاں کے مکینوں کو ضرور دیا تھا جس کا ثبوت تانگے والے نے فل والیم چائنہ فون پر سونگ چلائے ہوئے تھے۔

اب وہ غالباً اپنے گاؤں میں داخل ہورہے تھے، گلی میں ننگ دھڑنگ کھیلتے بچے اور جگہ جگہ پڑا گوبر اسے ماحول کے ''ان ہائی جینک'' ہونے پکا ثبوت دے رہا تھا۔

پر اس نے یہ سوچ کر خود کو مطمئن کیا، لاہور میں بھی کون سا تھوڑا گند ہے، تب تک اماں کرایہ دے کر فارغ ہوچکی تھیں، وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک اور گندی گلی کی طرف بڑھ گئیں، آخر کار ایک خاصے خستہ سے گھر میں داخلہ ممکن ہوا تو اسے یک گونہ سکون ملا پانی پی کر حواس بحال ہوئے تو ایک نحیف و بیمار منحنی سے آدمی پر نظر پڑی، اسے فطرتاً دکھ ہوا سال پہلے تک تو ابا ٹھیک ٹھاک تھے، مگر اب تو کوئی حال ہی نہیں ہے، سوچتے سوچتے اس کی آنکھیں نیند سے بند ہوچکی تھیں۔

......☆......

وہ تین بہنیں تھیں بڑی طاہرہ، منجھلی زہرہ اور سب سے چھوٹی وہ خود یعنی ماہرہ تھی۔ ابا کو بیٹا نہ ہونے کا غم کبھی نہ رہا تھا، اس کی کسر اماں نے نکال دی تھی وہ سدا سے اسی غم میں مبتلا کہ کاش بیٹا ہوتا تو آج یہ دن نہ دیکھنا پڑتے، جب اماں کے تیسری بھی بیٹی ہوئی تو اتفاق سے لاہور والے چچا چچی آئے ہوئے تھے۔ اب اسے اتنا پتہ نہیں تھا کہ وہ پیدا ابھی بیمار ہوئی تھی یا پیدا ہو کر بیمار ہوئی تھی، بہرحال اس کی اتنی مخدوش حالت دیکھ کر چچا چچی اسے اپنے ساتھ لاہور لے آئے۔ اماں کا بوجھ کم اور اسے نئی زندگی ملی، چچا لوگ بہت اچھے تھے وقت گزرتا گیا اور وہ تھرڈ ایئر ''سوشل ورک'' کی اسٹوڈنٹ ہوگئی تھی، پڑھائی اس لئے بھی ممکن ہو پائی کہ چچا اسی کالج میں پیون تھے۔ سو وہ بھی مزے کررہی تھی خوبصورتی میں بھی اللہ نے گزرتے وقت کے ساتھ اضافہ ہی کیا تھا۔ طاہرہ اور زہرہ کی شادی ہوئی تو وہ تب بھی گاؤں نہ گئی، اماں خود سال کے سال لاہور آتے تو وہ مل لیا کرتی، پر اب ابا سخت بیمار تھے۔ اماں سے مشقت اور ابا کی دیکھ بھال اکیلے نہ ہوتی تھی، چنانچہ ناچار وہ اسے گاؤں لے آئیں کہ دوسری بہنوں کی سسرال ان کو نہ آنے دیتی تھی۔

ادھر آکر وہ سخت بور تھی، سوائے سیل پر گانے سننے کے اور کوئی کام ہی نہ تھا، وہ سوچ رہی تھی کہ کالج کھلیں اور وہ واپس جائے۔

دن گزرنے کا نام ہی نہ لے رہے تھے، اس نے پھر سیل اٹھایا ہینڈ فری کانوں میں لگائی اور خود بھی سنگر کے ساتھ تان ملالی۔

ساڑھی کے فال سا کبھی میچ کیا رے
کبھی چھوڑ دیا دل کبھی کیچ کیا رے

اماں کے دھموکے اسے ہوش کی دنیا میں لائے۔

''ماہرہ! خدا کا خوف کر تیرا ابا پیاسا مرنے کو ہے، تجھے ایک آواز سنائی نہ دی''۔ وہ بلبلا کر بولی۔

''اماں میں میوزک سن رہی تھی۔ مجھے پتہ نہیں

چلا“۔

”اے ہے! کیا سن رہی تھی، میرے ساتھ لوری (لاہوری) گٹر پٹر نہ کر سیدھا بولا کر میری قسمت پھوٹ گئی، جو تجھے ادھر لے آئی نہ تو گھر میں کام کرتی ہے نہ ”شاہواں دی حویلی“ جاتی ہے“۔ اوپر سے پنڈ دی گلی گلی میں تیرے مبیل (موبائل) کی دھوم ہے کہ ”اللہ دتے“ کی کڑی نے پھون رکھا ہوا ہے۔ دس میں کدھر جاؤں“۔ اماں رونے کے درپے تھیں۔ ماہرہ کو جوش آ گیا۔

”پتہ نہیں تم لوگ کس زمانے میں زندہ ہو، تعلیم کا فقدان اور جہالت کوٹ کوٹ کر سب میں بھری ہوئی ہے۔ اتنا بڑا علاقہ اور ایک اسکول وہ بھی بس پرائمری تک، جس کا اتنا کنفرم نہیں کہ گرلز ہے یا بوائز تو جہالت ہی ہوگی ناں۔ موبائل فون کو رو رہے ہیں بیٹھے، اتنا نہیں پتہ کہ دنیا کہاں ہے اور کیا کیا نئے ایشوز اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ تعلیم کی سخت ضرورت ہے اس علاقے کو“۔

اس کے لہجے میں پکا پکا سوشل ورک بول رہا تھا ابھی جانے کیا کہنے والی تھی کہ نظر سامنے سائے پر اٹھ گئی، سائے کی حقیقت پر نظر ڈالی تو جیسے وہاں سے ہٹانا بھول گئی اتنا مکمل، بارعب مردانہ سراپا اس نے اپنی زندگی میں پہلی بار دیکھا تھا۔ سفید شلوار کرتے میں گندمی رنگت دھوپ کی تمازت سے دہک رہی تھی، جن نظروں سے وہ اس کو دیکھ رہا تھا، اسے لمحہ میں پتہ چل گیا کہ وہ اس کی سوشل ورک تقریر پوری کی پوری سن چکا ہے۔ ادھر وہ اڑے اڑے دماغ سے سوچ رہی تھی کہ ایسا شاندار بندہ اس ٹوٹے پھوٹے گھر میں کیونکر تشریف لایا۔ آخر ہے کون یہ شہزادہ؟

”چھوٹے شاہ جی! آپ دھوپ میں کیوں کھڑے ہیں اندر آ جائیں“۔ اماں کی آواز سن کر ماہرہ کے خیالات کی تان ٹوٹی۔ اماں یقیناً اس کی تقریر سے بے ہوش ہو جاتیں، اگر انہوں نے بروقت ”شاہ خاور حیات“ کو نہ دیکھ لیا ہوتا۔ اب اماں کو اس کی لیکچر بازی بھلے سمجھ نہ آئی ہو، لیکن سیدزادے خاور حیات کو اچھے سے سمجھ آ گئی تھی۔

وہ اماں کو کام کا بلاوا بتا کر لے کر چلتا بنا، پیچھے ماہرہ اس ”پرفیکٹ میل بیوٹی“ کو سوچتی ابا کی خدمت میں لگ گئی۔

......☆......

”میں تو اس لئے حیران بلکہ پریشان ہوں کہ ایسا ڈشنگ بندہ اس پنڈ میں کہاں کھجل ہو رہا ہے، بلکہ رل رہا ہے اسے تو لاہور، ارے نہیں یار ”ہالی ووڈ“ میں ہونا چاہئے“۔ ماہرہ اپنی کزن کو شاہ خاور حیات کے بارے میں چیٹنگ پر بریف کر رہی تھی۔

میسج ٹون کے ساتھ اسے حنا کا ”ہاہاہا“ ریسیو ہوا۔

”یہ اپنا فواد خان تو اس کے سامنے پانی بھرتا ہے“۔ اس نے حنا کو پھر Send کیا۔

”تو نے کب فواد خان کے ہاتھ میں پانی کا گھڑا دیکھ لیا، اور ہاں تو اب گاؤں میں ہے تو تجھے تو آج کل پانی کے گھڑے ہی گھڑے اور کنوئیں کی ٹمیاریں نظر آتی ہوں گی“۔ اسے حنا کا Reply پڑھ کر گاؤں کا طعنہ سن کر خاصا دکھ ہوا۔ تو بے دلی سے موبائل چارپائی پر گرا دیا۔

......☆......

”تیری عمر کی دو، دو بچوں کی مائیں ہیں ادھر، تجھے ابھی تک عقل نہ آئی تو گھر کیا بساؤ گی ارے مہنگائی نے تو غریب آدمی کی کمر توڑ ڈالی ہے، اوپر سے بیٹیاں بیاہنی کون سا آسان ہے افتخار بیچارے کی تو اپنی تین ہیں تو تجھ چوتھی کو وہ مفت میں اپنے سر پر کیسے بٹھا لے، خبردار جو لور (لاہور) جانے کا نام لیا تو“۔

ماہرہ کو نہیں پتہ تھا اماں سے واپسی کے مطالبے پر اسے ایسے سخت الفاظ سننے کو ملیں گے، تو جواباً وہ بھی بدتمیزی سے بولی۔

”بچپن سے چاچو نے ہی بوجھ اٹھایا ہے میرا، تو اب بھی وہی اٹھا لیں گے، آپ تو بس قافیے ملانے

کے لئے بیٹیاں پیدا کرتے رہے طاہرہ، زہرہ، ماہرہ...... ہوں ابھی تو ساحرہ باقی بچا تھا وہ بھی پیدا کر لیتے، پھر کسی پھپھو کو دے دیتے اور چاچا ہمارا تو تھا نہیں، کم از کم آپ سے تو اچھا ہی پالتے پوستے جیسے چاچو نے مجھے رکھا، اتنا پڑھایا اس پورے علاقے میں میرے جتنی لڑکی تو کیا کوئی لڑکا پڑھا لکھا نہیں ہوگا مجھے اس گند سے بھرے پنڈ میں نہیں رہنا، صبح ہی مجھے بھیجنے کا انتظام کریں وہی میرے ماں باپ ہیں جنہوں نے پالا ہے“۔ اس کی زبان کو بریک چوٹی کھینچے جانے پر لگا تھا پھر طاہرہ کے یکے بعد دیگرے پڑتے تھپڑوں نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اس نے سر گھٹنوں میں دے لیا تو تھک کر طاہرہ نے اس کا سر اٹھایا اور بولی۔

”جن کا تو دم بھر رہی ہے، انہوں نے تیرے ایک ایک نوالے کی قیمت وصول کی ہے، ابا اپنی دوا نہ لیتے تھے تیری پڑھائی کا خرچہ پورا کرتے تھے، جبھی تو ان کے پھیپھڑے ختم ہو گئے، تین ماہ سے تیرا خرچہ نہ بھیج سکنے پر سو بار چاچی کا فون آ چکا تھا کہ تجھے گاؤں واپس بلا لیں۔ ان کے بچے بڑے ہو گئے ہیں گھر میں جگہ نہیں اور تو ان منافقوں کو اپنے ماں باپ پر ترجیح دے رہی ہے، یہ تیری تعلیم ہے تو ہم جاہل بھلے، ابھی تو ابا تیرا ای۔ اے مکمل کرانا چاہتے ہیں تا کہ تو اس سے بھی زیادہ گر جائے اور ان کو پیدا کرنے پر طعنے دے“۔

ماہرہ نے بے اختیار ابا کو دیکھا تو پانی ان کی آنکھوں سے گر رہا تھا، شاید وہ بے آواز رو رہے تھے، اس نے اپنی نگاہیں پھیر کر اب اماں کو دیکھا تو وہ اپنا سینہ دبا رہیں تھیں، طاہرہ ان کو پانی پلانے کی کوشش کر رہی تھی۔

وہ چپ چاپ جوتے اتار کر چارپائی پر بیٹھ گئی تو اسے اپنی پشت پر طاہرہ کی تلخ زبان میں ایک اور انکشاف سننے کو ملا۔

”ابا نے اپنی بیماری کی وجہ سے اس سال چاچو کو منوں کے حساب سے گندم بھی نہیں بھیجی، جو صرف تو کھاتی تھی اس لئے تجھے انہوں نے واپس بھیج دیا“۔ اب وہ رو رہی تھی۔

”حقیقت مختلف کتنی ہے افسانوں سے“۔

وہ کیسی نادان تھی اسے یاد آیا اماں ابا ڈھیروں ڈھیر چیزیں تو سوغات کے نام پر ہی دے آتے تھے جو ماہرہ کی لسٹ سے ایکسٹرا تھیں۔

ایک عمر اس نے بے خبری میں گزار دی اپنے والدین سے بدگمانی میں وہ کتنا آگے نکل گئی تھی۔ جن کو اف تک نہ کہنے کا حکم تھا وہ کیا کیا نہ کہہ گئی۔ اب طاہرہ ابا کے پاس تھی اس کے بچے اس تماشے کے بیچ جانے کب سو گئے تھے، اسے وہ بہت عظیم بہت بلند لگی، اسے لگا۔

”طاہرہ جیسے لوگ ہی رب کے نزدیک انعام یافتہ ہیں جو والدین کے گستاخ نہیں“۔ اب وہ بے آواز رو رہی تھی جانے کون سے غم کے ادوار جو کھل رہے تھے۔

”کاش طاہرہ! تو نے مجھے بے خبر ہی رہنے دیا ہوتا میرے پیارے ابا اماں کی طرح، تو میرے دل میں چاچو کی محبت تو رہتی۔ اماں مجھے جس طرح بہلا کر لائی تھیں کاش وہی حقیقت ہوتا“۔ اس کا تکیہ بھیگتا رہا۔

......☆......

صبح آنکھ طاہرہ کے بچوں کی لڑائی سے کھلی تو اس نے دیکھا طاہرہ تیار کھڑی تھی۔

”تارا تو آج نہ جانی گیارہویں شریف ہے حویلی میں کام بہت ہے، مجھ سے اب ہوتا نہیں تو چل تو کر دیتی، گھر کے لئے چار آنے آ جاتے، تیری ہی کوئی چیز بن جاتی، جو لے کر جاتی میکے سے خالی ہاتھ کیسے بھیج دوں تجھے“۔

”اماں جو مرضی کر لو انہوں نے (سسرال) نے کون سا خوش ہونا ہے، اس لئے تو فکر نہ کر بس وڈے شاہ جی سے بات کرنا ابے کی دوائی کی میں چلتی ہوں گڈو کے اسکول کی استانی مارتی ہے چھٹی پر“۔

ماہرہ نے چپل گھسیٹی اور ابا کو اٹھ کر بیٹھنے میں مدد دینے لگی، طاہرہ قدرے حیران ہو کر اس کو دیکھ رہی تھی، تو وہ آنکھیں جھکا کر بولی۔

"باجی! آپ آج رک جاؤ ناں پلیز! تیرے گڈو کو میں پڑھا دوں گی تو بس گھر میں ابا کے پاس رہنا میں حویلی اماں کے ساتھ جاؤں گی کام کے لئے، بس تو آج رک جا"۔ وہ اماں کے گلے میں بازو ڈال کر بولی۔

"ٹھیک ہے ناں اماں!"۔

وہ بازو ہٹا کر اسے اپنے سامنے لے کر بولیں۔

"نہیں کوئی ٹھیک نہیں تم میری پڑھی لکھی دھی ہو، تو شاہوں کی مہمان بننا بس، خبردار جو کام کا نام لیا، شام کو ختم کے وقت تو تیار رہنا تجھے لینے آؤں گی سب سے مل بھی لینا اور نیاز بھی کھا لینا سمجھی۔" ان کے لہجے میں شفقت و محبت کا ایک سمندر موجزن تھا۔

وہ بھی ماہرہ تھی، جو سوچ لیتی وہ کر کے دم لیتی تھی اور اب تو پھر بات ضرورت کی بھی تھی سو وہ رات سے ہی اماں ابا کا سہارا بننے کا ٹھان چکی تھی، گاؤں میں نوکری تو تھی نہیں بس یہی تھا کہ حویلی میں اماں کے ساتھ وہ بھی جائے، چنانچہ اس نے اماں والی "جاب" جوائن کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ "جاب جوائن" کی اصطلاح پر وہ خود ہی مسکرا دی، تو اماں جانے کیا سمجھیں پھر سے زور دے کر بولیں۔

"مارا (ماہرہ) اب ختم کے وخت (وقت) تیار رہنا میں آؤں گی تجھے لینے کے واسطے"۔

وہ خاموشی سے اندر سے اپنا موبائل اور چادر اٹھا کے اماں کے پیچھے چلدی تو طاہرہ نے بھی اپنی ٹولی (بچے) کو اکھٹا کر کے جانے کی ٹھان لی۔

اس پسماندہ ترین علاقے میں ایسی شاندار حویلی دیکھ کر وہ کنفیوژ سی ہو گئی، حویلی کے طرز تعمیر سے لے کر گیٹ تک کے رنگوں کا انتخاب بہت انوکھا اور پر شکوہ تھا۔ اماں نے جیسے ہی گیٹ کی چھوٹی کھڑکی کھولی، تو اس نے بچوں کی طرح ان کا بازو پکڑ لیا، انداز ایسا ہی تھا جیسے کوئی بچہ بھیڑ میں گم جانے کے خدشے میں مبتلا ہو۔

اماں نے قدرے ناراض نظروں سے اسے دیکھ کر بازو چھڑایا، پھر کچھ سوچ کر اس کا دایاں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر آگے بڑھ گئیں۔

اندر داخل ہو کر اس کی پہلی نظر لان میں کھلے رنگ برنگے پھولوں پر پڑی تو مکینوں کی خوش ذوقی کا احساس ہوا۔

"کل تک تو میں بھی ایک تتلی تھی، جسے کلی کلی منڈلانے اور شوخیاں دکھانے کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا، آج سے میں ایک پڑھی لکھی نوکرانی ہوں"۔ حلق بھی کڑوا ہو گیا سوچ کی تلخی بھی کیا چیز ہے وہ سوچ کر اماں کے ساتھ تیز قدم ملا کر اندرونی عمارت کی طرف بڑھی، تو دالان سے اونچے لمبے ستونوں کے پاس سے گزرتے اسے اپنا آپ اپنی حیثیت کی طرح بہت چھوٹا لگا۔

......☆......

حویلی میں اسے بہت عزت دی گئی تو صبح کا غم کچھ کم ہوا، سیدہ نائیلہ، ساجدہ اور کشمالہ اسے بالکل اپنی کالج کی فرینڈز کی طرح لگیں، جبکہ غزالہ بھابھی کچھ نخرے والی اور سب سے اہم حیثیت "ماں جی" کی تھی، حویلی کیا اس سارے علاقے میں ان کو ماں جی کہا جاتا تھا۔ ماں جی نے اس کو پاس بٹھا کر ماتھا چوما اچھے نصیب کی دعا دی، تو اماں بولیں۔

"ماں جی"، میری پڑھی لکھی دھی اب حویلی کے حوالے "اس کو نوکری دلوا دیں"۔

ماہرہ بہت شرمسار ہوئی اماں انڈر گریجویشن کو بھی بہت پڑھا لکھا سمجھتی تھیں، حیرت تو اسے جب ہوئی جب "ماں جی" نے بھی اسے اتنا پڑھنے پر شاباش دی اور کہا "زم زم" اور "حمزہ" کو اب تم نے ہی پڑھانا ہے۔ اس کا تمہیں پورا پورا معاوضہ دیا جائے گا"۔

ماہرہ اب دل میں رب کا شکر کر رہی تھی کہ ابا کی دوائیں اور گھر چلنے کا تو بندوبست ہوا، آگے جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

"اماں کی کام میں ہیلپ کر دوں گی تاکہ طاہرہ باجی اور زہرہ باجی کو چیزیں گفٹ کی جا سکیں"۔ اس نے بیٹھے بیٹھے ساری فیوچر پلاننگ کر لی تو اماں کا خیال آیا، تبھی اس نے دیکھا اماں کچن میں مصروف ہیں تو وہیں آ گئی۔

"اماں! آپ چھوڑیں میں بناتی ہوئی گوشت"۔

"ارے نہیں، نہیں میں پکا لوں گی، اب تو یہ کہاں کرے گی"۔ وہ شاید اس لئے گریز کر رہی تھیں کہ ماہرہ سالن خراب نہ کر دے اور آج تو بڑے شاہ جی کے مہمان بھی بہت آئے ہوئے تھے۔ لیکن اس کے اطمینان دلانے پر انہوں نے چولہا اسے دے دیا۔

اماں اس کو اتنا تیز ہاتھ چلاتا دیکھ کر حیران اور خوش تھیں کہ ان کی بیٹی پڑھی لکھی تو ہے سلیقے والی بھی ہے۔

ہر چیز تیار کر کے وہ ہاتھ دھو رہی تھی، جب سیل پر میسج بیپ ہوئی اسے کھولا تو حنا کا ایس ایم ایس تھا۔ اس کے دل میں ٹیس اٹھی، ایسے لگا جیسے رات کے پرانے درد پھر انگڑائی لے رہے ہوں، اس نے سر جھٹک کر اپنے آپ کو ریلیکس کیا۔

"یہ زندگی ہے اس میں کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے، انسان کو حقیقت پسند ہو کر اس سب کا سامنا کرنا چاہئے، یہی بہادروں کا شیوہ ہے"۔ جانے اس نے کس جگہ پڑھا تھا پر اب اس پر عمل کرنے کی ٹھان لی تھی، سو سب بھول کر اس نے اپنی نظریں موبائل اسکرین پر لگا دیں۔

"اوئے تیرا وہ ہالی ووڈ ہیرو کیسا ہے، تو نے پھر اس کے بارے میں بات بھی نہیں کی"۔ Reply کرنے کی بجائے اس کے ذہن میں پھر سے شاہ خاور حیات آ گیا تو ماہرہ نے سوچا آج اماں سے پوچھوں گی وہ کون تھا اور ہمارے غریب خانے پر کیونکر تشریف لایا تھا۔

جبھی "ماں جی" نے حکم دیا سب چیزیں اور کھانا باہر لان میں بھیج دیا جائے اور کوئی لڑکی بالی ادھر کا رخ نہ کرے، وہاں مرد ہوں گے ہر ماہ کی گیارہویں تاریخ کو حویلی میں ایسے ہی ختم کا اہتمام ہوتا تھا، اسے یہ معلومات بھی "زم زم" پہنچا رہی تھی۔ وہ چھوٹی سی گڑیا جسے ماں توجہ نہیں دیتی ہر دوجے دن روٹھ کر میکے جا بیٹھتی ہے۔ اس لئے سمجھو اس کا باپ ہی اس کی ماں ہے۔ ماں جی باتیں کر رہی تھیں جب بڑے شاہ جی اندر آ گئے سب کی دیکھا دیکھی اس نے بھی دوپٹہ سر پر ٹھیک کر لیا۔

"کھانا کس نے بنایا ہے؟" شاہ جی کی آواز بہت بارعب اور گونج دار تھی، وہ متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکی۔

"سید صاحب شبیر نائی لایا تھا اسی نے پچھلی گیارہویں پر بنایا تھا تو اب بھی......" ماں جی کی آواز بہت سہمی سہمی سی تھی۔

"میں نیاز کی نہیں کھانے کی بات کر رہا ہوں"۔ وہ جواباً نرمی سے بولے تو ماہرہ نے خوش ہو کر فوراً جواب دیا۔

"میں نے بنایا تھا"۔ وہ اس کے قریب آئے سر پر ہاتھ رکھا اور بولے۔

"جیتی رہو سب نے بہت تعریف کی یہ رہا آپ کا انعام۔" ہزار کا نوٹ اس کے ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا اماں کا سانس اب بحال ہو رہا تھا۔

"بابا جانی! آپ بھی آنٹی کو انعام دیں ناں"۔ وہ زم زم کی آواز پر پلٹی تو شاہ خاور حیات کی گود میں زم زم چڑھی ہوئی تھی، اس کے اندر چھنا سے کچھ ٹوٹا۔

......☆......

اب مردوں کے کون سا ماتھے پر لکھا ہوتا ہے کہ وہ شادی شدہ ہیں، ویسے بھی اس دن اماں نے چھوٹے شاہ جی کہہ کر ان کو بلایا تھا میں نے غور نہیں کیا تھا جبھی تو آج حیران ہوں۔

"کاش ان کی شادی نہ ہوئی ہوتی"۔

"ماہرہ بیگم! تم کیوں ایسے سوچ رہی ہو، کہاں وہ، کہاں ہم؟" "اوقات تو دیکھ لو اپنی بی بی"۔

"اس میں اوقات کی کیا بات ہے میں اتنی تو پیاری

ہوں کوئی بھی مجھ سے شادی پر خوش ہی ہوگا۔

''اونہہ...... خوش؟ نوکرانی پلس ٹیوٹر اور خواب دیکھو اپنے حویلی کی مالکن بننے کے، حیثیت ہی بھول گئی ہو ماہرہ آخر ہو کیا گیا ہے''۔

رات پوری طرح بھیگی ہوئی تھی، چاند، تاروں نے اپنا فسوں چاروں اور پھیلایا ہوا تھا، وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے، آخر دل کو چین کیوں نہیں''۔

وہ کب سے دل سے باتیں کر رہی تھی اور دل اس سے، دماغ تھا کہ آئینہ دکھانے سے باز ہی نہ آ رہا تھا، کبھی حیثیت کا بتاتا تو کبھی اوقات یاد دلاتا۔

دل و دماغ کی اس جنگ سے مشتعل ہو کر اس نے اماں کو آواز دے ڈالی۔

''غزالہ جی تو بہت امیر ہوں گے ہیں ناں اماں؟''

''ہیں ہیں...... تیری مت ماری گئی ہے، آدھی رات غزالہ بی بی کی امیری کا پوچھنے کے لئے جاگ رہی ہے، سوئی کیوں نہیں؟'' وہ جواباً خاموش بیٹھی ادھورے چاند کو گھورتی رہی۔

''یہ بھی میری طرح آج ادھورا سا کیوں لگ رہا ہے؟ لیکن کچھ دن بعد یہ تو اپنے آپ سے مل جائے گا، مکمل ہو جائے گا پر ہم تو امیر نہیں ہو سکتے، ہماری حویلی تو نہیں بن سکتی ناں''۔ سوچ زبان سے ٹکرائی تو لب وا ہو گئے۔

''کاش ہم بھی حویلی والوں کی طرح امیر ہوتے، اماں ہم کیوں ایسے ہیں؟'' اماں شاید صورت حال کی نزاکت کو اب بھانپ گئیں تو فوراً اس کی چارپائی پر آ کر اس کو گلے لگا لیا۔

''تو تو میری سیانی اور سوہنی دھی ہے، کل سے تو کبھی بھی حویلی نہ جائے گی، ہمیں کیا لینا حویلی سے روٹی پانی چلتا رہے، سوہنے رب کا شکر ہے۔ تو خود کو کامی (نوکرانی) نہ سمجھ، پتر گل اتنی ہے جس کا رزق جیسے اس رب سوہنے نے لکھا ہے، اس کو ویسے ہی ملنا ہے، کسی نہ کسی نے وسیلہ تو بننا ہوتا ہے، تو ہمارا وسیلہ حویلی ہے بس اتنی سی گل ہے''۔ اماں نے بڑی پتے کی بات اس کو آسان الفاظ میں سمجھا کر، اس کو احساس کمتری سے نکالنے کی کوشش کی۔ وہ اپنی طرف سے یہ سمجھیں کہ ماہرہ نوکرانی بننے پر پریشان ہے۔ پر بات دراصل ہے کیا؟ اس سے وہ خود بھی انجان تھی، سو رخ واپس غزالہ کی طرف موڑ دیا۔

''اماں! بتائیں ناں غزالہ کتنی امیر ہے؟'' ماہرہ کے پھر سوال پر اماں جواب کے لئے تیار ہو ہی گئیں۔

''ساتھ والے پنڈ میں غزالہ کا میکہ ہے ان کی حویلی اس حویلی سے کہیں زیادہ وڈی ہے''۔ وہ اس کو سوچ سوچ کر شروع سے قصہ سنا رہی تھیں۔

......☆......

''سیدہ خضر حیات شاہ اور سید عمر حیات شاہ دو بھائی تھے۔ خضر حیات شاہ نے ''شاہ پور'' بسا لیا، جبکہ سید عمر حیات نے ''سید پور'' میں ڈیرہ داری قائم کر لی۔

سید خاندان کے لاتعداد ''مریدین'' تھے اور اسی حساب سے زمینیں بھی، چنانچہ ''پیری مریدی'' کے ساتھ ساتھ سیاست بھی چلنے لگی، مگر سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا یہ لوگ شادی خاندان میں ہی کرتے تھے اور قدرتی طور پر لڑکیوں کی تعداد لڑکوں کی نسبت زیادہ تھی۔ اگرچہ زیادہ لوگوں کی شادی ہو جاتی تھی، مگر پھر بھی بہت سی لڑکیاں شادی کے انتظار میں بوڑھی ہو کر ''آپا بی'' یا ''نیک بی بی'' کہلانے لگتی تھیں۔ انہی میں سے ایک سیدہ غزالہ تھی، مگر ان کے بھائی نے زبردستی ان کی شادی ان سے سترہ سال چھوٹے سید خاور حیات سے کرا دی، نہ غزالہ رضا مند تھی نہ خاور شاہ۔ مگر منور شاہ نے دھمکی دی کہ میں خاور شاہ کی بڑی بہن یعنی راشدہ کو طلاق دے دوں گا، اگر خاور نے میری بہن سے شادی نہ کی۔

عمر حیات نے بیٹے کو سمجھا کر شادی کے لئے رضا مند کر کے بیٹی کا گھر بچا لیا، مگر شادی کے بعد بڑے بھائی کے گھر جانا چھوڑ دیا۔ یہی حال خاور کا تھا، اس نے غزالہ کو اجازت دی مگر خود اس بلیک میلنگ کی وجہ سے تایا کی حویلی ہمیشہ کے لئے چھوڑ دی۔

غزالہ اور خاور کبھی بھی نارمل زندگی نہ گزار پائے کم از کم اب تک تو ان کی لائف اپ سیٹ ہی تھی، ان کے بیڈ روم تک علیحدہ تھے۔ ''زم زم'' اور ''حمزہ'' بھی ان کے لئے شادی کے شروع کے دنوں کی یادگار کی حیثیت رکھتے تھے، جب چند دن وہ ایک بیڈ روم میں رہے تھے۔ اسی لئے غزالہ ان بچوں سے دور بھاگتی تھی، مگر خاور سمیت پوری حویلی کی ان جڑواں بچوں میں جان تھی''۔

سب کچھ بتا کر اماں نے گہری سانس لی تو ماہرہ کا انہماک ٹوٹا۔

''اماں! چھوٹے شاہ جی اور غزالہ جی کا کوئی جوڑ بھی نہیں بنتا، پتہ نہیں کیوں کیا انہوں نے اس طرح کا رشتہ؟''

''لو بھلا...... کیوں کیا؟'' ارے بھئی سادات تھے، خون ایک تھا اور ہم پلہ تھے تو کر لیا، جوڑ کون دیکھتا ہے آج کے زمانے میں۔ چل بس کر سو جا، اب۔ رات دیکھ کتنی گزر گئی ہے''۔ اماں کے خراٹے گونجنے لگے مگر وہ سوچ رہی تھی۔

''میں نے غزالہ بھابھی کو غزالہ جی کیوں کہنا شروع کر دیا''۔

......☆......

صبح بالکل ویسی تھی جیسی گاؤں کی ہوتیں تھیں، مگر وہ جانے کیوں حویلی جانے کے خیال سے سرشار تھی۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے رگوں میں سرور اتر رہا ہو، جلدی جلدی سب سمیٹ کر حویلی پہنچی تو اسے وہ نظر نہ آئے، تب پتہ چلا کہ سب کچھ چھوڑ کر حویلی کیوں آنا چاہ رہی تھی۔ حمزہ اور زم زم کو بھی بے دلی سے پڑھانا شروع کیا، مگر جلد ہی اکتا کر باقی شام کو پڑھانے کا کہہ کر گھر چلی آئی۔ ابا کو نہانے کا پانی رکھ کر دیا، کپڑے استری کئے اور موبائل چارج پر لگایا۔

ابا کے کمزور سے وجود کو وہ نام نہاد کچے پکے غسل خانے سے تھام کر باہر لائی تو وہ رو پڑے۔

''ابا، آپ کیوں روتے ہیں، میں ہوں ناں سب ٹھیک ہو جائے گا''۔

''تجھے حویلی کام کرنا پسند نہیں ہے، مجھے پتہ ہے پر اپنے غریب باپ کو معاف کر دے پتر! میں کچھ نہیں کر سکتا''۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے۔

ماہرہ اپنے آنسو صاف کر کے زبردستی مسکرا کر بولی۔

''سب باتیں چھوڑیں میرے پیارے ابا جی! میں بس آپ کا سہارا بن جاؤں، آپ یہ دعا دیا کریں مجھے، اور مجھے آپ سے کچھ نہیں چاہئے، سب آپ کا ہی دیا ہے۔ آپ بس یہ استری شدہ کپڑے پہننے کے بعد خود کو آئینے میں دیکھیں، مجھے پتہ ہے آپ نے بیماری کے بعد سے خود کو کبھی آئینے میں نہیں دیکھا''۔

وہ ان کو کپڑے پہننے میں مدد دے کر زبردستی آئینے کے سامنے لائی تو ابا جی شرمانے لگے، ماہرہ بے اختیار ان سے لپٹ گئی، پھر ان کے سفید داڑھی والے چہرے کو چوم کر بولی۔

''آپ سب سے پیارے، سوہنے اور گریٹ ابا ہیں''۔ عرصے بعد صاف ستھرا، استری شدہ کپڑوں میں وہ واقعی اچھے لگ رہے تھے۔

......☆......

دن بڑے بے کیف سے تھے، موسم اگرچہ بدل گیا تھا۔ فضا میں شام کو ہلکی ہلکی خنکی ہونے لگی تھی، جو بہت بھلی لگتی تھی، مگر اسے اپنی کیفیت کی کچھ سمجھ نہ پڑ رہی تھی۔ دل تھا کہ بے قراری سے مرا جاتا تھا، وہ سوچتی شاید اتنے اچھے نمبر لینے کے بعد فورتھ ایئر میں کالج نہ جوائن کرنے کا غم ہے، جو اسے بے چین رکھتا ہے کالج، فرینڈ اور لاہور سینے میں برچھی کی طرح گڑے رہتے تھے۔ ''میرے اللہ میں سب بھول کیوں نہیں جاتی''۔

یاد ماضی عذاب ہے یارب

چھین لے مجھ سے حافظہ میرا

”ہائے ربا میں مر گئی“۔ اماں کو زور لگا کر اٹھتے دیکھ کر اس نے ان کو اٹھنے میں مدد دی۔

”ابھی تو ٹھنڈ آئی نہیں میرے گوڈے پہلے ہی جواب دے رہے ہیں، حویلی میں اس موسم میں بہت کام ہوتا ہے ”ماں جی“ میری راہ دیکھ رہی ہوں گی، میں نمانی گوڈوں کو رو رہی ہوں“۔ وہ اپنی پریشانی ماہرہ کو بتا رہی تھیں تو وہ بولی۔

”اب آپ نہ بیمار پڑ جانا اللہ اللہ کر کے تو ابا ٹھیک ہونے لگے ہیں“۔

”تو میری بڑی سیانی دھی ہے تو نے ان کو جب سے باہر ڈیرے پر بھیجنا شروع کیا، وہ تب سے ٹھیک ہونے لگے ہیں“۔

”اماں! ڈاکٹر سے زیادہ ان کو کمپنی کی ضرورت تھی، گھر بیٹھ بیٹھ کر وہ اور بیمار ہو رہے تھے، اب چار لوگوں میں بیٹھ کر ان کی سنتے ہیں کچھ اپنی سناتے ہیں تو بہتر ہو رہے ہیں، ہمیں ان کی دوائی ختم نہیں ہونے دینی ورنہ اماں پھر سے وہی حالت ہو جائے گی“۔

”نہ نہ اللہ رحم کرے کڑیئے! ایسے نہ بول، اللہ سوہنا وڈے شاہ جی کو بہت بہت سکھ دے، جنہوں نے تیرے ابو کے دوا دارو کا بندوبست کیا اور کام بھی دے دیا وہ بڑے نیک اور چنگے بندے ہیں“۔

چنگے تو واقعی ہیں جنہوں نے ڈیرے کے جانوروں کی دیکھ بھال کرنے والے لڑکوں کا ہیڈ بنا دیا تھا، اس کے ابا کو تا کہ ان کی عزت نفس متاثر نہ ہو۔

بھلا بوڑھا اور بیمار آدمی کر بھی کیا سکتا تھا، مگر آفرین بڑے شاہ جی پر جن کے فیصلے اور نظر بڑی گہری تھی۔ اسے ان کے الفاظ آج بھی یاد تھے۔

”اللہ دتے! میرا خیال ہے اب تو آرام سے چل پھر سکتا ہے، اس لئے تو کل سے ڈیرے جا کر بیٹھا کر، یار سارے جوان منڈے ہیں ڈور ڈنگر قیمتی ہیں اپنے کھیل میں لگ کر ان کی سیوا بھول جاتے ہیں، تو نے ان کو کہہ سن کر ہر کام ویلے پر کرانا ہے، اپنی نگرانی میں تا کہ میں کل اپنے رب کے حضور سچا ہو سکوں جانوروں کے بارے میں بھی پوچھ گچھ ہو گی، اور کسی جانور نے شکایت کر دی تو...... اللہ دتے رب سوہنے سے اور اس کے انصاف سے ڈرنا چاہئے، ہر جاندار رب کی مخلوق ہے، سب کے حقوق و فرائض ہیں۔ یہ لے ایک مہینے کی تنخواہ پیشگی اور اپنی دوا دارو کر لے پھر نوکری پر جایا کر۔“

اس دن سے لے کر آج تک تین ماہ ہونے کو آ رہے تھے، ابا بھی ٹھیک ہو رہے تھے خرچہ بھی ٹھیک چل رہا تھا، اب اماں نہ بیمار پڑ جائیں اسی ڈر سے اس نے حویلی کے اماں والے سب کام بھی سنبھال لئے۔

☆......☆

وہ شدومد سے زم زم کو فروٹ نیم سکھا رہی تھی، مگر زم زم کو سوائے ایپل کے اور کچھ انگلش میں یاد نہ ہوا تھا۔

”ٹافیوں کے تو سب کے یاد ہو جاتے ہیں فروٹ کے کیوں نہیں ہو رہے بھئی“۔ شاہ خاور حیات جانے کب سے سن رہے تھے، اب وہ زم زم کے سر پر چپت لگا رہے تھے۔

”اسکول میں ایسے لاڈ اٹھانے والے ٹیچر نہیں ہیں وہاں مار بھی لگتی ہے ان سے سب یاد کر لو“۔ وہ اس پر نظر ڈالتے ہوئے اٹھ کر اپنے روم میں چلے گئے تو اس نے بھی بچوں کی بکس کلوز کروا دیں۔

”ایسا ایجوکیٹڈ اور ڈیشنگ بندہ مل جائے تو انسان پیر دھو دھو کر ہی پیتا رہے، مگر غزالہ صاحبہ دیکھو کتنے دن سے روٹھ کر بیٹھی ہوئی ہیں، اب تک نہیں آئیں۔ مگر یہ بھی تو کتنے اکڑو ہیں، ہو سکتا ہے یہ ان کو اہمیت نہ دیتے ہوں جیسے مجھے نہیں دیکھتے“۔

”تجھے کیوں دیکھیں گے تو لگتی کیا ہے ان کی؟“ اندر سے فوراً آواز آئی۔

”بات لگنے کی نہیں ہے، بات یہ ہے کہ آج تک جو مجھے اچانک بھی دیکھ لے، وہ دوسری نظر ڈالے بغیر نہیں رہ پاتا، خواہ وہ عورت ہو یا مرد مگر یہ شاہ خاور تو پتہ نہیں کیا

ہے، اس پر میرا حسن کیوں اثر نہیں کرتا، اسکول سے لے کر کالج تک یہی سنا کہ ماہرہ تو شہزادی ہے، ایسا حسین و دلکش سراپا اور چاند سے زیادہ روشن چہرہ سوائے ماہرہ کے اور کسی کا نہیں ہو سکتا یہ سب کچھ سید خاور حیات کو نظر کیوں نہیں آتا“۔

اسے اتنے ماہ بعد آج سمجھ آ رہی تھی کہ وہ چاہتی کیا ہے؟ بالآخر بلی تھیلے سے باہر آ گئی تھی، مسئلہ یہ تھا اسے خاور شاہ کی نظر سے بھی ستائش چاہئے تھی، جبکہ وہ اسے ڈھنگ سے دیکھنا تک گوارا نہ کرتے تھے۔ دل نے دماغ کی دلیل ٹھکرا کر پوچھا۔

”اچھا اگر وہ تیری تعریف کر دیں گے تو معاملہ ختم ہو جائے گا“۔ ہرگز نہیں بات اتنی سادہ نہیں جتنی تو کہہ رہا ہے، ایسا ہے تو تم غزالہ بھابھی کو بھابھی کیوں نہیں کہنے دیتے؟“ ماہرہ نے گھبرا کر اپنے دل و دماغ کو حالت جنگ سے نکالنے کے لئے دودھ والی بالٹیاں اٹھا لیں۔

”ماسی رضیہ جلدی کر دیر ہو گئی ہے تجھے پتہ بھی ہے میں کون سا تیری مدد کر سکتی ہوں، سب بھینسوں کا دودھ تجھے ہی نکالنا ہے جلدی آ جا۔“

پہلے اس کی ماں اور رضیہ دودھ دوہتی تھیں جب سے ماہرہ نے اماں کا کام سنبھالا تھا، وہی رضیہ کے ساتھ حویلی جاتی تھی دودھ دینے والی گائیں اور بھینسیں حویلی کے ساتھ بنے احاطے میں رکھی گئی تھیں، چھوٹے جانور مثلاً بکریاں اور بھیڑیں بھی اسی احاطے میں رکھی جاتی تھیں، اب بھی وہ احاطے جا رہی تھیں۔

”یہ بلو دودھ کم کر گئی ہے“۔ ماسی نے دودھ کی بالٹی اسے پکڑا کر دوسری خالی بالٹی اٹھا لی، ماہرہ نے بھری ہوئی بالٹی سائیڈ پر بنے چبوترے پر رکھ کر رسی اٹھا لی تا کہ ماسی کو دے اور وہ گائے کی ٹانگیں باندھ کر دودھ دوہنے بیٹھے۔ ماسی اس ساہیوال نسلی کو تھاپی لگا رہی تھی، تو اس نے اچھل کود شروع کر دی، تب تک ماہرہ رسی لے کر پاس آ چکی تھی، گائے بپھر گئی، اس نے اپنی چاروں ٹانگوں پر اچھل کر ماہرہ پر حملہ کیا وہ ماسی سے ٹکرائی ماسی گر چکی تھی، ماہرہ کا سرخ دوپٹہ گائے کے سینگوں سے آدھا نیچے لٹک رہا تھا، جسے دیکھ کر وہ اور وحشی ہو رہی تھی، اس نے اپنا رسہ تڑوا لیا، اب وہ بھیانک انداز سے بولتی ہوئی ماہرہ کے پیچھے تھی۔ گائے کی دیکھا دیکھی باقی جانور بھی اچھل کود رہے تھے کچھ نے تو اپنی رسیاں تک تڑوا لیں تھیں۔

ماہرہ نے یہ سب کہاں دیکھا تھا، اس کی چیخوں نے گائے کے ساتھ ساتھ گھوڑی کو بھی مشتعل کر دیا، اب اسے اپنی موت یقینی لگ رہی تھی، ایک طرف گائے اپنی دم اٹھا کر فل پاور اور فل اسپیڈ سے اس کے پیچھے تھی، تو دوسری طرف اس کے حواس اتنے مختل تھے کہ اسے احاطے کا باہر کا گیٹ نظر نہیں آ رہا تھا، تبھی گائے کا پہلا وار اسے لگا وہ اڑتی ہوئی دیوار سے ٹکرائی، وہاں کیکر کی لکڑیاں سوکھنے کے لئے رکھی ہوئی تھیں، جانے کتنے کانٹے جسم میں چبھے پھر بھی وہ خود کار انداز میں تیزی سے اٹھ کر دوسری طرف ہوئی، تو گائے کا کک ٹھیک وہاں لگا، جہاں وہ پہلے گری تھی۔ لکڑیوں اور گائے کے حملوں نے اس کے کپڑے جگہ جگہ سے پھاڑ دیئے تھے، پھر اس نے دیکھا گائے چاروں ٹانگوں کے ساتھ اس پر جمپ کرنے لگی ہے۔ اس نے سمٹ کر آنکھیں بھی بند کر لیں۔

”اللہ جی! مجھے بچا لیں!“ دل سے دعا نکلی۔

دھماکا سا ہوا تھا اس نے پٹ سے آنکھیں کھولیں، خاور شاہ نے گائے کے اینٹ ماری تھی، دھماکا اسی کا تھا، اب وہ دوسری اینٹ بھی فل پاور کے ساتھ مار رہا تھا۔

”ماہرہ! جلدی اٹھو ادھر سے وہ بپھری ہوئی ہے آپ کے اوپر نہ چڑھ جائے“۔

ساتھ ساتھ وہ پاس پڑی اینٹیں اٹھا اٹھا کر پھینک رہا تھا بڑی کوشش سے ماہرہ اٹھ کر کھڑی ہوئی تو گائے پھر سے ماہرہ کے سر آنے لگی۔

خاور شاہ نے اس کا بازو پکڑ کر جونہی اسے اپنے پیچھے کیا گائے نے خاور پر بھی حملہ کر دیا تو اس نے سینگ پکڑ لئے وہ پیچھے اس کی کمر کے ساتھ چمٹی ہوئی تھی۔

تب تک منیر اور جگا گائے کو متوجہ کر چکے تھے۔ شاہ نے اپنے گرد سے اس کے ہاتھ ہٹا دیئے، گائے نے ماہرہ کو دیکھ کر پھر اس کی طرف آنے کی کوشش، مگر خاور شاہ نے تب تک کیکر کی کانٹوں والی لکڑی اٹھالی تھی۔

جیسے ہی وہ ماہرہ کی طرف بڑھی شاہ نے وہ لکڑی پوری طاقت سے اس کے منہ پر ماردی، خون کا فوراہ گائے کی ناک سے بہہ نکلا۔

''چھوٹے شاہ جی! یہ کیا کیا؟ دودھ دینے والا جانور تھا آپ نے اس قدر زخمی کر ڈالا''۔

''منیر! باتیں بعد میں کرنا پہلے ویٹرنری ڈاکٹر کو بلا جلدی کر، سمجھا۔ میں اس کو حویلی سے جانے کا بندوبست کرتا ہوں''۔ اس کا ذہن اب مکمل تاریکی میں ڈوب گیا۔

......☆......

''ماہرہ! اب اٹھ بھی جاؤ حویلی کے سارے کام بکھرے پڑے ہیں، بچے بھی تیری راہ دیکھتے ہیں اب ٹھیک تو ہے کہ نہیں؟''

اماں! ٹھیک ہوں، میں ذرا کپڑے بدل لوں، پھر چلتے ہیں''۔

''اچھا پتر! اس دن کی طرح لال کپڑے نہ پہن لینا''۔

''توبہ اماں جی! اب تو کبھی نہ پہنوں''۔ ساتھ وہ مسکرا بھی اٹھی۔

''ریڈ کلر سے وہ ساہیوال کی گائے الرجک ہے میرے فرشتے بھی یاد رکھیں گے''۔

ریڈ کلر دیکھ کر جانے اس گائے کو کیا ہو جاتا تھا، رضیہ ماسی نے غور نہ کیا اور ماہرہ کو ساتھ لے کر احاطے میں چلی گئی، وہاں جو کچھ ہوا وہ ماہرہ کے کپڑوں کی بدولت ہوا، ماسی کو جب یاد آیا تو بہت دیر ہو چکی تھی، رہی سہی کسر ماہرہ کے دوپٹے نے گائے کے سینگ میں پھنسنے سے پوری کر دی، وہ ہلتا تھا تو گائے مزید مشتعل ہوتی تھی۔

''اگر اس دن شاہ جی نہ آتے تو میرا مرنا پکا تھا''۔ اسے سوچ کر پھر سے جھرجھری آ گئی۔

جوں جوں حویلی قریب آ رہی تھی، اس کی جان بھی مٹھی میں آ رہی تھی۔

''میں شاہ خاور کا سامنا کیسے کروں گی؟ وہ کیا سوچتے ہوں گے میں بھاگ کر ان سے لپٹ گئی، جا بجا پھٹے کپڑوں کے ساتھ، انہوں نے مجھے دیکھا تو ہوگا؟ اس سے بہتر تھا مر ہی جاتی''۔

وہ یہ سوچتے ہوئے بھول گئی کہ کچھ دیر پہلے تک تو اسے مرنے سے ڈر لگ رہا تھا۔

وہ ماں جی سے ملتے ہوئے ادھر ادھر بھی دیکھ رہی تھی کہیں شاہ جی گھر تو نہیں؟

رات کی خنکی بھی اس کے دماغ کو ٹھنڈا نہ کر رہی تھی، وہ مسلسل خود پر حیرت زدہ تھی۔

''مجھے ان کو دیکھ کر کیا ہو جاتا ہے پاگل لگتی ہوں''۔

سارا دن حویلی میں اس کا اچھا گزر گیا۔ شاہ کا سامنا نہ ہونے پر وہ خوش تھی، جب آنے لگی تو ماں جی کے کہنے پر چھت پر کبوتر بند کرنے چلی گئی، اس کام سے فارغ ہو کر، اس نے تھوڑی دیر گاؤں کے نظارے کا سوچ کر منڈیر پر ٹھوڑی رکھ دی۔

سارا گاؤں خاموش تھا فضا میں چولہوں سے اٹھتے دھویں کا راج تھا، ہر گھر سے دھواں اٹھ رہا تھا، تندور دہک رہے تھے، گندم اور مکئی کی روٹی کی خوشبو بہت بھلی لگ رہی تھی، پرندے اپنے اپنے آشیانے بسا رہے تھے، دور ایک بگلہ اکیلا اڑ رہا تھا، اس نے اپنی نظر اس پر ٹکا دی، اب وہ قریب آ گیا تھا، اس کی آواز سنائی دینے لگی تھی ایک تڑپ تھی آواز میں، پکار تھی وہ اپنے ساتھیوں سے پتہ نہیں کیسے بچھڑا تھا، اب ان کو پکار پکار کر ڈھونڈ رہا تھا۔

اسے لگا وہ بھی ایک بگلہ ہی بن گئی ہے، قطار لاہور رہ گئی وہ بچھڑ کر ادھر نکل آئی۔

اسے اپنی ہم جولیوں کی یاد آئی، جب وہ کالج میں کھو جاتیں تو بالکل اسی طرح ایک دوسرے کو آواز لگا لگا کر ایک سے دوسرے گراؤنڈ میں ڈھونڈا کرتیں، کینٹین ان کا Meeting Point تھا۔

ایک دم سارا گاؤں تاریکی میں ڈوبا تو اسے ہوش آئی، لائٹ گئی تھی، اس کے اندر گھٹن بھر گئی تھی، اس نے رگڑ رگڑ کر آنسو صاف کئے اور سیڑھیوں کی طرف دوڑ لگا دی، ایک جمپ میں دو، دو سیڑھیاں پھلانگتے اس کا پاؤں سلپ ہوا اس سے پہلے کہ وہ گرتی اسے دو مضبوط ہاتھوں نے تھام لیا، اب وہ ان کے ایک بازو پر گری ہوئی تھی، جبکہ دوسرے ہاتھ سے وہ اسے تھامے ہوئے تھے، جانی پہچانی خوشبو اس کے حواس پر چھا رہی تھی، تب اس نے جھٹکے سے اسے کھڑا کر دیا۔

''وہاٹ ربش؟'' لڑکی تم اتنی لاپرواہ ہو یا بنتی ہو؟ اب تک لاسٹ ویک کے ڈرامے کا ڈراپ سین نہیں ہوا، تم پھر سے گرنے کو تیار ہو لازمی ہوتا ہے مجھے دیکھ کر سین کرایٹ کرنا، دماغ کو حاضر ناظر رکھا کرو انڈر اسٹینڈ؟''

اس کے دکھے دل پر جیسے کسی نے نمک چھڑک دیا تھا، آنسو رک بھی نہیں رہے تھے، شاہ خاور کو مزید غصہ آ گیا۔

''Get Lost'' وہ مزید درشتی سے بولے تو اس نے پھر دوڑ لگا دی۔

''تمہیں سمجھانا بہت مشکل ہے''۔ اسے پیچھے سے خاور شاہ کی آواز سنائی دی تھی۔

''پاگل......''

اتنی رات ہو گئی تھی اسے ابھی تک صبح والا واقعہ سونے نہ دے رہا تھا۔

''مجھے ان کو دیکھ کر خود پر اختیار کیوں نہیں رہتا''۔ وہ ابھی بھی یہی سوچ رہی تھی۔

......☆......

سیدہ نائیلہ اور ساجدہ کی منگنی تھی، اس لئے حویلی میں گہما گہمی عروج پر تھی۔ ماں جی بہت خوش تھیں، وہ بیٹے کی شادی کے ارمان بھی بیٹیوں پر پورے کر رہی تھیں، کیونکہ خاور شاہ کی شادی بہت سادگی سے ہوئی تھی، بلکہ بے دلی کہنا زیادہ مناسب تھا۔

''ماں جی کچھ اور منگانا ہے تو بتائیں پھر کون جائے گا ابھی تو میں شہر جا رہا ہوں''۔ شاہ خاور حیات پوچھ رہا تھا۔

''نہیں چھوٹے شاہ کچھ نہیں''۔ وہ پلٹ گیا تو ماں جی کے سینے میں ٹھیس اٹھی۔

''رب سوہنے میرے بچے کو بھی خوشیاں دیکھا دے''۔ انہوں نے آنکھیں صاف کیں تو نائیلہ نے ان کے ہاتھ تھام لئے۔

''ماں جی! بھائی سے کہو ناں وہ دوسری شادی کر لیں، اب غزالہ بھابھی کبھی نہیں آئیں گی، ان کی سعودیہ رہنے کی خواہش اب جا کر پوری ہوئی ہے، وہ اب واپس کبھی نہیں آئیں گی۔ میرا شہزادہ بھائی ایسے کب تک رہے گا، وہ ادھر تھیں تب بھی وہ اکیلے تھے، وہ نہیں ہیں تو بھی اکیلے''۔

''تو نہ اجازت دیتا خاور، اس نے خود اپنے پیر پر کلہاڑی ماری ہے، اسے غزالہ کو جانے کی اجازت نہیں دینی چاہیے تھی''۔

''مگر ماں جی! وہ ادھر رہ کر بھی کون سا بھائی کے ساتھ رہتی تھیں، آپ تایا جی سے بات تو کریں غزالہ نے خود کہا تھا، بھائی سے شادی کا، تو کیا پتہ وہ مان جائیں''۔

''نہیں بچے وہ پھر راشدہ پر سوت لے آئے تو......؟''

''ماں جی! اتنے بچے نہیں ہیں وہ، ان کو بھی پتہ ہے غزالہ بھابھی ادھر کیسے رہتی تھیں، وہ سب جانتے ہیں اس لئے آپ بس بھائی کی شادی کا سوچیں، ویسے بھی بھائی نے حمزہ کو غزالہ بھابھی کو اس لئے دیا ہے کہ وہ ان

کا سہارا بنے، اس لئے ان کو بھائی کی شادی پر اعتراض نہیں ہوگا۔"

"ٹھیک ہے کرتی ہوں سید صاحب سے بات"۔

انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری، پھر نائیلہ کا موڈ چینج کرنے کے لئے انہوں نے ایک زرتار دوپٹہ اس پر دے دیا تو وہ شرما گئی۔

فنکشن رات کا تھا دن چھوٹے ہوگئے تھے، رحیم یار خاں سے ایک دن میں فنکشن کر کے جانا ممکن نہ تھا سو مہمانوں کو رات کا کہا گیا، تاکہ وہ صبح سویرے واپس جاسکیں، رات کی واپسی پر خطرہ تھی، مہمانوں کے آنے تک وقت ہی وقت تھا تو لڑکیوں نے پر گانے گانے شروع کر دیئے۔

شاہ خاور شاپرز پکڑے پکڑے تھک چکے تھے، مگر پرات بجنے کی آواز میں ان کی کوئی سن ہی نہ رہا تھا، بالآخر وہ خود زنان خانے کی طرف چل پڑے۔

ماہرہ کو وہ اندر آتے نظر آئے تو اس نے فل والیم سے گلہ پھاڑ کر دوسری لڑکیوں کا ساتھ دیا۔

کوئی ساوی ونگ ماہیا
ساڈے نال ڈھول خفا
اساں زندگی تو تنگ ماہیا

وہ خفیف سے ہو کر شاپرز وہیں فرش پر چھوڑ کر پلٹ گئے۔ ماہرہ چپکے سے پیچھے پیچھے چل پڑی، شاپر اٹھا کر کچن میں رکھے پھر وہ ماں جی کو بتانے ان کے کمرے میں گئی، تو وہ نہیں تھیں، ان کا سیل بج رہا تھا۔ اس نے سیل اٹھایا تو مسکرا اٹھی۔

"خاور شاہ کالنگ"۔

☆......

یا تیرا تذکرہ کرے ہر شخص
یا کوئی ہم سے گفتگو نہ کرے

شاہ خاور کا غصے سے برا حال ہو گیا اتنی گہری نیند تھی جو اس SMS نے خراب کی تھی، کل رات گھر میں فنکشن تھا، اس لئے نیند خراب رہی سارا دن بھی زمینداری کے چکر میں گزرا اب سویا تھا، تو اس میسج نے نیند خراب کر دی وہ نمبر دیکھ رہے تھے جو ٹوٹلی Unknown تھا۔ انہوں نے اگنور کر دیا پھر سے سونے لگے تو پھر SMS بیپ ہوئی۔

تیرا عکس میری آنکھوں میں
ٹھہرا اس طرح
کہ پھر
بنائی بن گیا۔

نمبر پھر وہی تھا، اب نیند خراب کرنے پر انہوں نے سیل آف کر دیا۔

"سیکنڈ ٹائم غلطی سے میسج نہیں آسکتا یہ میرا اتنا عاشق کون پیدا ہو گیا"۔ وہ سوچ رہے تھے۔

☆......

اسے سمجھ نہ آئی تھی اپنے جذبات کو کنٹرول کیسے کرے۔

"یہ یک طرفہ تعلق تو میری جان لے کر چھوڑے گا"۔ اسے سال ہونے کو آرہا تھا اس آگ میں جل جل کر راکھ ہونے کو تھی، مگر نتیجہ وہی ڈھاک کے تین پات۔

"اب تو ان کو بھی پتہ چلنا چاہئے کوئی انہیں کس قدر چاہنے لگا ہے، میں مرگئی تو کون بتائے گا کس غم میں مری ہوں۔ عورت کا محبت کرنا اور پھر اظہار محبت کرنا اتنا معیوب کیوں ہے جب اس پر کسی کا اختیار ہی نہیں پتہ نہیں کب کسی کو یہ روگ لگ جائے، محبت مرد و عورت تو نہیں دیکھتی بس ہو جاتی ہے، اسے کار گناہ بن جانے سے بچانا چاہئے خود بچالے وہ عشق کی معراج پالے۔

"مگر میری معراج تو بس ان کو دیکھ لینا ہی ہے، آج پندرہ دن ہو گئے ان کو گئے ہوئے"۔ وہ رو رہی تھی۔

"آپ کب آئیں گے شاہ جی! میرے اللہ! ان کو بھیج دے تو جانتا ہے میں کس قدر ویران ہو گئی ہوں وہ یہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں ہے"۔

اب وہ ان کی واپسی کی دعا کر رہی تھی، مگر دل کو چین پھر بھی نہ آیا تو سیل اٹھا لیا۔

"وہ بڑے خوش نصیب ہوتے ہیں
آپ جن کے قریب ہوتے ہیں"

ان کے کانٹیکٹ پر سینڈ کر کے اس نے سیل سینے پر رکھ لیا۔ اب وہ اس یک طرفہ تعلق کا انجام سوچ رہی تھی۔

"انجام جو بھی ہو ماہرہ بی بی! ابھی تو مجھے میرے شاہ جی کو Feel کرنے دو"۔ اس نے اپنے بازو پر اپنا ہاتھ پھیرنا شروع کر لیا، اس کے حواس میں ابھی تک ان کا لمس زندہ تھا۔ ان کی خوشبو اسے ابھی تک گھیرے رکھتی تھی، وہ اپنی خود ساختہ محبت میں بھیگنے لگی۔ ان کے لمس کو پھر سے محسوس کرنے لگی۔

یہی وہ بازو تھا جہاں سے پکڑ کر شاہ خاور نے اسے گاڑی سے پھر سیڑھیوں سے گرنے سے بچایا تھا، اپنے بابا کے بعد وہ پہلے مرد تھے جن کا لمس اسے لگا تھا، ان کا چھونا اس کے ذہن و دل پر نقش ہو گیا تھا اب وہ جب بھی اداس ہوتی اسی کا سہارا لیتی تھی۔

SMS بیپ پر اس نے فوراً سیل اٹھا لیا۔

"Question Mark تھا" وہ بھی ان کے نمبر سے۔ اس نے بے اختیار سیل چوم لیا۔

اب وہ Reply کا سوچ رہی تھی۔

"کیا کہوں؟ میں کون ہوں؟ اگر انہوں نے جان لیا تو کیا ہوگا؟"

دل میں اب خدشات کا طوفان اٹھ رہا تھا، پھر سے ان کا Text آیا تھا۔

"Who are you?"

اس نے سر جھٹک کر تمام خدشات سے پیچھا چھڑا لیا اور سیل تھام لیا اب وہ Reply کر رہی تھی۔

"ہم آپ کے چاہنے والے ہیں جی"۔ وہ پھر سے کالج گرل بن گئی بے فکری، کھلنڈری اور شرارتی۔

"وہاٹ ربش؟" اس نے تصور میں ان کا غصے سے لال پیلا چہرہ دیکھا۔

"آپ چاہت کو ربش کہتے ہیں۔ کتنی بری بات ہے"۔ لکھ کر Send کر دیا۔

"گو ٹو ہیل ود یور لو"۔ کے بعد اسے ان کا کوئی Text نہ ملا تو اس نے آنکھیں بند کر کے تصور کا جہاں سجا لیا۔

☆......

اماں آج طاہرہ، زہرہ کے سسرال مٹھائی لے کر گئی تھیں، اس کی جاب پر جتنا وہ خوش تھیں، ماہرہ اتنا ہی اداس۔ شاہ خاور نے زم زم کو بھی ملتان بلوا لیا۔ اس کا ادھر اسکول میں ایڈمیشن کروایا خود بھی بزنس کی دیکھ بھال کے لئے ادھر ہی سیٹ ہونے کا ارادہ کر لیا۔ اسی لئے بڑے شاہ جی نے اسے گاؤں کے اکلوتے پرائمری اسکول میں پڑھانے کا حکم جاری کر دیا، جو اسے سخت ناگوار گزرا، وہ حویلی میں خوش تھی کم از کم شاہ جی کو دیکھنے کا چانس تو مل سکتا تھا، جو اسکول کی صورت میں The end ہو گیا۔

"بڑے شاہ جی! میں حویلی رہ کر آپ کی خدمت کرنا چاہتی ہوں"۔

"میرے بچے گاؤں کے بچوں کو خوب دل لگا کر پڑھاؤ سمجھو میری سب سے بڑی خدمت یہی ہے"۔

بڑے شاہ جی نے اس کی ڈائیلاگ بازی کو بھی ٹھکرا دیا تو وہ چپ چاپ چلی آئی۔

اسکول جاب اسے بہت خوفناک کام لگا اسے باقاعدہ ٹیچنگ کا کوئی تجربہ نہ تھا، اوپر سے ماحول اور دوسری ساتھی ٹیچرز بھی مدد فراہم کرنے سے قاصر تھیں۔ گاؤں کا اسکول، غیر تعلیم یافتہ مزدور طبقے کے بچے بیچارے بھی بالکل پڑھنے پڑھانے کے معقول طریقوں سے نا آشنا اور کھیل کود کر اسکول کے درختوں پر چڑھنے میں مہارت حاصل کرنے کے بعد گھر جانے کو بھی پڑھائی سمجھتے تھے۔ مس نسرین بچوں کو پڑھانے سے زیادہ اپنے جہیز کے غلافوں پر کڑھائی کرنا اپنا

اولین فرض سمجھتی تھیں۔

سوا سے سیٹ ہونے میں اور اسکول سیٹ کرنے میں مہینہ لگ گیا، اب اسکول اور اسکول کے بچے بھی نسبتاً صاف اور مہذب ہوتے جارہے تھے۔ مگر اس کا دل اتنا ہی بدتہذیب ہوتا جارہا تھا، ہر وقت روتا یا سیل پر چیٹنگ کی فرمائش کرتا، چیٹنگ وہ کرنہیں سکتی تھی، کیونکہ شاہ جی Text کا Ans نہ کرتے تھے۔ بلکہ کال کرنے لگ جاتے تھے وہ اس سے بات کرنے کو بضد تھے۔ تاکہ آواز سے اسے پہچان سکیں اور وہ بھی اتنی نادان نہ تھی کہ کال ریسیو کرلیتی چنانچہ صورت حال مخدوش تھی، اسی لئے وہ ان کو Text کرنے سے گریز کرنے لگ گئی تھی۔

ویسے تو کوئی پل ایسا نہ تھا، جب وہ یاد نہ آتے تھے مگر اس شب میں جانے کیا بات تھی، چھما چھم برستے بادل کے ساتھ اس کی خوبصورت آنکھیں بھی دھواں دھار برس رہی تھیں، یاد تھی کہ رستا ہوا ناسور...... دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر اس نے سیل اٹھالیا، اس کی انگلیاں جیسے خودکار عمل کے تحت چلنے لگیں، اندیشے تو ہوش وخرد والوں کو تنگ کرتے ہیں، اور فی الحال وہ اپنے حواس میں بھی کہاں تھی۔

بارشوں کے موسم میں
تم کو یاد کرنے کی
عادتیں پرانی ہیں
اب کی بار سوچا ہے
عادتیں بدل ڈالیں
پھر یاد آیا کہ عادتیں بدلنے سے
بارشیں نہیں رکتیں۔

اس نے Send پش کردیا۔

حسب معمول No Response۔

یہ کوئی نئی بات تو نہ تھی، مگر دکھا ہوا دل مزید بھر آیا تو شدومد سے مزید آنسو بہانے لگی، وہ تو جانتے تک نہ تھے کہ آخر کون ہے جو ان سے صرف Text ہی کرنا چاہتی ہے Call نہیں، اوپر سے مرنے کی حد تک محبت کا دعویٰ بھی ہے۔

"کیسے بتاؤں؟ میرے شاہ جی میں واقعی مرنے والی ہوں، یہ روگ میری جان کو لگ گیا ہے، میں ایسی تو کبھی بھی نہ تھی"۔ وہ سوچتی رہی Cell خاموش پڑا رہا۔

رات بھیگتی رہی، اس کا سر درد سے پھٹا جارہا تھا اس نے نوٹ کیا تھا پچھلے کچھ دنوں سے اس کے سر میں شدید درد ہوجاتا تھا، خاص طور پر جب وہ خاور شاہ کو سوچتی تھی، تب تو شدت ناقابل برداشت ہوتی تھی۔ اس نے پھر Cell اٹھالیا۔

"آج تو ان کی آواز سنے بغیر نیند نہیں آئے گی نہ سر درد رکے گا"۔

میرا شام سلونا شاہ پیا
ہمیں مار گئی تیری چاہ پیا

SMS پھر سے ان کے سیل پر Deliver ہوگیا تھا۔ خلاف توقع Response آگیا تھا۔ اس پر جیسے شادی مرگ طاری ہوگئی۔

"بہت دن بعد میری یاد آئی"۔

"آپ بھولتے کب ہیں جو یاد کروں، بس تھوڑے ہی عرصے میں مرنے والی ہوں، پھر آپ کو یقین آئے گا"۔ اس نے طنز نظر انداز کرکے تفصیلی Reply دیا۔ کوئی جواب نہ آنے پر اس نے کال ملادی۔ آج دل ضرورت سے زیادہ بے قابو ہورہا تھا۔

کال فوراً ریسیو کرلی گئی اسے شاہ خاور کی آواز سن کر خود سے کیا عہد بھول گیا، اس کے بے آواز رونے کو وہ محسوس کئے بغیر بولے۔

"تم تو میری کال ریسیو نہیں کرتی تھیں، آج خود کیوں کرلی؟" جواباً اس کی ہچکی بندھ گئی۔ تو اس نے کال کاٹ دی۔ وہ رات اس کے لئے بڑی بے رحم رہی۔

......☆......

"ارے ماہرہ! تو اب تک پڑی سو رہی ہے۔ اسکول بھی نہ گئی، خیر تو ہے"۔ اماں بولتے بولتے اس کے پاس ہی چلی آئیں۔

"لے برفی کھا"۔ اماں نے ماہرہ کے ہاتھ پر برفی کا پیس رکھا۔ ان کی نظر ابھی تک ماہرہ کے بخار سے تپے ہوئے چہرے پر نہ پڑی تھی۔

"چھوٹے شاہ جی کی بات پکی ہونے پر ماں جی نے سب گھروں میں مٹھائی بھجوائی ہے"۔

بخار، سر درد، رت جگا اور شاکنگ نیوز اس کا ذہن تاریکی میں ڈوبتا چلا گیا۔

ہوش آیا تو اماں، ابا دونوں اس کے سرہانے بیٹھے تھے۔ اس نے اپنے اوپر سے کپڑا ہٹانا چاہا تو ابا نے فوراً منع کردیا۔

"نہ پتر ایک دم ہوا لگنے سے پنڈا ٹھنڈا گرم ہوجائے گا تو اور درد کرے گا"۔

"ابا جی! اب میں ٹھیک ہوں، آپ پریشان نہ ہوں"۔ تب تک گاؤں کا اکلوتا ڈاکٹر پھر سے اس کو چیک کرنے آگیا تھا، یہ والٹی صرف گاؤں کے ڈاکٹرز میں ہوتی ہے یعنی گھر آکر چیک اپ کرنا اور ایک بار نہیں مسلسل کرنا جب تک مریض ٹھیک نہ ہوجائے۔ شام تک وہ مزید بہتر فیل کرنے لگی، تو اماں حویلی کی طرف چلی گئیں۔

وہ راستے میں مسلسل سوچتی گئیں۔

"وڈے شاہ جی سے دم کراتی ہوں ماہرہ کو کسی کی نظر لگ گئی ہے، میری دھی سوہنی وی تے رج کے ہے بس بری نظر کی وجہ سے سر میں درد رہنے لگا ہے"۔

......☆......

"ماسی ٹھیک تو رہتی ہو؟ کسی چیز کی ضرورت ہے تو بتاؤ؟" چھوٹے شاہ جی نے ہمیشہ کی طرح ان سے بڑے احترام سے بات کی۔

"نہیں، نہیں خاور شاہ جی! اللہ بوتا دے (اللہ زیادہ دے)"۔

"ماسی ماہرہ آنٹی کیوں نہیں آئیں؟" زم زم نے پوچھا۔

"اس کو تو بہت تیز بخار اور سر میں درد تھا اتنا بخار جی غشی بھی آگئی تھی، ہم تو بہت پریشان تھے اب ٹھیک ہے تو حویلی آئی ہوں"۔

"سکینہ! تو نہ آتی حویلی، گھر میں ماہرہ کے پاس رہتی"۔

"نہ ماں جی! اب تو وہ کافی ٹھیک ہے"۔

"لگتا ہے وہ لاہور کو ابھی تک بھولی نہیں ہے، اللہ رکھے نے بھی تو حد کردی، کبھی خبر تو لی ہوتی اس وچاری کی۔ آخر کو رہی اس کے پاس تھی، پلی بڑھی تھی کیا یاد نہ آتی ہوگی"۔ ماں جی نے تبصرہ کیا۔

"آ...... ہا......!! کبھی فون تک نہ کیا جی کون سا دور کرنا تھا۔ ماہرہ کے مبیل (موبائل) پر ہی کرلیتا بھی۔ پر نہ جی کبھی نہیں"۔ ماں جی یہ سب سن کر اور متاسف ہورہی تھیں۔

"بس اس کی کڑیاں کبھی کبھی وہ میسج کرلیتی ہیں"۔

"کیا کرلیتی ہیں؟" ماں جی نے پوچھا تو پاس بیٹھی نائیلہ نے کھل کھلا کر بتایا۔

"ماں جی SMS"۔

خاور شاہ جو لاتعلق بیٹھے ہوئے تھے، ایک دم متوجہ ہوگئے۔ جیسے کوئی دھند چھٹ گئی تھی سب کچھ ان کی سمجھ میں آگیا۔ نامعلوم SMS اور بنک کالز سب باتیں ان کی حیرانی میں اضافہ کررہی تھیں۔ موبائل کی افادیت پر لیکچر بازی کرتی ہوئی لڑکی احاطے میں گائے سے ڈر کر ان سے لپٹنے والی لڑکی سیڑھیوں کی ملاقات، گھر میں منگنی کی تقریب میں گاتے ہوئے اس کی عجیب شوخی بھری آنکھیں ایک ایک سین آنکھوں سے گزر گیا، وہ لاہور کی سیریز دیکھ کر لاہور سے اپنی کوئی پرانی کلاس فیلو سمجھتے رہے۔ جو جسٹ تنگ کررہی تھی، پھر وہ اسے بھی کوئی آوارہ سمجھنے لگے تھے پھر ذہن سے بھی نکال دیا تو اب عقدہ کھل گیا۔ وہ لاہور میں رہی تھی تو ظاہری بات تھی وہیں کا نمبر تھا۔ ادھر تو سال بھر سے آئی تھی۔

''کیا تھا اگر ادھر نہ آتی آ کر کون سا نیک کام کر رہی ہے۔ کل کی بچی اور خاور شاہ سے فلرٹ کی ٹرائی...... بائی فٹ''۔ وہ غصے میں دیوانے ہو رہے تھے، سامنے ہوتی تو دو ہاتھ لگا بھی دیتے۔

''بخار...... ہم!! ساری رات جاگ کر دوسروں کو بارش والی نظمیں Send کرے گی تو بخار ہی ہوگا''۔ ان کا غصہ تھا کہ بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ وہ لان میں چلے گئے۔

☆......☆

''میڈم ماہرہ! میرا فون اٹھاؤ''۔

ماہرہ کو لگا وہ پھر سے بے ہوش ہونے والی ہے، فوراً ہی SMS کے بعد کال آنے لگی، وہ تھوڑا متذبذب ہوئی مگر پھر اپنی فطری دلیری سے کال Attend کر لی۔

''جی شاہ جی!'' وہ ہموار لہجے میں بولی تو سید خاور حیات اس کی دیدہ دلیری اور ڈھٹائی پر عش عش کر اٹھے، وہ سمجھ رہے تھے وہ کال نہیں اٹھائے گی بلکہ ڈر کر اپنی صفائیاں بذریعہ SMS ارسال کرے گی، مگر ماہرہ تو اپنے نام کی ایک تھی۔ دوسری طرف سید خاور حیات اپنی توقع کے صحیح ہونے پر مزید آگ بگولہ ہو گئے، اوپر سے وہ بولی۔

''آخر آپ کو میرا پتہ چل ہی گیا، میں یہ تو کبھی بھی نہ چاہتی تھی مگر خیر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے''۔

''اچھا...... تو اور کیا چاہتی تھیں؟'' ان کو غصے میں اس دو چھٹانک کی لڑکی سے بات کرنے کے لئے لفظ نہ مل رہے تھے، وہ جو ہزاروں لوگوں کے فیصلے کرتے تھے، ہزاروں کی پنچایت میں کسی کو بولنے نہ دیتے تھے، آج بات کرنا بھول رہے تھے۔

''آپ کو سب کچھ پتہ تو ہے شاہ صاحب! میں کیا چاہتی ہوں''۔

''بند کرو اپنی بکواس، لڑکی تم حد سے بڑھ چکی ہو اور میں اپنی اس انسلٹ کو کبھی نہیں بھول سکتا، جو پچھلے چھ ماہ سے تم کر رہی ہو''۔

''مگر میں تو آپ سے صرف محبت ہی محبت کر رہی ہوں، آپ محبت کو انسلٹ سمجھتے ہیں؟''

وہ فل فارم میں تھی اس نے بھلا کب بحث میں ہار مانی تھی، وہ تو کالج کی بیسٹ مقررہ تھی۔

''شرم نہیں آتی اپنے سے پندرہ برس بڑے آدمی سے اس قسم کی واہیات گفتگو کر رہی ہو، تمہیں ڈر نہیں ہے کہ ہم کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ بی بی اپنی زبان کو لگام دو یہ ہتھکنڈے بہت پرانے ہیں جو تم Use کر رہی ہو''۔

''میں سمجھی نہیں شاہ جی!'' وہ واقعی نہ سمجھ سکی۔

''نوکرانیوں کا مالکوں کو پھنسانے کی کوشش کرنا مالک بننے کے خواب دیکھنا''۔

''شاہ جی پلیز!'' وہ کراہ کر بس اتنا ہی کہہ سکی۔

''سچ سن کر کوئی جواب نہیں آ رہا گیا؟ سب ایسی ہی ہوتی ہیں کچھ بلیک میلنگ کر کے پیسے بٹورنے پر بھی اکتفا کر لیتی ہیں، تم بتاؤ تمہاری کیا چاہ ہے؟'' وہ تو جیسے سن ہو کر رہ گئی تھی، اتنا شاندار آدمی اور سوچ اور الفاظ ایسے، کیا جواب دیتی۔

''ماہرہ بی بی! تمہیں لگا تھا میں بھی ایک کمزور مرد ثابت ہوں گا، تمہارے جال میں آ جاؤں گا، پھر اس بات کو لے کر میری عزت اچھلے گی تمہیں حویلی مل جائے گی''۔

اس نے بے دم ہو کر کال کاٹ دی۔ وہ بھی اپنا غصہ نکال چکے تھے اپنی دانست میں اس کے عشق کا کیڑا ابھی جھاڑ چکے تھے، وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

☆......☆

بہار اپنے جوبن پر تھی ہر طرف سبزہ ہی سبزہ، پھول ہی پھول سید خاور حیات حیران تھے، اتنی جلدی ساڑھے چار ماہ بیت گئے۔ وہ لندن اپنا بزنس سیٹ کر کے سید طلحہ کے ہینڈ اوور کر کے سیدھے گاؤں ہی آ رہے تھے، ہریالی نظروں کو بھلی لگ رہی تھی، جب اچانک مائنڈ میں ماہرہ چلی آئی۔ وہ پھر سے سیل میں

سے اس کے SMS پڑھنے لگے یہ کوئی پانچ ماہ پہلے کے وہی SMS تھے، جو اس نے اس دن کئے تھے، جب پہلی بار ان کو ماہرہ کا پتہ چلا تھا، اور انہوں نے کال پر اس کی درگت بنائی تھی۔

''ڈیئر شاہ جی! پتہ نہیں آپ نے کس بات کو Base بنا کر مجھ پر اتنے بڑے بڑے الزام لگا دیئے، اتنی توہین تو خواب میں بھی نہ سوچی تھی میں نے، کب آپ سے کوئی مطالبہ کیا تھا؟ اپنا آپ تک چھپا کر رکھا آپ کو خود ہی پتہ لگا ورنہ میں تو ساری زندگی ایسے ہی نکال دیتی۔ میری زندگی تو آپ کے چند لفظوں سے شروع ہو کر آپ کی دید تک ختم ہو جاتی ہے۔ اتنے بڑے اور برے عزائم میرے کیسے ہو سکتے ہیں، خیر آپ کا ظرف جتنا ہے اسی آئینے میں مجھ کو دیکھا، مجھے بڑے گھر کی چاہت ضرور تھی پر ہوس نہیں۔ اب وہ بھی نکل گئی شاید زندگی ہی دل سے نکل گئی، میری ہستی کے لئے ایسے گھٹیا الفاظ سدا دل کو یاد رہیں گے، آپ کی عظمت کا گراف گر گیا لیکن شاہ جی محبت کا جوں کا توں ہے۔ اس کو گرانا میرے بس میں نہیں آپ کی چاہت میرا لہو ہے، میری سانس ہے، مجھے آپ سے نہ کچھ چاہئے تھا نہ چاہئے ہے۔ آپ کے الفاظ سننے پر میں خود سے شرمندہ ہوں، مجھے اپنی خودداری بڑی عزیز تھی جو آپ نے میرا موقف سنے بغیر روند ڈالی۔ یہ میرا لاسٹ Message ہے آج کے بعد کبھی نہیں۔ جو آپ نے کیا اچھا کیا ہم جیسے چھوٹے لوگ ایسے ہی سیٹ آتے ہیں۔ آپ کو چاہتی رہنے والی پاگل''۔

حویلی آ گئی تھی انہوں نے چونک کر دیکھا پھر سیل اپنی پاکٹ میں ڈال کر گیٹ کے اندر چلے گئے۔

ماں جی اور زم زم تو خوشی سے بے حال اس سے لپٹ گئیں۔ ساری حویلی میں شادی کی تیاریوں کا سامان بکھرا پڑا تھا۔ وہ اس کی شادی بھی سیدہ نائیلہ وغیرہ کے ساتھ کرنے پر تلی ہوئی تھیں، انہوں نے اس کی ایک بھی نہ سنی حتیٰ کہ زم زم کو بھی نئی ماما کے لئے ذہنی طور پر تیار کیا ہوا تھا، وہ بہت ایکسائیٹڈ تھی اپنے بابا کی شادی کے لئے، بیڈروم میں جاتے جاتے وہ رک گئے کچھ قرض چکانا چاہتے تھے جو ان کے ضمیر پر بوجھ بنا ہوا تھا۔

''سکینہ ماسی! ادھر آئیں ذرا''۔

''وہ تو پتر ملتان ہے ادھر تو نہیں ہے''۔ ماں جی نے جواب دیا۔

''کیوں؟'' وہ جیب میں الگ سے رکھے پیسے چیک کر رہے تھے تاکہ سکینہ ماسی کو دے کر اپنے لفظوں کا کچھ مداوا کر سکیں، وہ لڑکی بھی اپنی بات کی پکی نکلی پھر کبھی اس کا Text نہ آیا تھا۔ تو اسی لئے ان کو ماسی سکینہ اور اس کے گھر کا خیال آ جاتا تھا، سوچ رکھا تھا کمرے کے لئے ان کو پیسے دوں گا، مگر یہ کیا وہ تو ملتان تھیں۔

''اس کی بیٹی بہت بیمار ہے۔ بس آج کل کی مہمان لگتی ہے، مجھے، تو اس کو ادھر بڑے ہسپتال میں داخل کرایا ہوا ہے''۔ ماں جی بتا رہی تھیں۔

''کون سی بیٹی ماں جی؟'' وہ چور سے ہو کر پوچھ رہے تھے۔

''ماہرہ جو ادھر حویلی آتی تھی، وہ جو بہت ہی سوہنی اور ملوک سی تھی''۔ وہ خاموش نظروں سے ماں کو دیکھ رہے تھے۔ وہ پتہ نہیں کیا سمجھیں تو مزید بولیں۔

''وہ جس کو تم نے گائے سے بچایا تھا۔ وہ والی''۔

''اس کو کیا ہوا ہے؟''

''دماغ میں کوئی گلٹی شلٹی ہے۔ ڈاکٹروں کو کوئی خاص امید بھی نہیں۔ وہ وچارے تو اپنا سب بیچ کر اس پر لگا بیٹھے ہیں اب تیرے بابا صاحب پیسے لگا رہے ہیں''۔ بیچ میں خیال آنے پر ان سے پوچھا۔

''تم نے کیا کہنا تھا''۔ وہ بولے۔

''کچھ پیسے دینا تھا''۔

''کل ملتان میں دے آنا ان کو تو ویسے بھی ضرورت ہے رب بھی راضی ہوتا ہے''۔

☆......☆

وہ ڈرائیو کرتے ہوئے مسلسل سوچ رہے تھے کچی عمر کی لڑکی تھی، پتہ نہیں کیا کیا خواب دیکھ رکھے تھے، اس کی اس بیماری میں مبتلا ہونے کی عمر تو نہ تھی۔ وہ بابا صاحب سے پوچھ کر سیدھے ہاسپٹل چلے آئے۔

"اف...... یہ تو وہ ماہرہ نہ تھی کوئی ہڈیوں کا ڈھانچہ تھا۔ جو بستر پر بے سدھ پڑا تھا، لمبے بال جو بھی حسین ہوا کرتے تھے، جن سے زندگی کی مہک اٹھتی تھی، اجڑے اجڑے بیڈ پر ادھر ادھر بکھرے تھے۔ ماسی سکینہ پاس بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھی، ان کو دیکھا تو بلا اختیار رو پڑیں۔"

"خاور شاہ جی میری نمانی دھی......" وہ بس روئے گئیں۔

ماہرہ نے اس نامانوس آواز پر آنکھ کھولی تو دیکھا وہ دشمن جاں اسی کو دیکھ رہا تھا۔ اسی کی وجہ سے شور تھا، اسے لگا وہ اس کا تماشہ دیکھنے آئے ہیں۔ سر میں ناقابل برداشت درد کی لہریں اٹھیں وہ اٹھ کر اپنا سر بیڈ پر پٹخنے لگی، اس کے چہرے پر اتنی تکلیف تھی کہ شاہ خاور حیات جیسے مضبوط مرد کا بھی دل ہل گیا، نرسز اس کو قابو کرنے لگیں، اس کے ہاتھ میں ڈرپ کی کینولہ رہ گئی، ڈرپ علیحدہ جھولنے لگی، وہ اس ساری صورت حال کو بہت بے دم ہو کر دیکھ رہے تھے، اس کے ایمرجنسی جانے کے بعد وہ اس کے ڈاکٹر سے ملنے روم میں گئے تو بڑی خوشگوار حیرت ہوئی ڈاکٹر فیصل ان کے ہاسٹل فیلو تھے، بلکہ گہرے دوست کہنا زیادہ مناسب تھا۔ ڈاکٹر فیصل نے کھڑے ہو کر ویلکم کیا تو شاہ خاور بولے۔

"نیم پلیٹ دیکھ کر تیرا خیال آیا تھا کنفرم نہیں تھا"۔

کچھ دیر بعد وہ ماہرہ کے کیس کو ڈسکس کر رہے تھے۔

"یار! سارے Expenses میں اٹھاؤں گا، تم بس ابراڈ میں آپریشن کنفرم کروادو، اپنے سارے سورسز یوز کرو وہ بہت تکلیف میں ہے"۔

"ففٹی ففٹی چانسز ہیں تو فائٹ تو کرنا چاہئے ناں باقی جو اللہ کو منظور"۔ شاہ خاور اپنی رائے دے رہے تھے۔ تو ڈاکٹر فیصل نے بڑی عجیب بات کی۔

"شاہ صاحب! یہ چانسز ففٹی سے بڑھ کر سکسٹی تک جاسکتے ہیں اگر مریضہ صاحبہ خود جینا چاہیں تو......؟"

"کیا مطلب وہ خود زندہ نہیں رہنا چاہتی کیا؟" وہ تعجب سے ڈاکٹر سے پوچھ رہے تھے۔

"جی ہاں، بالکل یہی بات ہے وہ زندگی سے day by day دور جا رہی ہے اس کے اندر زندگی کی خواہش نہیں ہے۔ تو اس لئے بھی یہ آپریشن زیادہ رسکی ہے، ایسی صورت میں پیشنٹ اپنی ول پاور کو یوز نہیں کرتا تو رزلٹ بھی پھر اچھا نہیں نکلتا۔ یو نو واٹ ایم آئی سینگ؟"۔

وہ ششدر بیٹھے سب سن رہے تھے کیا جواب دیتے الٹا ماہرہ کی باتیں یاد آ رہی تھیں، جو وہ وقتاً فوقتاً اپنے مرنے کے متعلق کیا کرتی تھی۔

"خاور شاہ! یار ایک بار پوچھوں اگر مائنڈ نہ کرو تو"۔

"ہاں، ہاں پوچھا ایسی کیا بات ہے"۔ وہ بولے۔

"اس لڑکی سے تیرا کبھی کوئی میرا مطلب کوئی اسپیشل ایسوسی ایشن"۔ وہ دم بخود بیٹھے۔

"خاص تعلق کا کیا بتاؤں؟"

"برا مان گئے ہو یار؟"

"نہیں برا تو نہیں البتہ سوچ رہا ہوں، میرا خاص تعلق تو نہ تھا وہ ہی کہتی تھی وہ مجھ سے عشق کرتی ہے۔ میرے بنا زندہ نہیں رہ سکتی، اب پتہ نہیں کیا ہے"۔ وہ اپنا سر تھام کر بیٹھ گئے۔

"تین بار ایسا ہوا کہ اس نے بے ہوشی میں آپ کا نام لیا میں تو تب ہی ٹھٹھک گیا تھا، اس کی حالت ایسی نہیں کہ کچھ پوچھوں سو آپ سے پوچھ لیا۔ ایمرجنسی میں جب جان کے لالے پڑے ہوں تو انسان اس کو یاد کرتا ہے، جو جان سے پیارا ہو یا جس نے جان سے بڑھ کر دکھ دیئے ہوں مطلب جانی دشمن"۔

ڈاکٹر فیصل رک کر تھوڑا سا مسکرائے وہ اپنی ہی بات کو انجوائے کر رہے تھے۔

سید خاور حیات خاموش بیٹھے تھے، بالکل صم بکم۔

"خاور یار! تم اس سے شادی کرلو میرا مطلب نکاح"۔ خاور شاہ نے اپنی خاموش نگاہیں اٹھا کر ڈاکٹر کو دیکھا تو ڈاکٹر فیصل قائل کرنے والے انداز میں بولے۔

"یہ کسی کی زندگی بچانے کا سوال ہے، اس میں زندگی کی امنگ ابھرے گی تو بیماری کا مقابلہ نسبتاً آسان ہو جائے گا"۔

"او کے۔ میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا"۔ ان کے جواب نے ڈاکٹر کو خوشگوار حیرت سے دوچار کیا، پھر جیسے آناً فاناً سب کچھ ہو گیا۔

☆......☆

حویلی میں جیسے بلاسٹ ہو گیا تھا، خود ماہرہ کے والدین اس واقعے کے بعد سکتے میں تھے، تو حویلی والوں کا ناراض ہونا تو بنتا ہی تھا۔ لیکن اس سب سے لاپرواہ ہو کر سید خاور حیات صبح سے بیزی تھے، اس کے اپنی بیوی کی حیثیت سے تمام ڈاکومنٹ ارجنٹ بنوا رہے تھے، تاکہ جلد از جلد وہ فارن جا سکے۔ وہ سرجری میں مزید تاخیر نہ کرنا چاہتے تھے، لیکن اس سے بھی پہلے وہ اس میں زندگی کی چاہ ڈالنا چاہتے تھے۔ اسی مقصد کے لئے اپنے بیڈ روم کی طرف چل دیئے۔ جہاں وہ کم عمر نادان سی لڑکی ان کی بیوی کی حیثیت سے صبح ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو کے آنے کے بعد سے مقیم تھی۔ وہ اندر داخل ہوئے تو نرس اور ملازمہ باہر نکل گئیں وہ نپے تلے قدم اٹھاتے ہوئے بیڈ کے پاس جا کھڑے ہوئے، ماہرہ جانے کیوں کانپنے لگی اسے سمجھ نہ آئی کہ یہ بیماری کی کمزوری ہے یا احساس کی شدت۔

انہوں نے جھک کر اپنے شوز اتارے شال صوفے پر اچھالی اور بڑی فرصت سے جیسے بیڈ پر بیٹھ کر اس کا جائزہ لیا۔

"لگتا ہے نرس اور ملازمہ نے بڑی محنت کی ہے، فریش لگ رہی ہو بلکہ اچھی لگ رہی ہو"۔

ماہرہ کو اگرچہ نہلا دھلا کر سرخ لباس ہی پہنایا گیا تھا، مگر وہ روایتی دلہن تو کہیں سے نہ لگ رہی تھی، سرخ رنگ میں اس کی زرد رنگت مزید نمایاں ہو رہی تھی۔ اب وہ اس کے کمبل میں نیم دراز ہو رہے تھے، ماہرہ اٹھ کر بھاگنے کی ہمت بھی نہ کر سکی سوچ تو یہی تھی غصہ بھی تھا، کہ ہمدردی کرتے کرتے یہ اتنے پاکیزہ رشتے کی بھیک اس کی جھولی میں کیوں ڈال دی۔

وہ جیسے اس کی سوچ کو پڑھ رہے تھے، انہوں نے اپنا بازو اس کے سینے پر سے گزار کر اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

ماہرہ کے حواس مختل ہونے لگے وہ جیسے بے ہوش ہونے کو تھی، ان کے جسم کی خوشبو پرفیوم کے ساتھ مل کر اسے پاگل کیئے دے رہی تھی۔

اب وہ چوڑیاں ہٹا کر اس کی کلائی سہلا رہے تھے، پھر وہ اس کی کلائی اس کے بازو پر لگے سوئی کے نشانات کو چومنے لگے، ماہرہ سچ مچ بے ہوش ہونے لگی تو وہ اسے جھٹکا دے کر بولے۔

"مجھے دیکھو گی نہیں؟ ایسا کیا ہے مجھ میں جو اس قدر محبت کر بیٹھی ہو"؟ وہ اس کے بالوں سے کھیلتے ہوئے پوچھ رہے تھے۔ ماہرہ بے دم ہو رہی تھی ان سے محبت کرنا اور بات تھی ان کی محبت کا سامنا کرنا الگ بات۔

"میری جان کچھ تو بولو!" وہ اس کے بالوں میں گھستے ہوئے بولے۔

"میں آپ کی جان نہیں ہوں جھوٹ نہ بولیں"۔ وہ ان کے شدید انداز سے بچتے ہوئے بولی کہ بولے بغیر چارہ نہ تھا۔

"میں جھوٹ نہیں بولتا"۔ وہ اس کا سر جیسے وارننگ والے انداز میں ہلا کر بولے ساتھ بھرپور مسکراہٹ بھی تھی۔

"تمہاری محبت سے میں نے ہار مانی ہے، تمہاری ہمدردی اپنی جگہ لیکن نکاح کا فیصلہ بہر حال تمہاری چاہت کو سمجھ کر ہی کیا ہے، اب چاہے جو بھی ہو۔ زم زم اور تم میری جان ہی ہو، میں کسی کے دباؤ میں آنے والا نہیں ہوں"۔ وہ سنجیدہ انداز میں اسے سمجھا رہے تھے۔

"آپ کسی کے پریشر کی ٹینشن نہ لیں، نہ کسی کو میری خاطر ناراض کریں، میری زندگی ہے ہی کتنی؟"

وہ یاس بھرے انداز سے بولی۔ تو شاہ خاور کے دل کو کچھ ہوا۔

وہ ہڈیوں کے اس ڈھانچے کو خود میں سمیٹنے لگے، جیسے اپنی زندگی اس میں ڈال رہے ہوں، اسی لئے تو ہاسپٹل سے ڈسچارج کروایا تھا تاکہ اس کو اپنی بھرپور توجہ اور محبت کا یقین دلا سکیں اس میں اپنے سنگ جینے کی امنگ بھر سکیں۔

"بری بات...... ایسے نہیں کہتے ابھی تو تم نے زندگی میں رنگ دیکھنے ہیں، پیار دیکھنا ہے ایک الگ زندگی ایک نئی زندگی جینی ہے"۔

"شاہ جی!" "جی شاہ کی جان......" ان کو ماہرہ کا شاہ جی کہنا اتنا اچھا لگا کہ بے ساختہ جواب دیا۔

"ماں جی اور آپ کے بابا صاحب تو بہت ناراض ہوں گے، آپ پلیز مجھے چھوڑنا مت، اپنا نام میرے نام سے لگا رہنے دینا میرا کتبہ بھی ماہرہ خاور شاہ کے نام سے بنوانا بیشک کسی گمنام بستی میں دفن کر دینا، جہاں آپ کی عزت کو کوئی زک نہ پہنچے"۔

وہ اب ان کی قربت کے جھٹکے سے سنبھل چکی تھی۔

"ماں جی اور بابا صاحب ایک نوکرانی سے شادی کو کبھی بھی قبول نہیں کریں گے، آپ لوگ تو خاندان سے باہر شادی نہیں کرتے۔ کہاں ملازمائیں اور نوکرانیاں۔ آپ نے مجھے اتنی عزت دے دی یہی بہت ہے میرے لئے"۔

"یہ بہت نہیں ہے مجھے تو تم چاہیے ہو پوری کی پوری وہ بھی پہلے کی طرح بیوٹی فل"۔ وہ بڑے معنی خیز انداز سے بولے۔

"اب مرنے مارنے کی باتیں ختم کرو جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ، تاکہ میرا بھی کچھ بھلا ہو۔ ویسے بھی جب سے زم زم کی فرینڈ کی بہنا دنیا میں آئی ہے زم زم نے بھی بہنا لینے کی ضد باندھی ہوئی ہے اور میں اپنی بیٹی کی سب ضدیں پوری کرنا اپنا اولین فرض سمجھتا ہوں"۔ وہ اس کی ناک پکڑ کر بھرپور شرارت کر رہے تھے۔

"تمہاری میڈیسن کا ٹائم ہو گیا ہے میں نرس کو بلاتا ہوں تم کچھ بھی نہ سوچو اور کے میں صبح حویلی جا رہا ہوں، سب ٹھیک ہو جائے گا میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑوں گا، جب تک میری زندگی ہے تم میری زوجہ محترمہ بن چکی ہو، بس یہ سوچو باقی سب بھول جاؤ، ریسٹ کرو یہ تمہارے لئے بہت ضروری ہے۔"

......☆......

آج اس کی فلائٹ تھی گاؤں سے ماں جی اور بابا صاحب اسے سی آف کرنے کے لئے خود آئے تھے، جانے یہ معجزہ کیسے ہوا تھا شاہ خاور نے ایسا کون سا اسم اعظم پھونکا تھا کہ وہ اسے اپنانے پر تیار ہو گئے تھے، پچھلے ایک ہفتے سے وہ جیسی زندگی جی رہی تھی اسے وہ معجزہ ہی لگتی تھی۔

کوئی خواب سا تھا وہ ڈر کے مارے پلک نہ جھپکتی تھی اگر ٹوٹ گیا تو...... لیکن شاہ جی یقین دلا کر ہی چھوڑا۔

"میں نے اس ایک ہفتے میں اتنا جی لیا ہے کہ موت آسان لگنے لگی ہے، دل کرتا ہے اسی خواب میں مر جاؤں"۔ خاور شاہ نے اسے جھٹکا دے کر خود سے علیحدہ کر دیا۔

"پھر مرنے کی بات......"

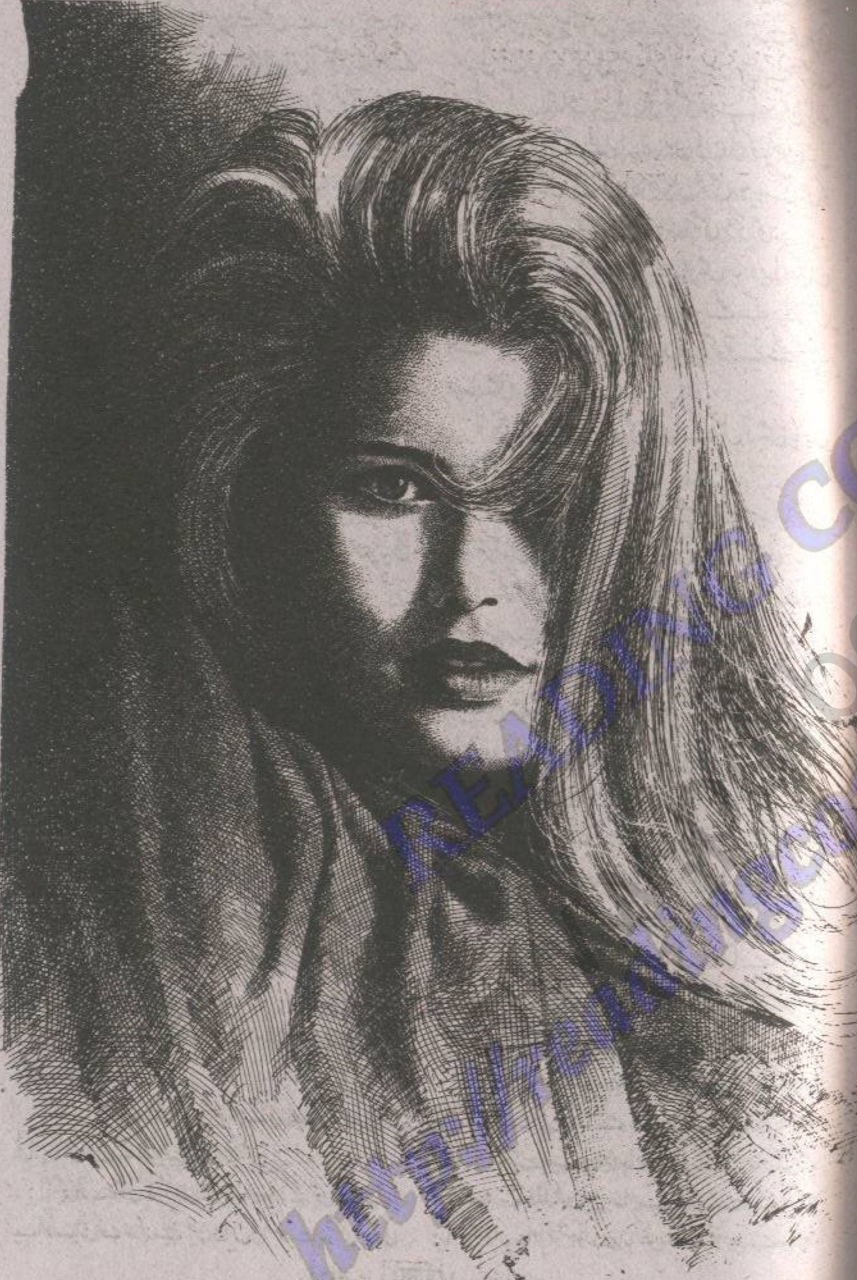
اے میری زندگی تو میرے ساتھ ہے
اب مجھے اس زمانے کی پرواہ نہیں
جان دے دوں بھی میں جان لے لو بھی
کوئی قیمت چکانے کی پرواہ نہیں

وہ جواباً شرارت سے گنگنائی تو وہ مسکرا دیئے۔

"چلو جلدی نکلو فلائٹ مس نہ ہو جائے"۔ وہ ایک بار پھر سے اس کی رپورٹس اور ڈاکومنٹ چیک کرنے لگے تو ماہرہ محویت سے ان کو دیکھنے لگی۔

"میرے محبوب، میرے شوہر میں آپریشن تھیٹر سے کامیاب لوٹوں گی آپ کے لئے زم زم کے لئے۔" ایک نئے عزم کے ساتھ اس نے ایئرپورٹ جانے کے لئے نرس کا ہاتھ تھام لیا۔

......☆......



کچھ خاص ہے

عائشہ احمد

افسانہ

وہ ساحل سمندر کے کنارے چلتے چلتے ایک لمحے کے لئے ٹھہر گیا۔ وہ سر جھکائے بے خبر کسی سوچ میں گم تھی اس نے چونک کر دیکھا تو وہ دو چار قدم آگے بڑھ گیا۔ دوسری بار بھی پھر یہی ہوا کہ وہ اس کے بہت قریب آ کر بولا۔

"میم! مائنڈ مت کیجئے گا آپ میں کچھ ایسا خاص ہے کہ میں آپ کے قریب آنے پر مجبور ہو گیا ہوں"۔ وہ بلیک ٹریک سوٹ میں اس کے سامنے کھڑا ایک ٹک دیکھ رہا تھا۔ وہ بری طرح چونک کر کھڑی ہو گئی۔

"آپ مجھ سے دوستی کریں گی"؟ وہ بلاتکلف بول گیا، پانی کی ایک تیز لہر آئی اور اس کے قدموں کو چھو کر گزر گئی۔ وہ دو قدم پیچھے ہٹی تو سامنے کھڑا حمزہ دو قدم آگے بڑھا۔

"مجھ سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں میں روز اسی ٹریک پر جاگنگ کرتا ہوں آج پہلی بار ایسا اتفاق ہوا کہ میں رکنے پر مجبور ہو گیا"۔

"دیکھیں پلیز! میں اپنی فیملی کے ساتھ آئی ہوں آپ جائیں یہاں سے پلیز"۔ ہانیہ نے بے ساختہ کہا۔

"ایکسکیوز می میم! میں چلا جاؤں گا بس یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ میں کچھ ایسا خاص ہے"۔ وہ اسے پھر غور سے دیکھنے لگا۔ ہانیہ کو یوں لگا ریت اس کے قدموں تلے پھسل رہی ہے۔ اور وہ گہرے سمندر میں اتر رہی ہے۔

"یہ جملہ کہ مجھ میں کچھ خاص ہے میں کئی بار سن چکی ہوں، ایسا کیا خاص ہے"۔ وہ پھر بولی۔

"میم! مجھے ایک مس بیل کرنی ہے جاگنگ کرتے وقت میں اپنا سیل گاڑی میں بھول آیا ہوں مجھے اپنے ڈرائیور کو کال کرنی ہے"۔ غیر ارادی طور پر اس نے اپنا سیل آگے بڑھا دیا تھا جونہی حمزہ سیل واپس تھما کر مڑا پانی اور سمندر کے شور میں اسے ایک آواز بازگشت کرتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"ایکسکیوز می سر! مجھ میں کیا ایسا خاص ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں"۔ میں آپ کو کال کر کے بتا دوں گا"۔

"اونو۔ وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا، تبھی تیز تیز چلتی ہوئی اس کی کزن رومیصہ بھاگتی ہوئی آ رہی تھی، لیکن حمزہ دور جا چکا تھا۔

"یہ کون تھا کیا باتیں کر رہی تھیں اسے کچھ دیتے ہوئے میں نے خود دیکھا ہے، آخر تم یہاں بھی اپنی حرکت سے باز نہیں آئیں"۔

"نہیں رومیصہ ایسا کچھ نہیں ہے وہ بھی یہی کہہ رہا تھا کچھ خاص ہے مجھ میں"۔ اس کا لہجہ حیران کن تھا۔

"جادوگرنی کہیں کی، دیکھا تم نے۔ چلو واپس گھر امی کو میں سب کچھ بتاؤں گی۔ سچ سچ بتاؤ تم تمہارے پاس کوئی جادوئی پاور ہے۔ ہر وقت تم نماز اور وظائف میں لگی رہتی ہو، مجھ کو تماشہ بنا کر رکھ دیا ہے"۔

"کتنی بار کہوں کہ میں کوئی جادو نہیں کرتی"۔ وہ روہانسی ہو گئی۔

"شکل میں تم مجھ سے کم ہو تعلیمی لحاظ سے بھی تم مجھ سے پیچھے ہو اب میں نے امی سے کہہ دیا ہے کہ اگر کوئی رشتہ آیا تو ہانیہ سامنے نہیں آئے گی"۔ رومیصہ نفرت بھرے لہجے میں بولی۔

"میں کب آتی ہوں ان کے سامنے"۔ ہانیہ بولی۔

"ہاں وہ تمہاری مہک سونگھتے ہوئے پیچھے چلے آتے ہیں ناں۔ کبھی کبھی مجھے اس حقیقت کا احساس ہوتا ہے"۔

"لیکن رومیصہ! ایسا کچھ نہیں ہے اب اگر کوئی آئے ناں تو میں پھپھو کے ہاں چلی جاؤں گی"۔ اس کا لہجہ بے بسی سے ٹوٹ رہا تھا۔

"ہاں تاکہ سارا کام مجھے کرنا پڑے اور بیگم صاحبہ پھپھو کے گھر

جا کر بیٹھ جائے۔ بس تم یہ کرنا جلدی سے چائے کی ٹرے رکھ کر ہٹ جانا۔ رکنے اور بیٹھنے کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ ہدایت نامہ جاری کر چکی تھی۔ واپسی پر تمام راستے ہانیہ اس اجنبی کے بارے میں سوچتی رہی، اور اجنبی کی آواز اس کے کانوں میں گونجتی رہی۔

"آپ میں کچھ خاص ہے۔"

"ایسا کیا خاص ہے مجھ میں، نہ ماں نہ باپ، تایا ابا کے در پر پڑی ہوں۔ رومیصہ کا رشتہ طے ہونے کے بعد ختم ہو جاتا ہے۔ وجہ میں قرار پاتی ہوں۔" وہ سوچ رہی تھی۔

☆......☆

دس دن کے بعد پھر رومیصہ کا رشتہ آیا تھا آنے والے لوگ رومیصہ سے مل کر بہت مطمئن لگ رہے تھے۔ اچانک مہمانوں کی نظر گزرتی ہوئی ہانیہ پر پڑی۔ تو ان میں سے ایک خاتون سکتے کی کیفیت میں اس کے پیچھے بڑھیں۔

"پلیز......" ہانیہ نے مڑ کر ان کو دیکھا اور جلدی سے اپنے روم میں چھپ گئی تھی۔ آنے والی خاتون جویریہ کی ماں، رومیصہ کی ماں سے بولیں تھیں۔

"یہ کون ہے؟"

"کیا بتاؤں میں، منحوس ہے ماں باپ کو کھا گئی ہمارے متھے ماری گئی ہے کیا کریں مجبوری ہے ہماری۔" رومیصہ کی ماں بولیں۔

"لیکن آپا......" جویریہ کی ماں آہستہ سے بولیں۔

"جب یہ یہاں سے گزری تو میں چونک پڑی اس میں کوئی خاص بات ہے۔" جویریہ کی ماں بولیں۔

"بن ماں باپ کی بچی ہے اگر آپ کہیں تو ابھی ہاں کر دوں۔" پھر جویریہ کی ماں بولیں رومیصہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ چھوٹ کر گرا۔ وہ گھبرا کر کھڑی ہو گئی جویریہ جلتے جلتے بچی۔

"کالی بلی پھر راستہ کاٹ گئی۔" رومیصہ کی ماں پھر غصے سے بولیں۔

"میں سمجھی نہیں کالی بلی راستہ کاٹ گئی یہاں تو کوئی کالی بلی نظر نہیں آئی۔" جویریہ کی ماں بولیں۔

"یہی تو ہے کالی بلی منحوس۔ جب میری کسی بیٹی کا رشتہ آتا ہے، لوگ اسی کو پسند کر لیتے ہیں نہ اس کی صورت نہ شکل ہر کوئی یہی کہے جاتا ہے کہ کوئی خاص بات ہے۔ آج میں اس کو بتاتی ہوں کہ اس میں کیا خاص بات ہے۔" جویریہ اور اس کی ماں اپنی ہمسائی کے ساتھ چلی گئی تھیں مگر رومیصہ کی ماں نے کمرے میں گھس کر بے تحاشہ ہانیہ کی پٹائی کی تھی، جب کچھ نہ بن پڑا تو انہوں نے اس کے لمبے لہراتے بالوں کی چوٹی کو ہاتھوں میں لپیٹ لیا تھا۔ بھینی بھینی خوشبو کا احساس جونہی رومیصہ کی ماں کو ہوا ان کے ہاتھ کی گرفت آہستہ آہستہ ڈھیلی پڑ گئی تھی۔

"کون سا تیل تم نے ڈالا ہے سر میں جادوگرنی، کہاں سے لائی ہے یہ تیل، میں بھی ایک لمحے کے لئے اس وقت اسیر سی ہو گئی ہوں یوں لگ رہا ہے کہ تو نے مجھے اپنے حصار میں لے لیا ہے۔"

"سچ تائی جان! کچھ بھی نہیں ہے تیل تو میں بالوں میں ڈالتی ہی نہیں ہوں۔"

"پھر جھوٹ" انہوں نے ایک تھپڑ اسے رسید کیا تھا۔

"سچ میں کوئی جادو نہیں کرتی میں کوئی تیل نہیں لگاتی۔"

"کچھ کرتی تو ہے ضرور، جب کوئی رشتہ آتا ہے تو تو کیوں شاور لینے جاتی ہے اور مہکتی ہوئی وہاں سے نکلتی ہے۔"

"تائی امی! کام کر کے میں پسینے میں شرابور ہو جاتی ہوں تبھی شاور لینے چلی جاتی ہوں۔" ہانیہ سسکتے ہوئے بولی تو وہ غصے سے اس کی چوٹی کو چھوڑ کر باہر نکل آئیں تھیں۔ جہاں رومیصہ بیٹھی رو رہی تھی تو وہ آ کر بیٹھ گئیں۔

"دیکھو بیٹا! رشتے آسمانوں پر بنتے ہیں جو تمہارے نصیب کا ہو گا وہ آ کر رہے گا رومیصہ ایک بات سن تھوڑا سا تو مجھے سراغ ملا ہے اس کے بالوں میں تو ہے کچھ ضرور، سائے کا اثر ہو سکتا ہے، جادو کا اثر ہو سکتا ہے، جونہی میں نے اس کی چوٹی پکڑی ایسی بھینی بھینی خوشبو میرے اطراف میں پھیل گئی کہ میں محصور ہو گئی۔"

"اماں! پیر صاحب نے کہا تھا کہ اس کی چوٹی کے بال لاؤ۔ میں نے اس کے کنگھے سے سارے بال نکال لئے تھے۔ کاغذ میں لپیٹ کر پیر صاحب کو دیئے تھے جونہی پیر صاحب نے کاغذ کھولا پیر صاحب چونک سے گئے سونگھو بیٹا سونگھو یہ عام خوشبو سے بالکل الگ خوشبو ہے۔ بیٹا

جنت میں حوروں کے بالوں میں تو ایسی خوشبو ہوتی ہو گی۔ مگر میں نے بیٹا عام بالوں میں ایسی خوشبو کبھی نہیں دیکھی۔ اماں تم صحیح کہہ رہی ہو۔ اماں یہ کوئی چیز پڑھوا کر لائی ہے جو سر میں لگاتی ہے۔ اس کے کمرے میں تلاشی لیتی ہوں"۔ پھر رومیصہ نے ایک ایک جگہ کی تلاشی لے ڈالی وہاں اسے کچھ بھی نہ ملا۔

"اماں یہ ہے ویسے بڑی چالاک، اب اگلا رشتہ آنے دو پھر میں اس کو واچ کرتی ہوں"۔ رومیصہ اپنے آنسو پونچھ کر بولی وہ ابھی تک اپنی ذلت اور رسوائی بھول نہیں سکی تھی جو رشتے والی دے کر گئیں تھیں۔

"رومیصہ! تم مایوس نہ ہو اللہ ایک دن ضرور تم پر کرم کرے گا"۔

"اماں! آپ سے ایک بات کہوں، اماں اس کا رشتہ آپ کروا دیں نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری"۔

"لوگ کیا کہیں گے کہ تم اس سے بڑی ہو اور وہ چھوٹی کیسے کروں اس کی پہلے"۔

"تو یہ روز روز کا تماشہ مجھ سے نہیں ہو گا"۔ رومیصہ زچ ہو کر بولی۔

"ویسے اماں! آپ ابا کو بتا دیں کہ یہ رات میں کسی سے سیل پر بات کرتی ہے۔ اگر ایسا ویسا ہے ناں تو اس کو چلتا کر دیں اس کے ساتھ میری مانیں تو"۔ رومیصہ بولی تو وہ بولیں۔

"میں تو خود یہ چاہتی ہوں کہ یہ جادوگرنی یہاں سے چلی جائے کچھ کرنا پڑے گا"۔ وہ پرسوچ انداز میں بولیں۔

☆......☆

ہانیہ نے ڈرتے ڈرتے تائی امی کو بتایا تھا۔

"تائی اماں! جب ہم پکنک پر گئے تھے وہاں ایک لڑکا ملا تھا مجھے۔ تائی اماں یقین کریں اس نے مجھے بے وقوف بنا کر میرا نمبر لے لیا۔ اب وہ مان نہیں رہا وہ کہتا ہے کہ شادی کروں گا تو تم سے کروں گا وہ گھر آنا چاہتا ہے"۔ وہ ڈرتے ڈرتے بولی، تائی امی نے آؤ دیکھا نہ تاؤ انہوں نے دو تھپڑ لگا دیئے پھر بال کھینچ کر بولیں۔

"سارا جادو تیرے آسیب زدہ بالوں میں ہے یہ بات تو میں جان گئی ہوں یہ گل کھلائے گی مجھے معلوم نہ تھا"۔ انہوں نے پھر دو تھپڑ ہانیہ کو مارے، تائی امی نے تایا ابا سے بات کر کے آخر اس کہانی کا چیپٹر کلوز کرنے کی سوچ ہی لی۔

صبح آ کر رومیصہ بول گئی تھی۔

"ہانیہ! امی ابا تمہارے اس رشتے پر راضی ہیں تم شام میں اسے بلا لو، اگر وہ راضی ہے تو امی ابا کو کوئی اعتراض نہیں"۔ رومیصہ بولی۔

"ہیں رومیصہ...... تائی امی مان گئی ہیں، تو میں اس کو بلا لوں کہ وہ شام کو آ جائے"۔ ہانیہ بولی۔

"ہاں تم اسے بول دو کہ وہ شام کو آ جائے"۔

ہانیہ! اس لڑکے سے بات کرنے کے بعد بہت بے چین سی ادھر ادھر ٹہل رہی تھی۔

"تائی امی! میں تھوڑی دیر کے لئے باہر چلی جاؤں مجھے کچھ لینا ہے"۔

"کیا لینا ہے تمہیں ایسا"۔ تائی امی شک بھری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولیں۔

"کیا چاہئے تمہیں کوئی میک اپ، لپ اسٹک یا پاؤڈر لگا کر بیٹھو گی"۔ وہ بہت غصے سے بولیں۔

"نہیں تائی امی! مجھے لینا ہے کچھ خاص"۔ ہانیہ ڈرتے ڈرتے بولی تو تائی امی غصے سے اندر چلی گئیں اور رومیصہ سے بولیں۔

"رومیصہ اس کا پیچھا کر یہ کوئی خاص چیز لینے جا رہی ہے مگر مجھے اس کا نام نہیں بتا رہی"۔

"اماں! وہ بہت چالاک ہے لینے جا رہی ہو گی کوئی کریم میک اپ وغیرہ تا کہ آنے والے کو بن سنور کر دکھائے"۔

"اسی لئے تو کہہ رہی ہوں کہ اس کا پیچھا کر صبح سے بے چین ٹہل رہی ہے کہ تیرے ابا جائیں تو یہ بھی باہر جائے"۔ تائی بولیں۔

"ٹھیک ہے اماں آج میں اس کا پیچھا کروں گی، ابا تو چار بجے چلے جائیں گے اس کے بعد یہ نکلے گی"۔ رومیصہ بولی۔

ہانیہ بڑی خاموشی سے اپنا بیگ اٹھا کر تائی امی کی اجازت سے باہر نکلی تھی۔ رومیصہ دبے قدموں چلتی ہوئی ہانیہ کے پیچھے آئی تھی۔

"بھائی صاحب! لائف بوائے شیمپو دیجیے گا۔ جس کو میڈل ملا ہے نقلی نہ دے دیجیے گا آج میری تقدیر بدلنے جارہی ہے"۔ وہ لائف بوائے شیمپو بیگ میں رکھتے ہوئے بولی۔

"یہ سب سے سستا اور برانڈڈ شیمپو ہے۔ میں تمام عمر کمپلیکس میں رہی کہ میں اتنی خاص نہیں ہوں مگر اس شیمپو کی خوشبو نے مجھے بہت خاص بنادیا"۔ پیسے دیتے وقت وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی تھی۔ دو قدم پیچھے چلتی ہوئی رومیصہ نے اس کا بیگ تھام لیا تھا۔

"دکھاؤ تم نے کیا خریدا ہے"۔

"نہیں رومیصہ باجی نہیں آپ تائی امی کو بتادیں گی اور وہ مجھ سے خفا ہوں گی"۔

"دکھا مجھے اس میں کیا ہے ایسا"۔ اس نے جھٹکے سے اس کا بیگ لے لیا۔

"رومیصہ باجی آرام سے"۔ اس نے اپنا بیگ دوبارہ لینا چاہا، لیکن رومیصہ اس سے بیگ چھین چکی تھی۔

"اچھا...... تو یہ ہے"۔

"ہاں رومیصہ باجی! جو میں تائی اماں سے چھپ کر استعمال کرتی ہوں اس نے مجھے کچھ خاص بنادیا ہے۔ نہ صرف خوشبو بلکہ اس کے استعمال سے میرے بالوں میں مضبوطی، چمک اور خوبصورتی آگئی ہے اس کے بنا تو میں رہ ہی نہیں سکتی"۔

"اچھا تو یہ تھا تمہارا راز، جس کو تم نے ہم سے چھپائے رکھا"۔

"نہیں رومیصہ باجی! سچ کہہ رہی ہوں۔ یہ بھید تو اس دن کھلا جب ساحل سمندر پر وہ شخص بار بار میرے پاس آرہا تھا۔ میرے بالوں کی خوشبو اسے قریب سے قریب تر کررہی تھی۔ جب میں جان گئی اس میں کچھ خاص ہے، رومیصہ باجی ایک بات آپ کو بتادوں حمزہ کا دوست آج اس کے ساتھ ہمارے گھر آرہا ہے، اور آپ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہو اور آپ کے بال بھی بہت حسین ہیں آج آپ بھی لائف بوائے شیمپو کو استعمال کریں ہمارے اور آپ کے رشتے اور مضبوط ہوجائیں گے"۔

"سچ کہہ رہی ہو ہانیہ! ہم ہی تم پر شک کرتے رہے، پیروں، فقیروں نے ہر بار یہ کہا کہ تم جادوگرنی ہو تمہارے بالوں سے خوشبو آتی ہے، ایسی خوشبو حوروں کے بالوں سے آتی ہے، لیکن ہانیہ تم امی سے کچھ نہیں کہو گی میں آج لائف بوائے شیمپو استعمال کرکے اپنی قسمت کو آزماؤں گی"۔ وہ پلٹ کر دکاندار سے بولی۔

"بھائی! لائف بوائے گولڈ میڈل والا شیمپو دینا"۔

شام جب حمزہ اپنے دوست کے ساتھ ہانیہ کے گھر آیا۔ تو بہت اہتمام کیا گیا تھا فیملی کے کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ حمزہ نے ہانیہ کے ہاتھ میں ڈائمنڈ کی رنگ ڈالی اور پلٹ کر اپنے دوست احمد کو کہنی ماری تھی۔ سامنے ہنستی ہوئی رومیصہ حمزہ کو مٹھائی کھلا رہی تھی۔ احمد نے بہت گہری مسکراہٹ سے رومیصہ کو دیکھا تھا آنکھوں میں اس کی پسندیدگی اور محبت کا خمار محسوس کرکے رومیصہ رخ پھیر کر ہانیہ کی طرف دیکھنے لگی تو ہانیہ نے مسکرا کر اشارہ کیا تھا کہ دیکھو احمد نے تمہیں بھی پسند کرلیا۔

محبتوں کا ایک مضبوط تین گنا رشتہ
لائف بوائے شیمپو بھرپور
محبتوں کا خوشبو کا ایک سمندر
جس کے انداز محبت میں
انگلیاں بالوں میں خمار بھرتی ہیں
جس کی خوشبو سے
مہکتے ہیں بال سب کے
مضبوط رشتے ہیں محبت کے
ایک رنگ محبت میں پروئے ہوئے
رشتے اس کے
جو بنا ہے کچھ خاص ایسا
کہ جیون میں بھرے رنگ سب کے
ایک بار سہی تم بھی تو
اے جان جاناں استعمال کرکے دیکھو
صرف ایک بار، پھر بار بار

......☆......

ماریہ یاسر

افسانہ



"امی! میں نے حامد کے لئے بسکٹ منگوا کے یہاں کچن میں رکھے تھے اب مل نہیں رہے، آپ کو کچھ پتہ ہے کہاں ہیں"۔ کائنات نے ساس سے پوچھا۔

"نہیں مجھے کیا پتہ کہ تم نے کہاں رکھ دیئے، ڈھونڈو یہیں کہیں ہوں گے"۔ نگینہ بیگم نے دوپٹہ منہ پر ڈال کر اونگھتے ہوئے کہا۔

"امی! کیوں جھوٹ بول کر اپنی آخرت خراب کر رہی ہیں، ایک معمولی سی چیز کے لئے، دیکھ تو میں نے آپ کو لیا تھا بسکٹ کھاتے ہوئے دوپٹے کے اندر چھپا کے کھا رہی تھیں۔ آپ کچھ دیر پہلے لیکن ڈائریکٹ پوچھتے ہوئے شرم آرہی تھی مجھے"۔ کائنات نے دل میں سوچا اور 2 سالہ بیٹے حامد کو جو بسکٹ کے لئے رو رہا تھا اٹھا کر بہلانے لگی۔

"امی! آپ اندر اپنے کمرے میں جائیں، میں آپ کے لئے وہیں کھانا لا رہی ہوں، صحن میں بہت ٹھنڈ ہوگئی ہے آپ بیمار نہ پڑ جائیں کہیں"۔ کائنات نے ساس کو فکر مندی سے اٹھاتے ہوئے کہا۔ پھر انہیں کھانا دے کر بیٹے کو سلانے اندر چلی گئی۔

"یہ فرحان ابھی تک نہیں آئے حامد سو جائے تو فون کر کے پوچھتی ہوں، 8 تو بج گئے ہیں"۔ وہ پیار سے بیٹے کو تھپتھپاتے ہوئے سوچنے لگی۔

بیٹے کو سلا کر شوہر کو فون کرنے برآمدے میں لگے، فون اسٹینڈ کے پاس چلی آئی، کہ کچن سے کھٹ پٹ کی آوازیں آنے پر فون واپس کریڈل پر رکھ کر کچن کے پاس چلی آئی۔ لیکن کچن میں جو منظر دیکھا تو اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہ آیا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ سامنے اس کی ساس دودھ کے دیگچے سے جو چھوٹے حامد کے لئے ابال کر ٹھنڈا کرنے رکھا تھا، اس میں سے ایک گلاس ڈال کر فٹافٹ پی کر اسی گلاس میں کولر سے پانی ڈال کر دودھ کے دیگچے میں ملا کر اس پر ڈھکن رکھ دیا، تاکہ کائنات کو پتہ نہ چلے کہ دودھ کے ساتھ کوئی چھیڑ خانی ہوئی ہے۔ کائنات نے یہ سب تحمل سے دیکھا، پھر جب ساس اس سب سے فارغ ہو گئیں تو بولی۔

"امی! کچھ چاہئے تو مجھے بتا دیتیں، میں آپ کو لا دیتی"۔ نگینہ بیگم بہو کی آواز اچانک سن کر بوکھلا گئیں۔

"ارے نہیں میں تو یہ خالی برتن کچن میں رکھنے آئی تھی تو یہ دیکھا کہ دودھ پڑا ہے، تو اسے فریج میں رکھ دوں کہیں ایسا نہ ہو کہ خراب ہو جائے"۔ نگینہ بیگم نے جھوٹ کا سہارا لیا۔

"اچھا میں ذرا عشاء کی نماز پڑھ لوں اس کے بعد تھوڑی تسبیح پڑھوں گی، تم خود ہی رکھ دینا دودھ فریج میں"۔ کچن سے نکلتے نکلتے بہو سے کہا، ان کے جانے کے بعد کائنات دودھ کے برتن کو دیکھے سوچنے لگی۔

"اماں! پہلے کوئی کم پانی ملا ہوتا ہے۔ دودھ میں جو آپ نے بھی گلاس بھر کے انڈیل دیا۔ اگر آپ نے دودھ پینا ہی تھا تو اس دن فرحان جب آپ کے لئے دودھ لگوا رہے تھے، تو آپ نے یہ کہہ کر کیوں منع کر دیا کہ اس عمر میں کہاں دودھ پیا جائے گا، سوچ کر ہی ابکائی آنے لگتی ہے، میں نے نہیں پینا دودھ مت لگوانا میرے لئے"۔ وہ ساس کی دوہری ذہنیت کے بارے میں سوچنے لگی، لاشعوری طور پر سامنے ساس کے کمرے کی طرف نظر اٹھی تو وہ نماز پڑھنے میں مشغول تھیں۔ وہ چپ چاپ ان کو دیکھے گئی جواب تسبیح کرنے میں مصروف تھیں۔

"امی! ایک طرف تو آپ اتنی نیک ہیں کہ آج تک میں نے آپ کو کوئی نماز چھوڑتے نہیں دیکھا، چاہے آپ کی طبیعت جتنی بھی خراب کیوں نہ ہو کبھی نماز سے سستی نہ کی، کبھی کس سے لڑتے جھگڑتے نہیں دیکھا کسی کی غیبت کرتے نہیں دیکھا بس یہ جو آپ چھوٹے موٹے ایسے بے تکے جھوٹ جو بولتیں ہیں، ان کی سمجھ نہیں آتی کہ آپ ایسا کیوں کرتی ہیں۔ آپ سیدھے سیدھے فرحان کو کہہ دیتی کہ میرے لئے دودھ لگواؤ پھر آپ نے خود سے کیوں منع کیا۔ مجھے سمجھ نہیں آرہی"۔ وہ جانے کب سے یونہی کھڑی سوچے جا رہی

تھی کہ اچانک دروازے کی بیل پر چونک اٹھی اور دروازہ کھولنے چل دی۔

……☆……

"نگینہ آپا! کیسی ہو اور ایسے کیوں پڑی ہو طبیعت تو ٹھیک ہے ناں تمہاری"۔ پڑوس سے رضیہ آنٹی نے دوسری چارپائی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ہاں ٹھیک ہوں وہ بس ابھی ابھی بہو کے ساتھ کام ختم کروا کے کمر سیدھی کرنے لیٹی تھی، کہو کیا ہوا کیسے آنا ہوا؟" نگینہ بیگم نے مصروف سے انداز میں کہا اور وہ جو اندر کچن میں آٹا گوندھنے میں مصروف تھی۔ چونک گئی اور سوچنے لگی کہ امی کون سے کام کا بول رہی ہیں۔ وہ تو صبح ناشتہ کر کے جو لیٹی ہیں دھوپ میں تو ابھی تک لیٹی ہی ہوئی ہیں اور ناشتہ بنا کر اس نے سارے کام خود اپنے ہاتھوں سے کیے بغیر ساس کی مدد لیے ہوئے پھر وہ کون سے کام گنوا رہی ہیں۔

"آپا اب کام وام سب چھوڑ دو اب تو تمہارے آرام کے دن ہیں اب تمہاری عمر نہیں کام کی اور ماشاء اللہ سے بہو بھی تمہاری اچھی ہے، جو کام کہو چپ چاپ کرے جاتی ہے، تم ساری ذمہ داری اس پر ڈال کر اب اللہ اللہ کیا کرو"۔ رضیہ آنٹی کی بات سن کر وہ چائے کی ٹرے اٹھا کر ان کے پاس ہی چلی آئی، وہ جو جواب میں کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ کائنات پر نظر پڑتے ہی بات بدل دی۔

"اچھا تم یہ بتاؤ کہ آج کیسے یاد آ گئی تمہیں میری"۔

"وہ اصل میں آپا! میں کہہ رہی تھی کہ یہ جو نازیہ نہیں ہے وہ جو اسی گلی کے کونے والے گھر میں رہتی ہے"۔ انہوں نے محلے دار نازیہ کے بارے میں بتاتے ہوئے کہا۔

"ہاں، ہاں جانتی ہوں میں اس کو کیوں کیا ہوا اس کو"۔ نگینہ بیگم نے بسکٹ چائے میں ڈبوتے ہوئے پوچھا۔

"آپا! سنا ہے بڑی سخت بیمار ہے آؤ چل کے حال احوال پوچھ آتے ہیں، دونوں اس کا"۔ رضیہ آنٹی نے اپنے آنے کا مقصد بتاتے ہوئے خالی پیالی واپس ٹرے میں رکھتے ہوئے کہا۔

"ارے رضیہ! میں تو کل شام ہی اس کو دیکھ کے آئی ہوں، مجھے پتہ ہوتا کہ تم نے بھی جانا ہے تو میں تمہارے لیے رک جاتی"۔ نگینہ بیگم نے چائے کا آخری گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔ اور حامد کا پیمپر Change کرتے ہوئے کائنات نے سوچا کہ کل شام تو امی گھر سے باہر نکلی ہی نہیں تو یہ نازیہ کے گھر سے کب ہو کر آ گئیں؟

"اچھا تو آپا! پھر میں چلتی ہوں، اکیلے ہی جا کر دیکھ آتی ہوں"۔ رضیہ آنٹی نے مایوسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"امی! آپ کب نازیہ کے گھر گئیں، مجھے تو پتہ ہی نہیں چلا کیا ہوا ہے اس کو؟" رضیہ آنٹی کے جاتے ہی کائنات حامد کو گود میں اٹھائے ساس کے پاس آ بیٹھی۔

"ارے میں کہاں گئی ہوں کسی کے گھر مجھے کیا پتہ کہ وہ ٹھیک ہے کہ نہیں"۔ نگینہ بیگم نے تسبیح کے دانے پڑھ کر گراتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ نے آنٹی سے جھوٹ کیوں بولا"۔ اس نے حیرت سے پوچھا۔

"ارے وہ تو میں نے ایسے ہی کہہ دیا، اصل میں دسمبر کی اتنی اچھی دھوپ سے اٹھنے کا دل ہی نہیں کر رہا تھا"۔ ان کی تسبیح پڑھنے میں روانی آ گئی تھی۔

"تو آپ کہہ دیتیں کہ پھر کبھی چلے جائیں گے، آپ جھوٹ مت بولتیں"۔ کہتے کہتے کائنات کی نگاہوں میں دودھ اور بسکٹ والا واقعہ گھوم گیا۔

"ارے بی بی! کیا جھوٹ بولا ہے کہ میں نے، اس کو جھوٹ بولتے ہیں کیا میں نے تو بس ایسے ہی کہہ دیا، میرا مطلب کوئی جھوٹ ووٹ نہیں تھا"۔ نگینہ نے منہ پر دوپٹہ پھیلا کر ڈالتے ہوئے کہا اور وہ بے دلی سے اٹھ گئیں۔

……☆……

"خالہ! میں گاجریں منگواؤں تو تم مجھے ذرا ان کا اچار ڈال دو میرے ہاتھ سے خراب ہو جاتا ہے، پہلے بھی کئی بار ڈالا ہے ہر دفعہ خراب ہو گیا"۔ برابر والے گھر کی زوباریہ نے للچاتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ارے بیٹا! ضرور ڈال دیتی پر کیا ہے ناں میں نے بھی کافی عرصے سے ڈالا نہیں ناں تو اب میرے ہاتھ کا بھی خراب ہو جاتا ہے"۔ نگینہ بیگم نے بے چارگی سے کہا تو ساتھ بیٹھی کائنات نے سوچا کہ ابھی پچھلے مہینے ہی تو امی نے گاجر اور گوبھی کا اچار ڈالا تھا ایسے مزے کا کہ انگلیاں چاٹتے رہ جائیں، پھر امی کیوں منع کر رہی ہیں زوباریہ کو۔

"اچھا خالہ! پھر رہنے دیں چلیں میں خود ہی کوشش کرتی ہوں، پہلے تھوڑا ڈال کر دیکھتی ہوں کہ کیسا بنتا ہے، اگر ٹھیک بنا تو دوبارہ پھر بنا لوں گی، آپ کو بھی بھیجوں گی شاید آپ کو سمجھ آ جائے کہ کیا خرابی ہو جاتی ہے۔ مجھ سے، کیوں ٹھیک نہیں بنتا"۔ زوباریہ نے مایوسی سے کہتے ہوئے باہر کی راہ لی۔

"امی! آپ نے جھوٹ کیوں بولا؟ زوباریہ سے آپ نے، پچھلے مہینے تو اتنے مزے کا اچار بنایا تھا، بنا دیتیں اس کو بھی خوش ہو جاتی وہ"۔ کائنات نے سبزی کاٹتے ہوئے کہا تو جائے نماز فولڈ کر کے اپنی جگہ پر واپس رکھ کر چارپائی پر بیٹھتی نگینہ بیگم نے کہا۔

"میں نے کسی سے جھوٹ نہیں بولا، وہ تو میں نے بس ایسے ہی کہہ دیا اس کو میرا دل نہیں ہو رہا تھا، اچار ڈالنے کا"۔ پوتے سے کھیلتے ہوئے انہوں نے کائنات کو کہا۔

"امی! آپ سے ایک بات کرنی ہے، ناراض مت ہوئیے گا"۔ وہ سبزی ایک طرف رکھ کر ساس کے پاس آ بیٹھی۔

"امی! دیکھیں میں آپ کو یہ کہنا چاہ رہی ہوں کہ آپ جھوٹ مت بولا کریں"۔ "ارے بہو! کتنی بار تو تمہیں بولا ہے کہ میں نے جھوٹ نہیں بولا کبھی بھی نہیں، بس ایسے ہی کہا، جھوٹ ایسے ہی تھوڑے ہوتے ہیں۔ ان سے کسی کا کوئی نقصان تھوڑا ہی ہوا ہے۔ میں تو بس یونہی کہہ دیتی ہوں اب کیا کروں اگر میرا کوئی کام کرنے کا موڈ نہیں ہو رہا۔ اگر صاف منع کر دیتی تو برا لگ جاتا، زوباریہ کو اور رضیہ کو بھی تو اس لیے یونہی کہہ دیا"۔ نگینہ بیگم نے غصے سے کہا۔

"امی! وہ آپ نے اس لڑکے کی کہانی تو سنی ہو گی، جو مذاق میں کہتا ہے کہ شیر آیا شیر آیا لیکن جب اصل میں شیر آیا تب تک لوگوں کا اس پر سے اعتماد ہی اٹھ گیا، کہیں آپ کے ساتھ بھی ایسا ہی نہ ہو اور دوسری بات آپ اللہ کی اتنی عبادت کرتی ہیں نماز، روزہ کی اتنی پابند ہیں۔ اللہ کو بھی جھوٹ سخت ناپسند ہے، کیونکہ یہ ایک برائی دوسری بہت سی برائیوں کی وجہ بنتی ہے، ایک جھوٹ بولنے سے انسان کو بے شمار اور جھوٹ بولنے پڑتے ہیں، آپ سمجھ رہی ہیں ناں"۔ کائنات نے ڈرے ڈرے لہجے میں کہتے ہوئے ساس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بات دوبارہ جوڑی۔

"یہ تو گھر کی روٹین کی چھوٹی موٹی باتیں ہیں جن میں جھوٹ بولے بغیر بھی کام چل سکتا ہے، تو پھر اللہ کو ناراض کیوں کریں ہم، اتنی غیر ضروری باتوں میں غلط بیانی کر کے، آپ زوباریہ اور رضیہ آنٹی دونوں کو سیدھے سیدھے بول دیتیں کہ ابھی میرا دل نہیں کر رہا، بعد میں ضرور بنا دوں گی اچار اور آنٹی کو کہتیں کہ پھر کبھی چلے جائیں گے، کل یا پرسوں نازیہ کو دیکھنے، پر غلط بیانی سے کام نہ لیا کریں، ایسے غلط اعمال کی وجہ سے پتہ نہیں ہماری عبادات بھی قبول ہوتی ہوں گی یا نہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی ساری عبادات آپ کی غلط بیانی کی بھینٹ نہ چڑھ جائیں"۔

"اب بس بھی کر دو بہو! میں چپ ہوں تو یہ مت سمجھو کہ تمہارے جو دل میں آئے تم مجھے سناتی جاؤ گی، کتنی بار تمہیں بولوں کہ کوئی جھوٹ نہیں بولا، میں نے، یونہی پیچھے پڑ گئی ہو میرے، پہلے بھی کہا ہے اور اب بھی کہہ رہی ہوں میں نے تو بس ایسے ہی کہہ دیا تھا۔ یہ لو حامد کو چپ کراؤ میں ذرا نماز پڑھ آؤں"۔ نگینہ بیگم نے پوتے کو کائنات کے حوالے کرتے ہوئے کہا اور وضو کرنے چل دیں۔

……☆……

عمارہ یعقوب

افسانہ

اگر کبھی یاد آؤں

میں نے خالہ کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو تھوڑی دیر بعد دروازہ زرناب نے ہی کھولا۔

''ارے حسن! آپ؟ آج آپ کو کیسے خالہ کی یاد آ گئی؟''

اس نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''بس یاد آ ہی گئی۔'' میں مسکرا کر اندر کی طرف بڑھ گیا۔ سامنے ہی تخت پر خالہ جان آنکھوں پر چشمہ لگائے اخبار پڑھنے میں مصروف تھیں۔

''السلام علیکم!'' میں نے خالہ کو متوجہ کیا تو خالہ مجھے دیکھ کر مسرت سے بولیں۔

''آؤ آؤ وعلیکم السلام کیسے ہو بیٹا؟'' انہوں نے اپنا موٹے عدسوں والا چشمہ اتارتے ہوئے پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے، میں ٹھیک ٹھاک ہوں، بس آپ سنائیں۔''

''دیکھ لو بیٹا، تمہارے سامنے ہی ہوں۔ ارے شائستہ ادھر تو آؤ حسن آیا ہے۔'' انہوں نے شائستہ خالہ کو آواز دی۔

راشدہ خالہ اور شائستہ خالہ دونوں بیاہ کر ایک ہی گھر آئی تھیں۔ راشدہ خالہ کی ایک بیٹی زرناب عرف زری اور فاروق ایک ہی بیٹا تھا۔ جب کہ شائستہ خالہ کی ایک ہی بیٹی تھی۔ اس کا نام زینب تھا لیکن سب اسے زینی بلاتے تھے۔ زینب کے والد صاحب (انکل نواز) ابو کے کسی زمانے میں کلاس فیلو رہے تھے اور ان کی ابو سے اچھی گاڑی چھنتی تھی۔ جب کہ انکل انور ذرا کم گو



اور مختلف مزاج کے انسان تھے۔ ان کے برعکس راشدہ خالہ بہت محفل پسند تھیں۔

''ارے حسن بیٹا! تم ماشاءاللہ کیسے آنا ہوا؟'' خالہ شائستہ نے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''بس خالہ! آفس کے کچھ کام کی وجہ سے ادھر آنا ہوا تھا۔ تو کام جلدی ختم ہو گیا تو سوچا آپ کی طرف چکر لگا لوں۔'' میں نے کولڈ ڈرنک کا گلاس اٹھاتے ہوئے کہا۔ زری بھی آ کر ہمارے ساتھ ہی بیٹھ گئی۔ مجھے زری بہت پسند تھی۔ وہ بہت شوخ و چنچل تھی۔ اپنے آپ کو سنوارنا، نت نئے فیشن اپنانا، ذرا بن ٹھن کے رہنا اسے بہت پسند تھا جب کہ زینی اس کے برعکس تھی۔ اس کی دنیا بس اس کی کتابوں اور گھر داری تک ہی محدود تھی۔ وہ یا تو کچن میں مصروف رہتی یا تو پھر اپنی کتابوں میں منہمک رہتی، اب بھی وہ مجھے سلام کر کے کچن میں گھس گئی تھی۔ ویسے بھی وہ دوپہر کے کھانے کی تیاری کر رہی تھی۔ خالہ شائستہ ظہر کی نماز کے لیے اٹھ کر چلی گئیں۔ میں اور زری باتوں میں مصروف ہو گئے۔ انکل انور اور انکل نواز بھی دوپہر کے کھانے کے لیے گھر آ چکے تھے۔ انکل نواز بھی ابو کی خیر خیریت پوچھنے میں لگ گئے۔ دوپہر کا کھانا بہت اچھے ماحول میں کھایا گیا۔ اس کے بعد زینب دوبارہ سے اپنی کتابوں میں گھس گئی۔ جب کہ میں زری کے ساتھ باتوں میں لگ گیا۔ شام کو میں، زری اور فاروق گھومنے پھرنے کے لیے چلے گئے۔ زینی کو بھی ہم نے آفر کی مگر اس نے شائستگی سے منع کر دیا۔ وہ دو تین دن بہت اچھے گزرے میں واپس گھر آیا تو زری کے ساتھ گزارے وقت کی خوب صورت یادیں میرے ساتھ تھیں۔



☆......☆

''امی جان! آپ سے ایک بات کرنی تھی۔'' حسن نے امی کے کمرے میں آ کر کہا۔

''ہاں، ہاں بولو بیٹا۔'' امی نے تسبیح ایک طرف رکھتے ہوئے کہا۔

''امی! مجھے زرناب بہت پسند ہے۔ اگر آپ خالہ راشدہ سے بات کریں تو......'' میں نے امی سے مدعا بیان کیا۔ امی سوچ میں پڑ گئیں۔

''کیا تمہیں پتا ہے کہ تمہاری نسبت بچپن سے ہی

زینی کے ساتھ طے ہے۔“ امی نے اچانک کہہ کر مجھے حیران کر دیا۔

”کیا؟“ میں ششدر رہ گیا۔

”ہاں نواز کے ہاں جب بیٹی ہوئی تو تمہارے ابو نے اسی وقت کہہ دیا تھا کہ زینی حسن کی دلہن بنے گی۔ ویسے بھی زینی بہت اچھی لڑکی ہے۔ وہ بہت سگھڑ اور سلیقہ شعار ہے۔ راشدہ نے زری کی تربیت اچھی نہیں کی، پچھلی بار جب میں گئی تھی تو راشدہ اگر کسی کام کا زری کو کہہ دیتی تو وہ جھٹ سے انکار کر دیتی تھی۔ ارے وہ تو اپنی ماں کا کہا نہیں مانتی تو میرا کیا مانے گی، ویسے بھی تمہارے ابا کبھی نہیں مانیں گے۔“

مجھے اپنے روشن خیال بابا سے اس قسم کی توقع بالکل نہ تھی۔ میں نے بابا سے بھی بات کی تو انہوں نے دو ٹوک کہہ دیا۔

”تمہاری شادی ہو گی تو صرف زینی سے۔ حسن نے نواز کو زبان دی ہے۔“ میں نے ہر طرح سے ان کو منا کر دیکھ لیا مگر بابا نہ مانے۔ پھر بابا نے کہا کہ وہ جو کرنا چاہتا ہے مگر بعد میں ہم سے تعلق نہ رکھے۔

پھر میں ابھی مکمل طور پر انڈیپنڈنٹ نہیں تھا۔ میں بابا کے ساتھ بزنس میں انوالو تھا۔ پھر نہ چاہتے ہوئے بھی مجھے زینی کے ساتھ شادی کرنی پڑی۔ جب کہ زری کی شادی میرے فرسٹ کزن اویس کے ساتھ ہو گئی۔

☆......☆

وقت گزرتا گیا۔ ہماری شادی کو چار سال گزر چکے تھے۔ زینی بہت اچھی اور سلیقہ شعار تھی مگر میں کیا کرتا میرے دل میں ابھی بھی صرف زری موجود تھی میں نے زینی کو سب کچھ دیا مگر اپنی محبت نہ دے سکا۔ گزرتا وقت زینی کی گود میں ارسلان ڈال گیا۔ مجھے اپنے بیٹے سے بہت پیار تھا۔ زینی نے آج تک مجھ سے کوئی شکوہ نہ کیا تھا، گھر میں بہت سکون تھا۔ وہ میرے سکون کا بہت خیال رکھتی تھی۔ امی، ابو کی تو وہ ویسے ہی پسندیدہ بہو تھی۔

ایک سال پہلے بابا کو دل کا دورہ پڑا تھا اور وہ ہم سب کو روتا بلکتا چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ ماما نے بھی چپ کی چادر اوڑھ لی۔ اس دوران زینی ہی نے ماما کو سنبھالا۔ مجھے حوصلہ دیا، وہ واقعی بہت ہمت والی تھی۔ زینب کے پاس سب کچھ تھا۔ سوائے میری محبت کے لیکن ایک دن پھر سب کچھ واضح ہو گیا۔

☆......☆

ہوا یوں کہ مجھے آفس کے کام سے ملتان جانا پڑا۔ زری بیاہ کر ملتان آئی تھی۔ میں اپنے دل کو روک نہ پایا اور کام مکمل کر کے اویس کے گھر کی طرف چل دیا۔ اویس مجھے دیکھ کر خوش بھی ہوا اور شرمندہ بھی کیوں کہ گھر کی حالت کافی ابتر تھی۔

”ارے حسن تم ...... آنے سے پہلے انفارم ہی کر دیتے۔“ اویس میرے گلے لگتے ہوئے بولا۔

”بس یار! ایسے ہی آنا ہو گیا کچھ خاص پروگرام تو نہیں تھا میرا۔“ میں نے بھی خوش دلی سے جواب دیا۔

جابجا میلے کپڑے بکھرے ہوئے تھے۔ سامنے کچن کا منظر بھی واضح تھا، گندے برتن، اِدھر اُدھر لڑھک رہے تھے۔ میری نفاست پسند طبیعت کو یہ سب بہت گراں گزرا پہلے امی اور پھر زینی گھر کو چمکا کر رکھتی تھی۔ اسی وقت زری نک سک سے تیار گھر میں داخل ہوئی۔

”ارے حسن تم! واٹ آ پلیزنٹ سرپرائز تم کب آئے۔“ وہ خوشی سے بولی۔ وہ آج بھی ویسے ہی زندہ دل تھی۔ وہ ہی انداز، وہ ہی خوب صورتی، وہ ہی پراعتماد سی زری اویس نے زرناب کو دیکھتے ہی ناگواری سے سر جھٹکا۔

”حسن! تم ایسا کرو، فریش ہو لو، پھر بات کرتے ہیں۔“ اویس مجھے گیسٹ روم میں لے آیا۔

میں فریش ہو کر باہر آ ہی رہا تھا کہ اویس کی سخت آواز سنائی دی۔

”تمہیں پتا بھی ہے کہ میری نوکری جا چکی ہے مگر تم آج پھر شاپنگ کے لیے نکل پڑیں۔ کچھ گھر کا ہی خیال کر لو۔ آج مجھے حسن کے سامنے کافی شرمندگی

اٹھانی پڑی اور وہ بھی صرف تمہاری وجہ سے۔“

”زیادہ چلانے کی ضرورت نہیں ہے اگر آج کام والی نہیں آئی تو اس میں میرا کیا قصور ہے۔“ زرناب نے بھی اونچے لہجے میں کہا۔

”اب دماغ مت کھاؤ اور کچھ کھانے پینے کا انتظام کرو حسن کا ہی کچھ خیال کر لو۔“ اب کی بار اویس کی آواز ذرا پست تھی۔

”واٹ؟ کیا مطلب تمہارا تمہیں اچھی طرح پتا ہے کہ میری کوکنگ کیسی ہے اگر ناک نہیں کٹوانی تو بازار سے جا کر لے آؤ، ویسے بھی میں کچن میں نہیں جاؤں گی۔ میں ابھی اسکن ٹریٹمنٹ کروا کر آ رہی ہوں۔“ زرناب نے بھی دوبدو جواب دیا۔

”تم سے شادی میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی ہے۔ حسن کو دیکھو کتنا سکھی ہے، زینب بھابی نے گھر کو جنت بنا کر رکھا ہوا ہے اور ایک تم ہو کہ......“

اب اویس اپنی قسمت کو کوس رہا تھا۔ میں نے اپنا بیگ اٹھایا اور واپس لوٹ آیا۔ میں واپس لاہور جا رہا تھا۔ میں نے اویس کو بھی اطلاع تک نہیں دی۔ میں اپنا احتساب کرنے میں مصروف تھا۔ آنکھوں سے پٹی ہٹی تو سب کچھ صاف نظر آنے لگا۔ میں اب تک صرف زری کے خوب صورت چہرے کی طرف ہی دیکھتا تھا۔ آج اس کے دل کو بھی دیکھ لیا تھا۔ اسے نہ تو گھر کی فکر تھی نہ ہی شوہر کی، فکر تھی تو صرف اپنی۔ مگر اللہ کا شکر تھا کہ میں ایک بڑے نقصان سے بچ گیا تھا۔ آگہی کا در وا ہو گیا تھا۔ میں ایک نئے عزم سے گھر کی جانب روانہ ہو رہا تھا۔ آخر گزرے چار سالوں کا ازالہ بھی تو کرنا تھا اور اللہ کا شکر بھی تو واجب تھا جس نے مجھے زینب جیسی سلیقہ شعار اور باوفا بیوی دی تھی۔ آج مجھے امی، ابو کے فیصلے پر دل سے اطمینان محسوس ہوا تھا۔ میں نے پرسکون ہو کر سیٹ کی بیک سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

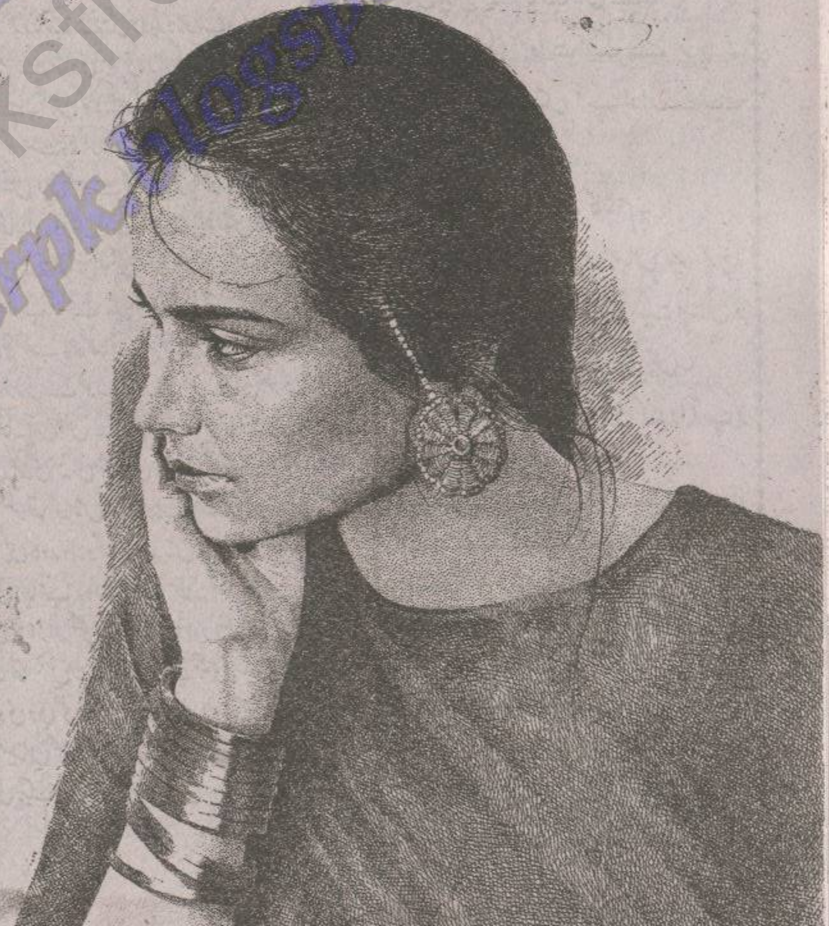
......☆......

شازیہ مصطفیٰ عمران

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 22

تجھ سے مانگوں میں تجھ کو



"میرا دل چاہ رہا ہے مما یاد آ رہی ہیں۔"

"کام سے بچنے کے طریقے ہیں۔" وہ حسنیٰ کو ہر طرح سے ہی سلگا کر رکھتا تھا۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے جب سے ہماری شادی ہوئی ہے میں ابھی تک رکنے نہیں گئی۔" وہ خاصا برا مان کے گویا ہوئی تھی۔

"ابھی تو تم نہیں جاسکتیں۔ کیونکہ میری چند دن کی چھٹیاں اور ہیں پھر تم بعد میں رکنے چلی جانا۔" وہ ٹی وی کی اسکرین پر ہنوز نگاہ جمائے بیٹھا تھا۔

حسنیٰ نے حیرت بھری نگاہ اس پر ڈالی جب سے شادی ہوئی تھی شہریار نے ایک دفعہ بھی اس سے پیار بھرے لہجے میں بات نہیں کی تھی نہ ہی وہ اسے کھانے کے لیے باہر لے کے گیا تھا اس کا بھی دل چاہتا تھا شہریار بھی اس کے ناز نخرے اٹھائے مگر وہ تو اس سے لٹھ مار ہی انداز میں بات کرتا تھا حسنیٰ جانتی تھی اس کی ذمہ دار وہ خود تھی شہریار اس سے بدلے لے رہا تھا۔ وہ اس کے آگے جھکنے کو تیار نہیں تھی اور شہریار اس پر توجہ دیتا نہیں تھا۔

"پتا نہیں ایسے کیسے کب تک چلے گا۔" وہ سوچ رہی تھی۔



☆......☆

''آخر کب تک وہ اس کے ساتھ ایسا کرے گی۔'' کتنا وہ اس کا خیال رکھتا تھا اور وہ جواب میں اسے کیا دے رہی تھی۔ بے رخی مگر وہ بھی کیا کرے۔

''نہیں تم غلط ہو۔'' اندر سے کوئی بول رہا تھا۔

وہ جھنجھلائی ہوئی بیٹھی تھی۔ دل اس کا بہت اداس تھا ضمران کی دادی کی باتیں اسے برداشت نہیں ہوتی تھیں۔ وہ اور زیادہ ضمران سے دور ہو رہی تھی نوشین کے نام کی غلط فہمی تھی دل میں بال رکھتی تھی حالانکہ رضوانہ نے اور ضمران نے کلیئر بھی کر دیا تھا ایسی کوئی بات نہیں ہے مگر جانے کیوں حباب کو ایسا لگتا تھا اس نے نوشین کے حق پر ڈاکا ڈالا ہے جب کہ ضمران کی ذرا بھی توجہ نوشین کی طرف نہیں تھی۔

''حباب، شہریار کی کال ہے وہ تم سے بات کرنا چاہتا ہے۔'' ضمران کی آواز پر وہ چونک گئی۔ ناشتے کے بعد وہ برتن دھو رہی تھی۔ پھر شہریار سے فون پر بات کرنے لگی تھی۔

''جی کوشش کرتی ہوں آ جاؤں گی۔'' اس نے کہا تھا۔ شہریار اسے گھر بلا رہا تھا اس نے رات میں کھانے پر سب کو بلایا تھا اور ناہید کو بھی مگر ناہید کو نخرے کرنے سے فرصت نہیں تھی اس لیے انہوں نے معذرت کر لی تھی۔

''ناہید باجی نہیں آ رہیں۔'' شہریار بولا۔

''اچھا اچھا آ جاؤں گی میں۔'' اس نے کہا اور پھر سیل آف کیا۔

''شہریار ماموں مجھے بلا رہے ہیں۔''

''چلی جاؤ میں تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔ میں آفس کے لیے تیار ہو رہا ہوں۔ جب تک تم ریڈی ہو جاؤ گی۔'' اس نے کہا۔

''میں اتنی جلدی تو نہیں جا سکتی آپ آفس چلے جائیں۔ میں خود چلی جاؤں گی کیوں کہ ابھی کچن کا کام بھی رہتا ہے۔'' وہ اپنی ذمے داریوں سے بھاگتی نہیں تھی۔

''ٹھیک ہے جیسا تم مناسب سمجھو میں امی کو کہہ دوں گا وہ تمہارے ساتھ چلی جائیں گی۔'' ضمران نے کہا۔

حباب نے پھر بقیہ کام سمیٹا دوپہر کا سالن بنا دیا تھا ضمران کی دادی ابھی گھر میں موجود تھیں ان کے اعتراضات بھی ہوتے رہتے اس لیے سارے کام ختم کیے اور پھر وہ بارہ بجے تک چلی گئی تھی۔

''اور سناؤ تمہارے سسر صاحب سے کیسی بنی تمہاری۔''

''وہ بہت اچھے ہیں بہت خیال بھی کرتے ہیں۔'' حباب نے عتیق احمد کی تعریف میں بتایا۔

''نوشین کوئی گڑبڑ تو نہیں کرتی۔'' اس نے پھر پوچھا۔

شہریار اندر آ رہا تھا۔ حسنیٰ کی بات پر باہر ہی رک گیا تجسس بھی ہوا کیوں کہ اسے اتنا اندازہ تھا اور وہ جانتا تھا کہ حباب ابھی تک بھی اپنی سسرال میں ایڈجسٹ نہیں ہوئی ہے۔

''حسنیٰ آنٹی مجھے ایسا لگتا ہے میں نے نوشین کے ساتھ زیادتی کی ہے۔''

''بے وقوفی کی بات نہیں کرو، نوشین میں جب ضمران بھائی اور ان کے گھر والے انٹرسٹ ہی نہیں رکھتے تھے تو تم نے کہاں سے زیادتی کر دی۔'' وہ اس کی بے وقوفی پر گویا ہوئی۔

''ضمران تمہارا شوہر ہے اس کے ساتھ ظلم نہیں کرو اگر تم اسی طرح انہیں اگنور کرتی رہو گی اور طنز کرو گی

ضمران بھائی تم سے دور ہو جائیں گے اور نوشین کو موقع مل جائے گا۔ تم ان کی بیوی ہو پورا پورا حق رکھتی ہو، اتنا تم سے پیار کرتے ہیں اور تم ابھی تک ایسی ہی زندگی گزار رہی ہو۔'' شہریار کو حسنیٰ کی ایسی مدبرانہ باتوں کی توقع نہیں تھی وہ کتنی سمجھ داری سے حباب کو سمجھا رہی تھی۔

''شوہر کو اگنور کیے جانا سخت برا لگتا ہے، جب کہ تمہارا شوہر تو اتنا نرم مزاج ہے تمہاری کسی بات پر غصہ نہیں کرتا۔ شکر ادا کرو۔'' حسنیٰ کے لہجے میں حسرت تھی کیوں کہ شہریار تو سوائے اسے طنز کرنے کے اور ڈانٹنے کے کچھ کرتا ہی نہیں تھا۔

''مجھے احساس ہے میں ضمران کے ساتھ غلط کر رہی ہوں۔'' حباب نے یہ بات قبول بھی کی۔

''تمہارے دماغ میں جو بھی فضولیات ہیں انہیں دفع کرو اور ضمران بھائی کے ساتھ ہنسی خوشی رہو۔''

حباب نے اسے بڑی گہری نگاہوں سے دیکھا جیسے حسنیٰ کو جانچا ہو۔

''اور آپ نے شہریار ماموں کے ساتھ ایڈجسٹ کر لیا۔'' اس نے معنی خیزی سے پوچھا۔

''جب نکاح پڑھوا لیا تو ایڈجسٹ بھی کر لیا یہ الگ بات ہے تمہارے ماموں میرے ساتھ ایڈجسٹ نہیں ہو رہے ہیں۔'' اس نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ بھی تو انہیں شادی سے پہلے کیا کیا نہیں کہتی تھیں۔''

''وہ سب میں شادی نہ کرنے کی وجہ سے کہتی تھی۔'' اس نے وضاحت دی۔

''اب کیا کہتی ہیں۔'' مسکراتے اور شرارتی لہجے میں پوچھا۔

''اب وہ ہی سب کچھ کہتے رہتے ہیں مجھے موقع ہی نہیں ملتا تمہارے ماموں غصہ بہت کرتے ہیں۔ کبھی جو اس انسان نے پیار بھری بات کی ہو۔'' وہ شکایت ہی کرنے لگی۔

شہریار نے اسی وقت اندر قدم رکھا۔ دونوں ہی سنبھل گئیں۔

''کہیں انہوں نے میری بات تو نہیں سن لی۔'' حسنیٰ گھبرا کے نگاہ چرانے لگی۔

''کیا بات ہے کب سے باتوں میں لگی ہو کچھ کھانا وغیرہ بھی ملے گا یا نہیں۔'' اس نے حسنیٰ کو مخاطب کیا۔

''دیکھا ہر وقت کھانا پینا ہی مانگتے رہتے ہیں۔'' اس نے حباب کے کان میں سرگوشی کی۔ اس کی تو ہنسی نکل گئی۔

''کیا کہا ہے میری بھانجی کے کان میں۔'' شہریار سمجھ گیا تھا اس کے متعلق ہی کچھ کہا ہو گا۔

''شہریار ماموں! آپ حسنیٰ آنٹی سے بھی پیار و محبت سے بھی بات کر لیا کریں۔''

حسنیٰ اسے آنکھیں دکھانے لگی۔ اسے شہریار کے سامنے ایسی بات پر حیا بھی آ گئی۔

''اچھا تو میری شکایتیں لگائی ہیں تم نے۔''

''جی نہیں میں کیوں لگاؤں گی شکایتیں۔'' وہ گڑبڑا کے رہ گئی۔

''حباب! میں کچن میں جا رہی ہوں تم وہیں آ جانا۔'' اس نے اپنی جان بچانے میں ہی عافیت جانی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔ شہریار کے لب مسکرانے لگے تھے۔ اسے حسنیٰ آج بہت مختلف لگی تھی۔

☆......☆

''نزہت تو جیسے ہر کسی سے بائیکاٹ کیے ہوئے تھیں۔ وہ ابھی تک بھی فاران کی دلہن کو دیکھنے نہیں گئی تھیں۔ مرتضیٰ علی نے شاہدہ اور خوشنما کو بھیج دیا۔

فاران نے بھی زبردستی ہی نکاح کیا تھا کیوں کہ اسے معلوم تھا اس کی ماں کبھی بھی نہیں چاہے گی مریم فاران کی کلاس فیلو تھی۔ وہ شروع سے اسے پسند کرتا آرہا تھا۔ اس لیے پڑھائی ختم ہونے کے بعد بھی اس نے مریم سے رابطہ نہیں توڑا تھا۔ مریم متوسط گھرانے کی لڑکی تھی۔ وہ اکلوتی تھی اس کے ماں باپ کچھ عرصہ پہلے ہی چل بسے تھے۔ وہ اپنی خالہ کے گھر رہتی تھی۔ فاران نے خالہ کو مجبور کیا کہ وہ نکاح کردیں، وہ اپنی ماں کو ساتھ لائے گا تو رخصتی بھی کروالے گا مگر اسے نہیں خبر تھی کہ اس کی ماں اتنی سخت دل عورت ہوں گی۔ وہ اپنی ضد پر ہی اڑی رہیں گی آج وہ پھر ہمت کر کے ان کے کمرے میں چلا آیا تھا۔

''امی آپ میری ذرا سی بات نہیں سنیں گی۔''

''مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی چلے جاؤ۔'' وہ پشت پھیرے ہوئے تھیں۔

''امی! سوچ لیجیے گا آپ، میں اس گھر سے ہی ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں گا۔ میری صورت تک کو ترس جائیں گی۔''

''مجھے ایسی دھمکی دے کے ڈرا نہیں سکتے۔''

''امی میں سچ کہہ رہا ہوں۔'' وہ خاصا سنجیدہ تھا۔

''اولاد کو پال پوس کے بڑا کرو اور وہ ماں و باپ کو یہ انعام دیتے ہیں۔'' وہ تو کلس رہی تھیں۔

''تم نے میرے اعتماد کو توڑا اور میرے ارمانوں کو بھی کتنی خواہش تھی میں اپنے بیٹے کی اپنی پسند سے شادی کروں گی۔''

''آپ ایک دفعہ مریم سے مل تو لیں۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔''

''مجھے نہیں ملنا۔'' وہ اتنی سخت دل ہوگئی تھیں فاران بہت مایوس اور افسردہ ہوگیا تھا۔

''ٹھیک ہے آپ مجھے معاف نہیں کریں گی اور مریم کو اپنی بہو تسلیم نہیں کریں گی تو میں اسے چھوڑ دیتا ہوں مگر یاد رکھیے گا ساری زندگی شادی نہیں کروں گا دوبارہ۔'' وہ یہ کہہ کر رکا نہیں چلا گیا۔

نزہت تو ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ وہ یہ کیا کہہ کر چلا گیا تھا۔ ان کا دل بے چین ہوا۔

فاران سید حامر تضیٰ علی کے پاس گیا تھا۔ ان سے بھی یہی بات کی وہ تو ایک دم غصے میں آگئے۔

''تمہارا دماغ خراب ہے ایک لڑکی کو خود سے باندھا اور اسے چھوڑنے کی بات کر رہے ہو پہلے تو بے وقوفی کی ہی تھی دوبارہ سے یہ غلطی کرنے جا رہے ہو۔''

''تو کیا کروں، امی کسی طرح بھی مریم کو قبول نہیں کر رہی ہیں۔ میں نے ایک بے سہارا لڑکی کو تحفظ دیا ہے تو کیا غلط کیا ہے۔ میں مانتا ہوں، میں نے یوں چوری چھپے نکاح کر کے آپ سب کے اعتماد کو توڑا ہے مگر میرا قدم اس لیے تھا کہ امی کبھی بھی مریم سے میری شادی نہیں کریں گی۔ اس لیے میں نے نکاح کیا، سوچا تھا بعد میں آپ سب کو بتادوں گا مگر مجھے یہ امی کو بتانا پڑا خوشنما بھابی کی بے عزتی کرتی رہتی تھیں۔ کیونکہ وہ غریب گھرانے سے ہیں میں نے امی کی سوچ کو بدلنے کے لیے یہ سب کیا تھا۔''

''دادا جان! مجھے بتایئے کیا کروں میں۔'' وہ ان کے گھٹنوں پر سر رکھتے ہوئے بہت رنجور اور دلگرفتہ ہو رہا تھا۔

''تم اس لڑکی کو چھوڑنے کی بات نہیں کرو۔ ہم تمہارا ولیمہ کر رہے ہیں اسی لیے کہ تاکہ اس لڑکی کو عزت سے رخصت کروا کے لائیں اور بڑی دلہن بھی مان جائیں گی تم مزید الٹا سیدھا نہیں سوچو۔'' انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کے تسلی دی۔

''دادا جان مجھے معاف کردیں۔''

''ہشت مرد روتے اچھے نہیں لگتے۔ اٹھو اور اپنا کام کرو جا کے اس طرح تم اپنی جاب کو چھوڑ کے بیٹھے رہو گے تو کچھ نہیں کرسکو گے۔'' اس نے سر ہلایا۔

''ارتضیٰ آفس گیا ہے تم بھی جایا کرو ایسے کام نہیں چلے گا۔''

''دادا جان آپ بہت اچھے ہیں۔'' اس نے ان کے ہاتھ چوم لیے۔

''اچھا، اچھا بس کر آئندہ کوئی بھی قدم اٹھاتے وقت اتنا ضرور سوچنا تمہارے بڑوں کی بھی اہمیت ہے۔'' فاران نے شرمندگی سے سر ہلایا تھا۔

☆......☆

ہیثم جاوید احمد اور ثمینہ سے رمنا کے رشتے کی بات کرچکا تھا خوشنما سے اس نے کچھ نہیں کہا تھا۔

''انکل میرے دوست کی امی جب ہی آئیں گی جب آپ کی رضامندی ہوگی۔''

''بیٹا اتنے بڑے لوگوں میں ہمارا جوڑ نہیں بنتا۔'' وہ ہچکچا رہے تھے۔

''آپ ایسی بات سوچ بھی کیوں رہے ہیں۔'' ہیثم ان کی بات سمجھ گیا تھا کیوں کہ خوشنما کے ساتھ جو کچھ ہوا کون سا اچھا ہوا تھا۔ اس لیے انہوں نے سوچ لیا تھا اپنی باقی دونوں بیٹیوں کی شادی اونچے لوگوں میں نہیں کریں گے کیوں کہ رشتے برابر کے لوگوں میں ہی کرنے چاہئیں۔

''بیٹا حالات ایسی بات سوچنے پر مجبور کردیتے ہیں۔ آپ ان لوگوں سے معذرت کرلیں۔''

''انکل آپ ایسی بات تو نہیں کریں اشعر کی فیملی بہت اچھی ہے انہوں نے خوشنما کو دیکھا ہے جب ہی تو اشعر کی امی نے خواہش ظاہر کی کہ خوشنما کی بہن سے رشتہ کرنا چاہتی ہیں۔'' اس نے اشعر کا نام لینا مناسب نہیں سمجھا تھا۔

''آپ نے خوشنما سے ذکر کیا۔'' ثمینہ نے پوچھا۔

''خوشنما کو پتا ہے میں نے سوچا میں خود جا کر بات کروں تو بہتر ہے۔'' وہ کچھ بڑبڑایا بھی مگر فوراً ہی بات کو سنبھال بھی لیا۔

''خوشنما اشعر کی امی کے ساتھ آئے گی۔'' وہ جھٹ بولا۔

''انکل پلیز انکار نہیں کریں۔ پہلے آپ ان لوگوں سے مل لیں۔ پھر ہی کوئی فیصلہ کیجیے گا۔ کیوں کہ میری یہ خواہش ہے کہ رمنا اور ایمن کی اچھی جگہ شادی ہو، وہ میری بہنوں کی طرح ہیں۔'' جاوید احمد نے ثمینہ کی طرف دیکھا کیوں کہ وہ چاہ رہی تھیں پہلے ان لوگوں سے مل لیں پھر ہی کوئی فیصلہ بھی کریں۔

''ٹھیک ہے بیٹا آپ ان لوگوں کو آنے کا کہہ دیں۔''

''شکریہ انکل بہت بہت شکریہ۔'' وہ مسکرا کے ان کا شکریہ ادا کر رہا تھا۔

''میں رمنا کو دیکھوں ابھی تک چائے نہیں لائی۔''

''آنٹی چائے وغیرہ بعد میں پیوؤں گا اب میں چلوں گا۔'' اس نے ٹائم دیکھا، خاصا ہوگیا تھا۔ آفس سے نکلے ہوئے اسے دو گھنٹے ہوگئے تھے۔

''بیٹا تھوڑی دیر اور۔''

''نہیں انکل مجھے کچھ ضروری کام بھی ہیں۔ میں کل ہی ان لوگوں کو لے کے آؤں گا۔''

وہ ان سے سلام دعا کر کے رخصت ہو گیا۔ ادھر رمنا کی دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں دو تین بار ہی اشعر کو دیکھا تھا اس نے اندازہ نہیں کیا تھا اشعر اس کے لیے کیا جذبات رکھتا ہے۔

جھٹ خوشنما کو بھی کال کر لی تھی۔

''کیا ہیثم آئے تھے۔'' خوشنما کو حیرانگی بھی ہوئی۔

''کیوں آپ کو نہیں بتایا۔'' رمنا کو حیرت ہوئی۔

''نہیں بتایا تو تھا۔'' اس نے خود ہی بات بھی بنائی۔

''آپی اتنے امیر لوگوں میں میرا رشتہ میں ایسا بالکل نہیں چاہتی، کیا پتہ آپ کے سسرال والوں کی طرح مجھے بھی کمتر سمجھیں وہ لوگ۔'' رمنا بھی رضامند نہیں تھی۔

''ضروری نہیں ہے ہر کوئی ایسا ہو۔''

''آپی آپ کے ساتھ کون سا اچھا ہوا ہے جو آپ یہ بات کہہ رہی ہیں۔'' اس نے افسردگی سے کہا۔

''اچھا اچھا بس زیادہ فضول سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آؤں گی تو پھر بات ہو گی آج کل یہاں گھر میں بھی ٹینشن چل رہی ہے۔''

''کیسی ٹینشن؟'' رمنا نے پوچھا۔

''گھر آ کے بتاؤں گی۔''

''آپی پھر بھی کچھ تو بتایئے۔'' رمنا خاصی ضدی واقع ہوئی تھی۔

خوشنما نے فاران کے نکاح کی بات بتائی مگر اس نے ہیثم کی کوئی بات نہیں بتائی کیوں کہ اس کے گھر والے ان سب باتوں سے لاعلم تھے اور وہ چاہتی بھی نہیں تھی انہیں کچھ پتا چلے۔ مگر کب تک ایک نہ ایک دن تو پتہ چل ہی جانا تھا۔

''دیکھا کیسے آپ کو کمتر سمجھتی تھیں ان کے بیٹے نے بھی ایسے ہی شادی کر لی۔''

''بری بات رمنا ایسے نہیں بولتے۔'' اس نے اسے سرزنش کی۔

''آپی اتنا غرور بھی اچھا نہیں ہوتا ہے انہیں بھی سبق مل گیا۔''

''اچھا چھوڑو ان باتوں کو تم کل ذرا اچھا سا تیار ہو جانا، اشعر کے گھر سے ان کی امی آئیں گی۔'' خوشنما نے ان پر یہ بالکل ظاہر نہیں کیا اسے ہیثم نے کچھ نہیں بتایا۔ وہ جانتی تھی وہ اپنے معاملے کی وجہ سے بھی الجھا ہوا تھا اس سے وہ ابھی تک بات بھی نہیں کر رہا تھا اور اسے ہی ایسا کوئی قدم تو اٹھانا ہی تھا ہیثم کی الجھن ختم ہو کیونکہ وہ اتنی بے حس بھی نہیں تھی۔

☆......☆

حسنیٰ نے کافی حد تک خود کو ایڈجسٹ کر لیا تھا۔ شہریار کے جانے کے دن قریب آ رہے تھے۔ حسنیٰ کو اس نے بلاوجہ ڈانٹنا چھوڑ دیا تھا وہ بھی حیران تھی شہریار ایسے کیسے رہ سکتا تھا۔

''کتنے عرصے بعد بلاؤ گے حسنیٰ کو۔'' نسرین ملنے آئی ہوئی تھیں۔

''پھپھو یہ تو میں وہاں جا کر دیکھوں گا کیوں کہ میں نے فلیٹ بھی کرائے پر لینا ہے وہ سب سیٹ ہو جائے تو پھر بلاؤں گا۔'' اس نے ذرا آہستگی سے سمجھا کے انہیں بتایا۔

حسنیٰ ان سب کے درمیان بیٹھی تھی مگر وہ بہت خاموش سی ہو گئی تھی یا پھر شہریار کے جانے سے وہ اداس ہو رہی تھی۔

''جب تک بیٹا تم اسے بلاؤ گے میں ایسا کرتی ہوں حسنیٰ کو گھر لے جاتی ہوں۔'' نسرین نے کہا۔

''اے نسرین ایسی بھی تمہیں کیا مار پڑی ہے۔ تمہاری بیٹی یہاں آرام سے ہے اور شہریار بھی بلا ہی لے گا۔'' حسین بیگم روایتی ساس بن کے گویا ہوئیں۔

''بھابی بہت دن ہو گئے حسنیٰ رہنے نہیں آئی ہے رفعت کہہ رہی تھی میں اسے ساتھ لے آؤں۔''

''بس رفعت کی تو رہنے ہی دو۔'' وہ ویسے بھی ان سے خاصی جلی ہوئی تھیں کیوں کہ رفعت نے جو کچھ بھی دیا تھا صرف حسنیٰ کو دیا تھا ان کے لیے تو کچھ بھی نہیں دیا تھا۔

''ٹھیک ہے پھپھو آپ لے جایئے مگر ابھی نہیں۔'' اس نے حسنیٰ کے خاموش چہرے پر نظر ڈالی ریڈ پرنٹڈ کاٹن کے سوٹ میں اس کی سرخ و سپید رنگت اور نمایاں ہو رہی تھی۔

''امی! مجھے جب آنا ہو گا میں آ جاؤں گی۔'' وہ یکدم ہی بولی تھی۔

نسرین حیرانگی سے اس کے بگڑتے تیور دیکھنے لگیں۔ شہریار نے اسے جانچ لیا تھا اُسے حسین بیگم کی بات ناگوار گزری ہے اس لیے اس نے غصے میں کہا تھا۔

شہریار اس کے پیچھے ہی چلا آیا وہ کونے میں کھڑی اپنے آنسو آنچل کے کونے سے صاف کر رہی تھی۔

اسے دیکھ کر وہ گھبرا گئی اور اس سے بچ کے کچن میں چلی گئی۔

''کیا بات ہے تم نے پھپھو کو ایسے کیوں جواب دیا۔'' وہ استفسار کر رہا تھا۔

''آپ لوگ جو چاہتے ہیں اسی طرح جواب دے تو دیا ہے۔ نہیں جا رہی میں کہیں بھی آپ بے فکر ہو جائیں۔'' حسنیٰ بہت افسردہ اور مایوس ہو گئی تھی اسے اپنی زندگی بے مصرف سی لگنے لگی تھی کوئی بھی چارم نہیں تھا اس نے اندازہ کر لیا تھا۔ شہریار نے اسے نیچا دکھانے کے لیے اس سے زبردستی شادی کی تھی۔ ''کیا مطلب ہے تمہارا۔'' وہ اس کی سرخ ہوتی ناک کو دیکھ رہا تھا۔ وہ سنک میں پڑے گندے برتن دھو رہی تھی۔

''آپ لوگوں کو نوکرانی چاہیے تھی۔ آ تو گئی ہوں ہاں اور آپ بھی جیت گئے کیوں کہ میں نے آپ کو پتا نہیں کیا کیا کہا تھا۔ وہ سب مجھے آپ لوٹا تو رہے ہیں۔'' لہجے میں بہت افسردگی تھی وہ شہریار کے سرد رویے سے تنگ آ گئی تھی جسے اس کے جذبات اور احساسات کی ذرا پروا نہیں تھی۔

''شہریار صاحب! آپ جیت گئے مجھے آپ نے فتح کر لیا جیسا دل چاہے آپ سلوک کریں میرے ساتھ کیوں کہ میں اسی قابل ہوں کیوں کہ میں نے آپ کو پہلے بہت کچھ الٹا سیدھا بولا ہے۔''

''کیا بکواس کر رہی ہو۔'' وہ ایک لمحے کو گڑبڑا بھی گیا کیوں کہ حسنیٰ بہت ٹوٹی ہوئی بکھری ہوئی لگ رہی تھی۔

''مجھے تو پہلے بھی کوئی خوشی نہیں ملی اور ابھی بھی کوئی خوشی نہیں ملی میرے مرحوم باپ نے مجھے پیدا ہوتے ہی پھپھو کی گود میں ڈال دیا۔ میری تو شخصیت ہی بٹ گئی۔ کس کی سنتی پھپھو کی یا اپنی ماں کی۔ دونوں نے مجھے اپنی ملکیت سمجھ کے اپنی مرضی مجھ پر چلائی اور اب آپ اپنی چلا رہے ہیں۔ میں تو کہیں بھی نہیں ہوں۔''
وہ پھوٹ پھوٹ کے رو دی اور پھر اس نے اپنے کمرے کا رخ کیا۔ شہریار کو شرمندگی اور دکھ ہو رہا تھا واقعی حسنیٰ کے ساتھ تو شروع سے ہی زیادتی ہوتی آ رہی تھی اور اب وہ اس کے ساتھ کون سا اچھا کر رہا تھا اگر اسے حسنیٰ سے محبت ہے تو وہ پھر اسے کیوں دکھ دے رہا تھا جب کہ حسنیٰ نے تو یہاں آ کر خود کو کافی حد تک ایڈجسٹ کر لیا تھا۔ شہریار کو اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا۔ وہ بھی دلگرفتہ سا ہونے لگا۔

☆......☆

سوچنے اور سمجھنے کے بعد اس نے خود دادا جان سے بات کرنے کا فیصلہ کیا کیونکہ حقیقت جب تک انہیں نہیں بتائی جائے گی اسی طرح اس کے اور ہیشم کے درمیان دوریاں بڑھتی جائیں گی اور پھر وہ اب نہیں چاہتی تھی کہ اپنی وجہ سے اپنے ماں کو باپ کو کوئی بھی فکر اور پریشانی میں مبتلا کرے۔ ہیشم کی بات بھی اس کے دل کو لگ گئی تھی اس نے اسے بے حس کہا تھا اور وہ بے حس تو نہیں تھی کہ اسے یوں پریشانی میں مبتلا دیکھے پھر گھر کے جو کچھ حالات ہو رہے تھے اس نے سوچا تھا اسے ہی یہ سب ٹھیک بھی کرنا ہوگا نزہت مامی الگ ناراض بیٹھی تھیں۔ فاران کے ولیمے کی بھی تیاریاں ہو رہی تھیں اور ادھر ہیشم سے نانا جان نے یہ کہا ہوا تھا کہ جس لڑکی سے اس نے نکاح کیا ہے اسے بھی رخصت کروا کے گھر لائے اور خوشنما کو جھوٹ سے تو پردہ ہٹانا ہی تھا۔ ہیشم کبھی بھی نانا جان سے بات نہیں کرے گا اس نے اپنے کاسنی کپڑوں کے آنچل کو سلیقے سے شانوں پر ڈالا تھا اور ان کے روم کے دروازے پر دستک دینے لگی۔ حالانکہ دل دھک دھک بھی کر رہا تھا۔
''کون ہے آ جاؤ۔'' نانا جان کی نحیف سی آواز آئی۔
''میں ہوں۔'' وہ جھجکتی ہوئی اندر آئی۔ نانا جان شاید سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ وہ دوائی کھا رہے تھے۔
''ارے خوشی بیٹا کیا بات ہے خیریت تو ہے ہیشم سے لڑائی تو نہیں ہوگئی۔'' وہ گھبرا ہی گئے۔
''نہیں ایسی بات نہیں ہے۔'' وہ جھینپ بھی گئی۔
''آؤ بیٹا بیٹھو تو۔'' انہوں نے ایزی چیئر کی جانب اشارہ کیا خوشنما جھجکتی ہوئی سمٹ کے بیٹھ گئی اسے الفاظ کو ترتیب دینا تھا کس طرح بات کرے۔
''کوئی پریشانی ہے۔'' وہ اس کے سامنے ہی چیئر پر بیٹھ گئے۔
''نانا جان مجھے آپ کو بہت ضروری باتیں بتانی ہیں۔'' اس نے جھٹ کہا۔
''ہاں ہاں بولو کیا بات ہے۔'' وہ اس کے چہرے کی رنگت بھی دیکھ رہے تھے وہ بہت گھبرا رہی تھی۔
''بیٹا آپ کو جو بھی بات کرنی ہے خواہ ہیشم کی شکایت ہی کیوں نہ کرنی ہو بلا جھجک کر سکتی ہو۔'' انہوں نے جیسے اس کی ہمت بندھائی تھی۔
''نانا جان بات ہیشم کے ہی متعلق ہے مگر شکایت میں نہیں بلکہ آپ کو کچھ بتانا ہے۔'' اس نے پھر بلا تمہید باندھے انہیں اپنی جاب کی بات سے لے کے آخر تک ہی ساری بات تفصیل سے بتا دی۔ نانا جان تو حیران ہی رہ گئے۔

''آپ اس سارے قصے میں مجھے غلط نہیں سمجھیے گا میں تو جاب اشعر کے آفس میں کر رہی تھی۔''
''میں آپ کو غلط نہیں سمجھ رہا بلکہ ہیشم کو بہت بڑا بے وقوف کہہ رہا ہوں جس لڑکی سے وہ بھاگ رہا تھا۔ اصل میں وہی لڑکی اسے پسند بھی آئی اور تمہارا ہی ہاتھ پکڑ کے لے آیا کہ تم سے اس نے شادی کر لی ہے۔''
''میں تو جانتی تھی اس لیے میں نے اپنا چہرہ چھپا لیا تھا مگر یہ تو میرے پیچھے ہاتھ دھو کر پڑ گئے تھے۔ میں اپنے شوہر سے طلاق لے کے ان سے شادی کر لوں۔'' وہ سر جھکائے ہوئے بول رہی تھی۔
''وہ بے وقوف یہ نہیں جانتا تھا کہ شوہر بھی وہ خود ہے۔'' وہ مسکرائے۔
''شکر ہے میرے مالک کا اس نے یہ الجھن سلجھا دی میں تو تمہارا سوچ کر پریشان تھا پتا نہیں تم ہیشم کی دوسری بیوی کو کیسے برداشت کرو گی مجھے کیا پتا تھا دوسری بیوی بھی تم ہی ہو۔'' نانا جان بہت ہلکے پھلکے ہو گئے تھے۔ انہوں نے خوشنما کے سر پر ہاتھ پھیرا۔
''مجھے یہ اور خوشی ہوئی کہ تم نے ہیشم کا احساس کرنا شروع کر دیا ہے۔''
''نانا جان یہ جاب کی اور نکاح کی بات آپ یہ سب باتیں کسی کو بھی نہیں بتائیے گا کیونکہ میں نے اپنے گھر والوں تک کو نہیں بتائی ہیں۔''
''تم بے فکر ہو جاؤ ایسا کچھ میں نہیں کہوں گا اور ہاں ہیشم سے تو ضرور بات کروں گا۔'' وہ بولے۔
''جی اچھا۔'' وہ سر ہلا کے کھڑی ہوگئی۔
''نانا جان آپ مجھے غلط نہیں سمجھے گا کہ میں جاب کرنے اس لیے نکلی تھی۔''
''بیٹا میں ایسا دقیانوس نہیں ہوں آپ پریشان نہیں ہوں اور آرام سے سو جائیں ایسا کچھ میں سوچتا بھی نہیں ہوں۔'' انہوں نے اس کے سر پر دست شفقت رکھ کے یقین دلایا تھا۔

☆......☆

''حسنیٰ آنٹی! بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں مجھے ضمران کے ساتھ ایسا رویہ نہیں رکھنا چاہیے۔ ضمران شوہر ہے وہ میں سارے حقوق رکھتی ہوں جب وہی نوشین پر توجہ نہیں دیتا تو وہ کیوں خود کو ہلکان کر رہی ہے۔'' اپنے سے ضمران کو کیوں دور کر رہی تھی چند ماہ بعد شادی کو سال بھی ہو جائے گا زندگی اس کی ایسی ہی بے مقصدی ہوگئی تھی۔ اس کی سسرال میں تینوں دیور، ساس، سسر سب ہی تو اسے اتنی اہمیت دیتے ہیں اور وہ اسی بات کا رونا لے کے بیٹھی ہے۔ میری شادی ایسے حالات میں کیوں ہوئی لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے جیسی ماں ویسی بیٹی لوگوں کو تو فرصت ہی نہیں تھی۔ جب اسے لوگوں پر توجہ دینے کی ضرورت نہیں تھی تو وہ کیوں ایسا سوچ کے اپنے اچھے دن برباد کر رہی تھی۔ رہا نوشین کا سوال نوشین غلط سمت میں سفر کر رہی تھی۔ غلط تو وہ کر رہی تھی ایک شادی شدہ مرد کے پیچھے تھی اور وہ ایسے تو اپنے شوہر کو نہیں چھوڑ سکتی تھی جو دل و جان سے اس کی قدر کرتا ہے محبت اور وہ جواب میں اسے کیا دے رہی تھی بے رخی وہ کافی دیر سے صوفے پر لیٹی گہری سوچ میں مستغرق تھی۔ ضمران کی موجودگی میں بھی نہیں چونکی تھی۔ کمرے میں نائٹ بلب کی روشنی پھیلی تھی اس لیے بھی کمرے کا ماحول خاموش لگ رہا تھا۔
''محترمہ جب سے اپنے میکے سے آئی ہیں گم صم ہیں پتا نہیں کیا بات ہے۔'' ضمران چینج کر کے آ گیا تھا کمرے کی لائٹ آن کی۔

(جاری ہے)

ابتدائے وفا

رابعہ ولی

مکمل ناول

''حنا باجی...... او حنا باجی۔''

''آخر کہاں چلی گئی یہ باجی؟''

''لو...... یہاں بیٹھی ہو۔ میں کب سے تمہیں سارے گھر میں ڈھونڈ رہی ہوں اور آپ یہاں بیٹھی پتا نہیں کن خیالوں میں گم ہو۔''



ماریہ حنا کی چھوٹی بہن تھی۔ گاؤں والوں کی سب سے پسندیدہ لڑکی۔ یوں تو حنا بھی بہت زیادہ خوب صورت تھی۔ سنہرے گھٹنوں تک بال، سفید رنگت اور ہری ہری آنکھیں جو ہر دیکھنے والے کو دیوانا بنا دیتیں مگر ماریہ سارا سارا دن کھیتوں میں گھومتی رہتی اور سارا دن شرارتیں کرتی۔ ماریہ کی نہ تو ہری آنکھیں تھیں اور نہ ہی سنہرے بال لیکن رنگ سفید ضرور تھا۔

بڑی بڑی آنکھیں، پتلی سی ناک اور چھوٹے چھوٹے سے ہونٹوں والی لڑکی جب ہنستی تو یوں لگتا کہ سارے جہاں کی فضا ہی بدل گئی ہو۔ ماریہ بہت ہی باتونی لڑکی تھی اور حنا بہت کم گو لڑکی تھی۔ سارا دن گھر میں رہتی اور گھر کا سارا کام کرتی۔

حنا کی عمر 22 سال جب کہ ماریہ کی عمر تقریباً 18 برس تھی۔ حنا اماں کی اور ماریہ ابا کی لاڈلی تھی۔

''اچھا بتاؤ کیوں ڈھونڈ رہی تھیں مجھے؟'' حنا نے پوچھا۔

''یہ بتانے کے لیے کہ میں جا رہی ہوں کھیتوں میں، اپنے دوستوں کے ساتھ کھیلنے، ابا آئے تو بتا دینا کہ



میں شنو کے گھر گئی ہوں اس کی امی نے بلایا تھا۔'' ماریہ نے حنا کو جھوٹ بولنے کے لیے کہا۔

''ماریہ! تم اب چھوٹی بچی نہیں رہی ہو جو کھیلو گی اور وہ تیرے دوست کتنے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔'' حنا نے بہن کو نصیحت کی۔

''ارے باجی آپ تو مجھے ایسے کہہ رہی ہیں جیسے میں نے کسی جن بھوت سے دوستی کر لی ہو۔ دوستی کرنا تو اچھی بات ہے نا۔'' اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

''اچھا ماریہ! تو جیتی میں ہاری، تجھ سے تو کوئی نہیں جیت سکتا۔''

''یہ تو ہے۔'' ماریہ نے نخرے سے کہا اور پھر دونوں بہنیں ہنسنے لگیں۔

''اب کیا ہے باجی؟''

''تو ابھی نا جا کھیتوں میں، ابا بھی وہیں گئے ہیں، تجھے وہاں دیکھ لیا نا تو تیری شامت آ جائے گی۔'' حنا بولی۔

''او اچھا ہوا باجی آپ نے بچا لیا، ورنہ میری تو شامت آ جاتی۔'' ماریہ بولی۔

''صرف آج ہی نہیں ہر روز بچاتی ہوں تجھے اماں اور ابا سے۔''

''وہ تو شنو کی امی اماں کی دوست ہے اس لیے تجھے کچھ نہیں کہتی ورنہ......''

''ارے باجی! آپ مجھے نہیں بچاؤ گی تو کون بچائے گا؟'' وہ بولی۔

''ہاں میری پیاری بہن اگر تجھے میری جان کی بھی ضرورت پڑی تو میں تب بھی انکار نہیں کروں گی۔'' حنا نے ماریہ کے گالوں کو پیار سے سہلایا۔

''ارے باجی! آپ یہ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ اللہ نہ کرے کہ کبھی مجھے آپ کی جان کی ضرورت پڑے۔'' ماریہ کی آنکھوں میں نمی آ چکی تھی۔

''اچھا ناراض نہ ہو چل آ بیٹھ جا میرے ساتھ دونوں باتیں کرتے ہیں۔''

''ہاں باجی! مجھے بھی آپ سے کچھ پوچھنا ہے۔'' ماریہ کچھ یاد آنے پر بولی۔

''ہاں پوچھو کیا پوچھنا ہے تجھے۔''

''باجی! ہم بڑے کنویں کے اس پار والے گاؤں کیوں نہیں جا سکتے؟'' حنا چونک گئی۔

''ماریہ! ابا آ گئے ہیں۔ جا نہیں چائے دے آ......'' حنا بولی۔

''باجی! بات نہ بدلو۔ میں جب بھی آپ سے اس بارے میں پوچھتی ہوں تو آپ بات بدل دیتی ہو۔ میرے سب دوست وہاں جاتے ہیں لیکن ہم پر ہی یہ پابندی کیوں ہے؟ باجی میرے سب دوست وہاں جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کنویں کے اس پار والا گاؤں بہت خوب صورت ہے وہاں ایک بہت ہی امیر آدمی ہے جن کا نام ابرار خان ہے۔ ان کے بہت سارے کھیت ہیں اور ایک بڑی حویلی ہے، بلکہ یوں کہہ لو کہ سارا گاؤں اس ابرار خان کا ہے۔ ابا تو مجھے ہر وقت منع کرتے ہیں لیکن میں نے سوچ لیا ہے کہ ایک بار تو میں اس گاؤں ضرور جاؤں گی۔'' ماریہ نے اپنی سوچ سے حنا کو آگاہ کیا۔

''ماریہ تجھے اتنا سب کس دوست نے بتایا؟'' حنا نے حیرانگی سے پوچھا۔

''باجی مجھے تو شنو نے بتایا ہے اس کی امی اس حویلی میں کام جو کرتی ہے۔''

''کوئی ضرورت نہیں تجھے شنو سے اس گاؤں کے بارے میں پوچھنے کی اگر تو نے وہاں جانے کی کوشش بھی

کی نا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔'' حنا نے اس بار ماریہ کو ڈانٹ دیا۔

''لیکن کیوں باجی! آپ ایسا کیوں کہہ رہی ہیں؟''

''اگر تو وہاں گئی تو وہاں کے سارے کسان اکٹھے ہو کر تیرے سر پر ڈنڈا مار مار تیرا قتل کر دیں گے۔'' حنا نے اسے ڈرایا۔

''اچھا......تو کسی اور کو کیوں نہیں مارتے جو مجھے ماریں گے؟''

''کیوں کہ وہ پاگل نہیں ہیں۔'' حنا نے چھیڑنے والے انداز میں کہا تھا۔

''تو آپ کا مطلب ہے کہ میں پاگل ہوں؟'' ماریہ نے ناراضی سے کہا۔

''جی ہاں۔'' حنا کے چہرے پر ہنسی آ چکی تھی۔

''ارے اب چائے لے بھی آؤ۔'' ابا نے آواز لگائی۔

''جی ابھی لائی۔'' ماریہ دوڑتے ہوئے چائے لے کر چلی گئی۔

''اب تجھے کیسے بتاؤں کہ ابرار خان کون ہے؟'' حنا نے سوچا اور پھر اپنے گھر کے کاموں میں مصروف ہو گئی۔

☆......☆

کمرے میں چاروں طرف ہلکی ہلکی روشنی چھائی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی پورا کمرہ خوشبو سے مہک رہا تھا۔ کھڑکیوں پر دبیز پردے پڑے تھے اور بیڈ پر ایک نا آشنا حسن پاؤں پھیلائے مزے سے سو رہا تھا۔

''ٹرن......ٹرن......'' موبائل کی گھنٹی بجی تو وہ بمشکل آنکھیں کھول پایا۔

''ہیلو۔'' وہ نیم نیند میں تھا۔

''ہیلو کے بچے کب سے تجھے فون کر رہا ہوں پک کیوں نہیں کر رہا؟''

''وہ میں سو رہا تھا اس لیے۔'' وہ بولا۔

''اچھا اب اٹھ کے تیار ہو جا، میں تیرے گھر پہنچنے والا ہوں۔'' اس کا دوست بولا۔ اس نے موبائل فون بیڈ پر اچھالا اور باتھ روم میں گھس گیا۔

کچھ ہی دیر بعد وہ مردانہ وجاہت شیشے کے سامنے کھڑی تھی۔ گیلے بال ماتھے پر بکھرے ہوئے اس کے حسن میں اور بھی اضافہ کر رہے تھے۔ بلیک ٹائٹ جینز اور Sky بلیو ہاف شولڈر والی شرٹ پہن کر وہ چمکنے لگا تھا۔

سعد کو دیکھ کر کوئی بھی لڑکی منٹوں میں اس پر فدا ہو جاتی۔ حاشر (سعد کا دوست) بھی پہنچ چکا تھا۔

''یار! تو......تو آج بڑی جلدی تیار ہو گیا۔ خیر تو ہے ورنہ تجھے تو تیار ہونے میں گھنٹوں لگ جاتے ہیں۔'' حاشر بولا۔

''ہاں یار! گھر والوں کی بہت یاد آ رہی ہے۔'' وہ بولا۔

''تو اس میں کون سی بڑی بات ہے۔ چلا جا نا اپنے گھر اپنے ملک اپنے گاؤں تجھے کون روکے گا؟''

''نہیں یار! مجھے کوئی کیوں روکے گا۔ میں سوچ رہا ہوں کہ کچھ دنوں میں چلا جاؤں گا گھر والوں کو سرپرائز دوں گا۔''

''اوہ......یہ تو تو نے بہت اچھا پلان بنایا ہے۔'' حاشر کو سعد کی بات اچھی لگی۔

”لیکن ایک بات تو ہے۔“ حاشر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”کیا بات ہے؟“ حاشر کو دیکھ کر سعد بھی پریشان ہو گیا۔

”یہاں کی لڑکیوں کے بارے میں سوچا ہے تو نے وہ تو ساری تیرے پیچھے مر جائیں گی۔“ حاشر مرنے والے انداز میں بولا۔

”تو ہے نا ان کو سنبھالنے والا۔“ سعد کے چاند جیسے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”میری اتنی اچھی قسمت کہاں۔“ حاشر نے ایک لمبی آہ بھری۔

”یار میں بھی کبھی سوچتا ہوں کہ وہ کون سی Lucky لڑکی ہوگی جو تیری قسمت میں ہوگی۔“ حاشر بولا۔

”اور میں بھی کبھی سوچتا ہوں کہ وہ کونسی Un Lucky لڑکی ہوگی جو تیری قسمت میں ہوگی۔“ سعد نے حاشر کو غصہ دلانا چاہا۔

”بڑا ہی کمینہ ہے یار تو۔ میں تیری تعریفیں کر رہا ہوں اور تو ہے کہ میرے پیچھے ہی پڑا ہوا ہے۔ شرم نہیں آتی تجھے۔“ حاشر آگ بگولا ہونے لگا۔

”Sorry یار! میں تو مذاق کر رہا تھا۔ اب اپنے منہ کے زاویے درست کر اور چل چلتے ہیں آؤٹنگ پر۔“ اور پھر دونوں سعد کی بلیک چمکتی ہوئی کار میں بیٹھ گئے۔

☆......☆

احتشام خان ایک زمیندار تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ ابرار خان اور الیاس خان احتشام خان نے ساری عمر ایمانداری سے مزدوری کی، اسی لیے گاؤں کے سب لوگ اور آصف علی خان اس سے بہت خوش تھے۔ دراصل آصف علی خان گاؤں کے سربراہ تھے جو بہت سے مال و جائیداد کے مالک تھے۔ احتشام خان آصف علی خان کے کھیتوں میں کام کرتے تھے۔ آصف علی خان کے دو بچے تھے ایک بیٹا عارف خان اور بیٹی زہرہ بیٹے کا ملک سے باہر کاروبار تھا۔ تو وہ وہیں اپنی فیملی کے ساتھ سیٹل تھا اور بیٹی زہرہ اپنے باپ کے ساتھ ہی تھی۔ ابرار خان حویلی کے اندر ہی کام کرتا تھا۔ احتشام خان نے اپنے چھوٹے بیٹے الیاس خان کے لیے اپنی بڑی بہن کی بیٹی عالیہ کا رشتہ مانگا ہوا تھا اور ابرار خان ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔

دن گزرتے گئے اور ابرار خان آصف علی خان کی بیٹی زہرہ کو پسند کرنے لگا۔ یہ سب اسے بہت مشکل لگا لیکن اس نے امید نہیں چھوڑی۔

ایک دن ابرار خان زہرہ کو گاڑی میں گھمانے لے گیا اور راستے میں زہرہ سے اپنی محبت کا اظہار کیا اور زہرہ نے ہاں کر دی تب تو ابرار خان کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا لیکن دونوں نے اپنے اپنے گھر والوں سے کہنے کی ہمت نہ کی آصف علی خان دل کا مریض تھا تو زہرہ اس بات سے ڈرتی تھی۔ بہت انتظار کے بعد زہرہ اور ابرار خان نے فیصلہ کیا کہ وہ ضرور شادی کریں گے اور ایک دن زہرہ اور ابرار خان نے چپکے سے شادی کر لی اور زہرہ، زہرہ آصف سے زہرہ ابرار بن گئی۔ آصف علی خان کو جب اس بات کا پتا چلا تو وہ صدمہ برداشت نہ کر سکے اور خالق حقیقی سے جا ملے۔

زہرہ کو اس بات کا بہت غم تھا لیکن ابرار خان سے شادی کرنے کی خوشی بھی تھی۔ زہرہ کے بھائی عارف خان بھی زہرہ سے ناراض ہو گئے لیکن انہوں نے گاؤں کی جائیداد میں سے کچھ بھی نہیں لیا کیونکہ ان کے پاس اپنی بہت مال و جائیداد تھی۔ ابرار خان کی شادی کے دو ماہ بعد ہی الیاس خان کی شادی ہو گئی اور شادی کے دس دن

بعد ہی احتشام خان بھی اس دنیا سے چل بسے۔ ابرار خان کی شادی کے دو سال بعد ہی اللہ نے انہیں پیارے سے بیٹے سے نوازا جس کا نام اکرم رکھا اور اکرم کی پیدائش سے زہرہ اور اس کے بھائی عارف خان کی صلح ہو گئی اور الیاس خان کی بیٹی ہوئی جس کا نام حنا رکھا گیا۔ حنا اکرم سے تین ماہ چھوٹی تھی۔

جوں جوں حنا اور اکرم بڑے ہوتے گئے ان میں دوستی بڑھتی گئی۔ حنا اور اکرم چار چار سال کے تھے جب ماریہ پیدا ہوئی۔ الیاس خان، ابرار خان کے گھر نہیں جاتے تھے۔ کیوں کہ زہرہ کو الیاس خان کا آنا برا لگتا تھا اور ابرار خان کو بھی جانے سے روکتی تھی۔ عالیہ بیگم بہت اچھی خاتون تھیں۔ وہ الیاس خان کا حوصلہ بڑھاتی تھیں۔ حنا اور اکرم کسی کی نہیں سنتے تھے۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ ماریہ دو سال کی ہو چکی تھی۔ حنا اور اکرم کی دوستی اسی طرح برقرار تھی اور پھر جو ہوا اس سے حنا بہت بری طرح ٹوٹ چکی تھی۔

☆......☆

''باجی! میں جا رہی ہوں۔'' ماریہ نے آہستگی سے کہا۔

''ارے ماریہ کہاں جا رہی ہو؟'' حنا نے ماریہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''کہاں جا رہی ہو مطلب وہیں جہاں روز جاتی ہوں۔ کھیتوں میں۔'' وہ بولی۔

''جانتی ہوں۔ لیکن آج تو بڑی تیار ہو کر جا رہی ہو۔'' حنا نے پوچھا۔

''نہیں باجی! یہ تو میرے چھوٹے دوستوں نے کہہ دیا اس لیے تیار ہو گئی۔''

''اچھا جا لیکن ابا کے جاگنے سے پہلے آ جانا۔'' حنا نے ہدایت دی۔

''ٹھیک ہے آ جاؤں گی۔ میری پیاری سی باجی۔'' ماریہ نے حنا کو گلے سے لگایا اور باہر چلی گئی۔

ماریہ اپنے آپ سے بے خبر بھاگے جا رہی تھی کہ اچانک اسے ایک جھٹکا محسوس ہوا اور پھر جب اس کی آنکھ کھلی تو وہ ایک اسپتال کے کمرے میں موجود تھی۔ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ اتنے میں کمرے میں ایک ڈاکٹر اور اس کے ساتھ ایک لڑکا اندر آیا۔ لڑکے نے جینز اور شرٹ پہنی ہوئی تھی۔ ماریہ حیران ہو گئی کہ اس گاؤں میں تو کوئی ایسے کپڑے نہیں پہنتا مگر ماریہ نے نظر انداز کیا۔

''ڈاکٹر صاحب مجھے کیا ہوا ہے۔ میں یہاں کیوں ہوں؟''

''دیکھو بیٹا! تمہارا ایکسیڈنٹ ہوا ہے ان کی گاڑی کے ساتھ لیکن یہ اچھا ہوا کہ یہ تمہیں وقت پر یہاں لے آئے ورنہ......'' ڈاکٹر چپ ہو گیا۔

''ورنہ......'' ماریہ نے ورنہ لفظ کو دہراتے ہوئے سوالیہ نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھا۔

''ورنہ آپ کی جان بھی جا سکتی تھی۔'' ماریہ بہت ڈر گئی تھی۔ ڈاکٹر بھی چلا گیا۔

وہ لڑکا ابھی تک وہیں کھڑا تھا۔

''سنا آپ نے...... آپ کی وجہ سے میری جان بھی جا سکتی تھی۔'' ماریہ نے لڑکے کو گھورا تھا۔

''میری وجہ سے، پاگل ہو گئی ہو کیا، شاید تم نے سنا نہیں ڈاکٹر نے کہا کہ میرے وقت پر لانے سے بچ گئی ہو تم۔'' لڑکے نے بن کر کہا۔

''اچھا۔'' ماریہ نے اچھا پر زور دیتے ہوئے طنزیہ انداز میں کہا۔

''مجھے گاڑی سے ٹھوکر بھی تو آپ ہی نے ماری تھی۔'' ماریہ چڑ گئی۔

''اور اس میں بھی تمہاری غلطی تھی دیکھ کر چلنا تھا۔'' وہ بولی۔

''ارے یہ تو وہی بات ہوئی ناں کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے۔'' ماریہ بھی کسی سے کم نہیں تھی۔ سو چپ نہیں ہوئی۔

''اچھا بابا تم صحیح ہو میں غلط۔ اب ٹھیک ہے نا؟'' لڑکے نے ہار مان لی۔

''ٹھیک نہیں ہے۔ تمہاری وجہ سے میری یہ حالت ہوئی ہے۔ تو اب تم جاؤ اور میرے لیے پھل وغیرہ لے کر آؤ۔'' ماریہ نے خاصا بن کر کہا۔

''ارے...... کتنی ڈھیٹ لڑکی ہے یہ۔'' لڑکے نے من میں سوچا اور جیسے ہی باہر جانے کے لیے تیار ہوا تو ماریہ نے پیچھے سے آواز دی۔

''ارے رکو۔''

''اب کیا ہوا؟'' لڑکے نے زچ ہو کر کہا۔

''ویسے تمہارا نام کیا ہے؟'' ماریہ نے ابرو کو اچکایا۔

''مجھے بھی تو پتا چلے کہ جس نے میرا ایکسیڈنٹ کیا ہے اس کا نام کیا ہے؟''

''کیوں ایف آئی آر درج کروانی ہے کیا؟'' وہ بولا۔

''نہیں میرے ہوتے ہوئے کسی پولیس ولیس کی ضرورت نہیں میں خود ہی لوگوں کی کلاس لے لیتی ہوں۔'' ماریہ بڑھ چڑھ کر بولنے لگی تھی۔

''اچھا...... پھر تو ٹھیک ہے۔ میرا نام سعد ہے اور بڑے کنویں کے اس پار والے گاؤں میں رہتا ہوں۔'' سعد نڈر انداز میں بولا۔

''اچھا...... بڑے کنویں کے اس پار والے گاؤں میں۔'' ماریہ بہت خوش ہوئی۔

''تم اتنی خوش کیوں ہو گئیں؟'' سعد حیران ہو گیا۔

''وہ......'' ماریہ کچھ بولنے لگی تھی کہ ڈاکٹر اندر آیا اور ماریہ سے پوچھنے لگا۔

''بیٹا...... تمہارا نام کیا ہے؟''

''جی میرا نام ماریہ ہے۔'' ڈاکٹر پوچھ کے چلا گیا۔

''ارے ہاں۔ تم پھل لینے جا رہے تھے نا تو مجھے امرود بہت پسند ہیں۔'' سعد اس کی بے تکلفی پر حیران تھا۔

☆......☆

ماریہ کا گھر اسپتال سے بہت دور تھا۔ تو اس لیے الیاس خان کو آنے میں دیر ہو گئی تھی۔ ورنہ بچوں نے تو اسی وقت جا کے بتا دیا تھا کہ ماریہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ تب سے الیاس بغیر چپلوں کے بھاگتے ہوئے آئے تھے۔ جب وہ اسپتال پہنچے تو ماریہ کو بیٹھا دیکھ کر سکون کا سانس لیا اور ماریہ کو گلے سے لگا کر رونے لگے۔ ''پاگل ہو گئی ہو، جانتی ہو کہ میری جان تم میں بستی ہے۔ پھر کیوں ایسی پاگلوں والی حرکتیں کرتی رہتی ہو۔ اور کہاں گیا وہ جس نے میری بیٹی کی یہ حالت کی ہے۔'' الیاس خان نے غصے سے کہا۔

ماریہ ڈر گئی کہ کہیں اس کی وجہ سے کوئی ہنگامہ نہ کھڑا ہو جائے۔

''نہیں ابا! ان کی کوئی غلطی نہیں تھی وہ تو میں دیکھ کر نہیں چل رہی تھی۔ اس لیے یہ سب ہوا اس نے تو اسپتال کا بل بھی ادا کر دیا ہے۔'' ماریہ نے اپنے باپ کا غصہ ٹھنڈا کیا کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ اس کے باپ کا غصہ بہت تیز ہے اور وہ ماریہ سے بہت پیار بھی کرتا تھا۔ ماریہ نے سوچا کہ کہیں ابا غصے میں آ کر کچھ ایسا ویسا نہ کر دے۔

"اچھا بیٹا! میں ذرا گھر تک جا رہا ہوں۔ پیسے لینے، اسپتال کا بل تو اس لڑکے نے ادا کر دیا ہے لیکن دوائیوں کے لیے پیسے تو چاہیے ہوں گے۔ تیری ماں اور بہن بھی پریشان ہو رہی ہوں گی۔ میں ایک نرس کو تمہارے پاس چھوڑ کے جا رہا ہوں۔ وہ تمہارے ساتھ ہی ہوں گی۔"

"اچھا ابا! آپ جائیے اور اماں اور حنا باجی کو بتا دیجیے گا کہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"میں اب چلتا ہوں۔ میری بیٹی اپنا خیال رکھنا۔" الیاس خان نے بیٹی کے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور باہر نکل گیا۔

الیاس خان کے جانے کے پانچ منٹ بعد ہی سعد آ گیا تھا اور اپنے ساتھ بہت سارے پھل اور امرود لایا۔

"یہ لو کھالو پھل اور امرود تو سب سے زیادہ کھانا تمہیں پسند جو ہیں۔" سعد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ابھی ابا آئے تھے۔" ماریہ نے کہا۔

"تو پھر کہاں گئے تمہارے ابا۔" سعد نے پوچھا۔

"گھر گئے ہیں پیسے لینے، وہ کیا ہے نا اسپتال کا بل تو تم نے ادا کر دیا ہے لیکن وہ دوائیوں کے لیے پیسے لینے گئے ہیں۔"

"تو تم انہیں روک لیتیں نا۔ یہ تو میرا فرض بنتا ہے۔ غلطی جو میں نے کی ہے۔"

"اچھا...... تم تو مجھے کہہ رہے تھے کہ تمہاری غلطی ہے۔" ماریہ نے ہاتھ کا مکا بنا کر ٹھوڑی کے نیچے رکھتے ہوئے ادا سے کہا۔

"میں تو مذاق کر رہا تھا۔" سعد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

جو بھی ہوا اس میں ساری غلطی ماریہ کی تھی کیوں کہ وہ ہی دیکھ کر نہیں چل رہی تھی۔

"ماریہ میں تم سے معافی مانگنا چاہتا ہوں۔ مجھے گاڑی سنبھال کر چلانی چاہیے تھی۔ تمہیں دیکھ کر ایسا لگتا ہے کہ سارا دن باہر گھومتی رہتی ہو اور آج میری وجہ سے بستر پر پڑی ہو۔" سعد نے اسے چھیڑا تھا۔

ماریہ کا ہنسی کا فوارہ چھوٹ گیا۔

"تم ایسے کیوں ہنس رہی ہو؟" سعد حیران ہو گیا۔

"تم ڈر گئے نا مجھ سے۔" ماریہ ہنستے ہنستے بولی۔

"تم نے سوچا ہوگا کہ کہیں میں سچ میں تمہاری کلاس نہ لے لوں۔" ماریہ ایک بار پھر سے ہنسنے لگی

"او مائی گاڈ! کتنی پاگل لڑکی ہے یہ پر جانے کیوں یہ پاگل سی لڑکی میرے دل کو بھائی ہے۔" سعد سوچتے ہوئے مسکرایا۔

"یہ تو کبھی سیریس ہی نہیں ہوتی۔ میں نے تو ایسی لڑکی پہلے کبھی نہیں دیکھی۔" سعد سوچوں میں گم تھا۔

"بتاؤ نا تم ڈر گئے ہو مجھ سے۔" ماریہ کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"ہاں! میں واقعی میں تم سے بہت ڈر گیا ہوں، میں نے سوچا کہ تم سے معافی مانگ لوں ورنہ تم میرے گاؤں آ کر میرا اگلا دبا دوں گی۔" سعد نے آنکھیں نکالتے ہوئے کہا۔

"میری اتنی قسمت کہاں کہ میں تمہارے گاؤں آ سکوں۔" وہ بیچارگی سے بولی۔

"کیوں...... کیوں نہیں آ سکتیں ہمارے گاؤں؟" سعد نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

"کیوں کہ ابا وہاں جانے نہیں دیتے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"تمہارے ابا کو ہمارے گاؤں سے کیا دشمنی ہے؟"

"مجھے کیا پتا۔" سعد کو وہ اس وقت بہت معصوم لگی۔

"اچھا تم پریشان نہ ہو، میرے پاس ایک ترکیب ہے۔" سعد نے پاس ہی رکھی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"وہ کیا؟" ماریہ نے خوشی سے پوچھا۔

"تم مجھ سے دوستی کر لو، پھر میں تمہارے ابا سے چھپ کر تمہیں اپنا گاؤں گھماؤں گا۔"

"یہ کیسی ترکیب ہے؟" ماریہ نے اچھل کر کہا۔

"میں نے تم جتنے بڑے لڑکے کے ساتھ کبھی دوستی نہیں کی، ابا مجھے کبھی اجازت نہیں دیں گے تم سے دوستی کرنے کی بلکہ مجھے ماریں گے۔"

"اوہو......!" سعد نے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"کس پاگل سے پالا پڑ گیا میرا، تو تمہیں کس نے کہا ہے کہ اپنے ابا کو بتاؤ۔" اس نے ہر لفظ چبا چبا کر بولا۔

"اچھا، ابا کو پتا تو نہیں چلے گا نا؟" وہ آنکھیں گول گول کر کے بالکل کوئی معصوم بلی لگ رہی تھی۔ سعد کو اس پر بے انتہا پیار آیا۔

"بالکل نہیں چلے گا تو اب ہماری دوستی پکی۔" سعد نے ماریہ کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

"بالکل پکی۔" ماریہ نے بھی سعد سے اپنا نرم گلابوں سا ہاتھ ملایا اور پھر دونوں کے چہروں پر ایک بھرپور مسکراہٹ پھیل گئی۔

☆......☆

ماریہ اب کافی بہتر ہو چکی تھی۔ اتنے دنوں میں وہ مسلسل اس ڈیشنگ لڑکے سعد کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"اس نے تو مجھ سے کہا تھا کہ وہ مجھے اپنا گاؤں گھمائے گا اور اس نے مجھ سے کیسے اتنی جلدی دوستی کر لی۔"

ماریہ سوچوں میں گم تھی کہ حنا گئی۔

"کن سوچوں میں گم ہو؟" انداز چھیڑنے والا تھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔" ماریہ نے آنکھ چرائی۔

"اگر کوئی بات نہیں ہے تو مجھے کیوں ایسا لگ رہا ہے کہ کوئی بات ضرور ہے۔ مجھ سے کوئی بات نہیں چھپا سکتی ہو تم، اچھا بتاؤ جب سے تم اسپتال سے آئی ہو کسی اور دنیا میں گم ہو خیر تو ہے؟" حنا کی چھیڑ چھاڑ عروج پر تھی۔

"نن...... نہیں باجی! ایسی کوئی بات نہیں ہے آپ کو میری بات پر یقین کیوں نہیں آ رہا؟"

"اچھا چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ کہ تم کو جس شخص نے گاڑی سے ٹھوکر ماری تھی تم نے اسے ایسے ہی جانے دیا، لگا کے دیتیں ایک۔" اس نے یہ سب اپنی بہن کے تاثرات جاننے کے لیے کہا۔

"بس کر دو باجی! آپ اور ابا تو اس بے چارے سعد کے پیچھے ہی پڑ گئے ہو۔" ماریہ بغیر سوچے سمجھے بولتی چلی گئی۔ پھر جب اپنی بات پر غور کیا تو شرم کے مارے گردن جھکا لی۔

"اوہو...... تو یہ بات ہے۔ بے چارہ سعد نام ہے اس کا۔" حنا کی نظروں میں شوخی تھی۔

''نہیں بے چارہ سعد نہیں، صرف سعد نام ہے ان کا۔'' ماریہ بولی۔
''واہ...... واہ ان کا۔'' حنا ہر لفظ پر زور دے رہی تھی۔
''میں بھی سوچوں کے موصوفہ آج کل کن خیالوں میں گم ہے۔'' ماریہ اب کچھ چھپانا نہیں چاہتی تھی۔ سو حنا سے کہنے لگی۔
''باجی وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔ اس نے میرا بہت خیال رکھا، میری ہر بات برداشت کی۔ بلکہ میں تو جب بات کرتی تو وہ آگے سے ہنستا تھا۔''
''ارے پاگل۔ تیرے سامنے کوئی کچھ بول سکتا ہے کیا؟ سب کو ہنسنا ہی پڑتا ہے۔''
''باجی! آپ تو میرا مذاق اڑا رہی ہو۔'' ماریہ خفا ہونے لگی۔
''اچھا ناراض نہ ہو میں تو مذاق کر رہی تھی۔'' حنا اس ٹائم اسے خفا نہیں کرنا چاہتی تھی۔
''ایک بات بتا کیا کہا اس سعد نے تم سے؟''
''یہی کہ میں اس سے دوستی کرلوں۔'' ماریہ بے جھجک بولی۔
''تو پھر......؟'' حنا نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا۔
''پپ...... پھر کیا میں نے اس سے دوستی کرلی۔'' ماریہ نے جھجک کر کہا۔
''کیا...... تو نے اتنی جلدی اس سے دوستی کرلی۔'' حنا حیران ہوگئی۔
''اگر انسان کو ایک اچھا دوست ملے تو وہ کیوں اسے ٹھکرائے؟''
ماریہ نے حنا کو صرف دوستی کا کہا تھا لیکن ماریہ کے لیے بات دوستی سے بڑھ چکی تھی۔
''اچھا باجی میں ذرا باہر کھیتوں میں چلتی ہوں۔ اس بند کمرے میں بیٹھے بیٹھے بور ہو چکی ہوں۔ باہر کی کھلی ہوا کھاؤں گی تو اچھا لگے گا۔''
''لیکن تیرا تو پیر ابھی پوری طرح ٹھیک نہیں ہوا۔'' حنا کو اس کی فکر تھی۔
''نہیں باجی میں ٹھیک ہوں۔ آپ فکر نہ کریں۔'' ماریہ اٹھی اور جلدی سے تیار ہوگئی۔
''ارے ماریہ! اتنی تیار کیوں ہو رہی ہو؟ اتنا سج سنور کر جانا...... خیر تو ہے؟ کہیں کسی سے ملنے تو......'' حنا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
''نہیں باجی! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔'' ماریہ ہنستے ہوئے بولی اور گھر سے نکل گئی۔ کچھ دیر بعد ماریہ اسی جگہ پر تھی جہاں اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ وہاں جا کر وہ حیران ہوگئی کیوں کہ سعد کی گاڑی پہلے ہی سے وہاں موجود تھی۔ سعد نے گاڑی کے شیشے میں سے ماریہ کو دیکھا تو جلدی سے گاڑی سے اتر آیا۔
''ماریہ تم آگئی میں کتنے دنوں سے مسلسل یہاں آ کر شام تک تمہارا ویٹ کرتا ہوں۔ تم نے ہی کہا تھا نا کہ تمہیں ہمارا گاؤں دیکھنا ہے۔'' سعد نے بے چینی سے کہا۔
''ہاں کہا تھا لیکن مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں ابا کو پتا چل گیا تو......'' ماریہ کہتے کہتے رکی۔
''ارے نہیں چلے گا پتا، چلو ابھی کہیں کوئی دیکھ نہ لے۔'' ماریہ ڈرتے ہوئے گاڑی میں بیٹھی۔
وہ زرد لباس میں ملبوس ڈری ہوئی کوئی اپسرا لگ رہی تھی۔ سعد مسلسل اسے دیکھے جا رہا تھا۔
''تم کیا جانو تم سے ملنے کے بعد میرا کیا حال ہوا ہے۔ دن اور رات تمہارے بارے میں سوچتا ہوں۔ ہر وقت تم سے ملنے کی جستجو ہوتی ہے۔ اب تم پاس ہو تو ایسا لگ رہا ہے کہ میں نے سارے جہان کو پا لیا ہو۔'' سعد

سوچ رہا تھا۔
''ڈر و مت ماریہ! تم مجھ پر اعتبار کر سکتی ہو۔'' سعد جان چکا تھا کہ ماریہ نے اس سے پہلے کسی لڑکے سے دوستی نہیں کی تھی۔
ماریہ نے سعد پر ایک بھرپور نظر دوڑائی، وہ کوئی شہزادہ لگ رہا تھا۔
''اس شہزادے کو سارے جہاں میں ہی دیکھی تھی۔ مجھ میں ایسی کیا بات ہے؟''
آج اس نے گہرے کلر کے فٹنگ والے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ اس کی خوب صورتی میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح ڈیشنگ لگ رہا تھا۔
''ماریہ! مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' سعد نے پہل کی۔
''جی کہیے۔'' انداز معصومانہ تھا۔
''مم...... میں یہ کہہ رہا تھا ک...... کے ارے گاؤں کی لڑکی ہے کہیں منہ پر...... جھاڑ نہ دے۔'' سعد نے سوچا۔
ماریہ، سعد کے ہچکچانے پر زوروں سے ہنسنے لگی۔
''آپ اتنا گھبرا کیوں رہے ہیں؟ بولیے نا جو بھی کہنا ہے۔''
''اچھا تمہیں برا تو نہیں لگے گا؟'' وہ بولا۔
''اگر مجھے برا لگا تو میں تمہارا گلا دبا دوں گا۔'' اس نے آنکھیں کھول کر ڈرانے والے انداز میں کہا۔
''پھر تو بالکل بھی نہیں کہوں گا۔''
''اچھا تو پھر میں جا رہی ہوں۔'' وہ جیسے ہی نکلنے لگی سعد نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر واپس کھینچا۔
''اچھا بتا دو۔''
''ماریہ I Love u Soomuch'' سعد نے اپنے دل کی بات بتا دی جواباً خاموشی چھائی رہی۔
''ماریہ تم خاموش کیوں ہو۔ جواب دو نا؟'' سعد بے چینی سے بولا۔
''کیونکہ مجھے تمہاری بات کی سمجھ ہی نہیں آئی۔'' وہ بولی۔
''کیا......؟'' اسے غصہ بھی آ رہا تھا اور اپنے آپ پر ہنسی بھی۔ (دراصل ماریہ کو سمجھ آ گیا تھا مگر وہ جان کر انجان بنی رہی)
''ماریہ میں تم سے......'' سعد بولنے ہی والا تھا کہ ماریہ نے اسے روک لیا۔
''مجھے سمجھ میں آ گیا تھا میں تو ویسے ہی مذاق کر رہی تھی۔''
''تو ایسے معاملوں میں بھی تمہیں مذاق سوجھتا ہے۔ میں ویسے ہی تو نہیں کہتا۔ You are totly mad. اچھا اب بتاؤ نا تمہارا جواب کیا ہے؟''
''اگر تم مجھ سے اپنی محبت کا اظہار نہ کرتے تو میں کر دیتی۔'' ماریہ نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔
''کیا...... واؤ I am vary happy ایا ہو، اچھا تو بتاؤ کب آؤں تمہارے گھر رشتہ لے کر؟''
''جب تم چاہو لیکن میں بہت غریب گھرانے سے تعلق رکھتی ہوں۔ میں ایک زمیندار کی بیٹی ہوں الیاس خان کی بیٹی۔'' ماریہ کا منہ لٹک چکا تھا۔
''کیا؟'' سعد کی آنکھیں اور منہ حیرت سے کھلتے چلے گئے۔

"میں جانتی تھی کہ تم ایک کسان کی بیٹی سے کبھی شادی نہیں کرو گے۔" وہ خفگی سے بولی۔

"نہیں میری بلبل مجھے تو بہت خوشی ہوئی ہے کہ تم الیاس خان کی بیٹی ہو۔ میرے گھر والے تمہارے گھر آئیں گے تو ہمارا رشتہ منٹوں میں ہو جائے گا۔ تمہارے ابا انکار کر ہی نہیں پائیں گے۔"

"کیوں میرے ابا تم لوگوں کو جانتے ہیں؟" وہ بولی۔

"آف کورس جانتے ہیں۔" وہ بولا۔

"تو تم کس کے بیٹے ہو؟" سوالیہ انداز میں پوچھا گیا۔

"تمہیں ابھی نہیں بتاؤں گا تمہارے لیے سرپرائز ہے بلکہ تمہارے گھر والوں کے لیے بھی سرپرائز ہے۔"

"ویسے میں نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ میری ملاقات کبھی حسن کی رانی سے ہو گی۔"

"اور میں نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا کہ میری ملاقات کبھی حسن کے راجہ سے ہو گی۔" اور پھر وہ دونوں سعد کے گاؤں کی طرف چل دیئے۔

☆......☆

"شنو کی سہیلی...... ریشم کی ڈوری...... چھپ چھپ کے شرماؤں دیکھوں چوری چوری میں مانوں یا نہ مانوں وہ تو مجھ پر مر گیا۔ میں لڑکی ہائے اللہ ہائے ہائے رے اللہ، وہ لڑکا ہائے اللہ ہائے ہائے رے اللہ۔" ماریہ گنگناتے ہوئے گھر کی طرف آ رہی تھی کہ حنا اس کے سامنے آ گئی۔

"ارے پاگل شنو کی سہیلی نہیں بنو کی سہیلی ہوتا ہے۔"

"لیکن میری سہیلی تو شنو ہے نا۔" اس نے بالوں کو جھٹکا دیتے ہوئے ادا سے کہا۔

"تو تو اپنے لیے گانے کیوں گا رہی ہے؟"

"کیونکہ میں آج بہت خوش ہوں۔" ماریہ اچھلنے لگی۔

"اچھا بتا کیوں اتنی خوش؟"

"کیوں مجھے سعد ملا تھا۔"

"اچھا وہ تیرا دوست......" حنا بولی۔

"ارے باجی! دوست تو پہلے تھا اب تو میرا کچھ اور بن چکا ہے۔"

"ارے میں مر گئی کیا کیا تو نے؟ کیا مطلب ہے تیرا کہ وہ کچھ اور بن چکا ہے؟ کہیں تو نے اس سے چپکے سے شادی تو نہیں کر لی، بتا نا کیا کیا ہے تو نے؟" حنا نے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔

"نہیں، نہیں باجی ایسی کوئی بات نہیں ہے اس نے تو صرف مجھ سے اپنے پیار کا اظہار کیا ہے اور وہ بہت جلد میرے لیے رشتہ بھی لے کر آئے گا۔ بس اتنی سی بات ہے۔"

"تو نے تو مجھے ڈرا ہی دیا تھا۔ تو نے اسے بتایا نا کہ تو کون ہے کس کی بیٹی ہے؟ اکثر ہم جیسی غریب لڑکیوں سے کوئی امیر بندہ رشتہ نہیں جوڑتا۔" حنا کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے۔

"ہاں باجی! میں نے اسے بتایا وہ بہت خوش ہوا ابا کا نام سن کر میں نے اس سے ان کے گھر کے بارے میں پوچھا تو کہنے لگا کہ سرپرائز ہے اور ابا انہیں جانتے ہیں۔ اچھا باجی! آپ نے کبھی کسی سے پیار کیا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ آپ کسی کا انتظار کر رہی ہیں تبھی تو اتنے رشتوں کے لیے انکار کر چکی ہو، بتاؤ نا کون ہے وہ۔" ماریہ بولتی چلی گئی اور حنا کی آنکھوں سے آنسوؤں کی برسات جاری تھی۔

"ارے باجی! آپ اتنا رو کیوں رہی ہیں؟"

"نہ پوچھ ماریہ تو سنے گی نا تو تجھے بھی مجھ پر ترس آئے گا، میں نہیں جانتی کہ تجھے بتانا چاہیے یا نہیں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"نہیں باجی! میں نے آپ کو سب کچھ بتایا ہے نا تو آپ کو بھی کچھ چھپانا نہیں چاہیے۔"

"ماریہ تو ضد کیوں کر رہی ہے؟ جا یہاں سے۔"

"نہیں باجی! آپ جب تک مجھے نہیں بتاؤ گی میں یہاں سے کہیں نہیں جاؤں گی۔"

"تو جاننا چاہتی ہے نا کہ ابرار خان کون ہے؟ تو سن ابرار خان اور کوئی نہیں ہمارے سگے چاچا ہیں۔"

ماریہ کو جھٹکا لگا تھا۔ "یہ تم کیا کہہ رہی ہو باجی؟"

"ہاں میں سچ کہہ رہی ہوں اور تو سوچ رہی ہو گی کہ وہ اتنے امیر اور ہم اتنے غریب کیوں ہیں کیونکہ ابرار خان کے پاس جو مال و جائیداد ہے وہ سارا زہرہ چاچی کا ہے۔ تبھی تو ابرار چاچا کو ہمارے گھر نہیں آنے دیتی۔ اس لیے کیوں کہ ہمارا باپ ایک زمیندار ہے اور انہیں غریب لوگ اچھے نہیں لگتے۔ مانتی ہوں کہ چاچا بھی پہلے غریب تھے لیکن زہرہ چاچی کو پتا تھا کہ شادی کے بعد ابرار چاچا کو بھی مال دار بننا ہے۔ ابرار چاچا کا ایک بیٹا بھی ہے اکرم جو بچپن میں میرا بہت اچھا دوست تھا۔ میرا ہم عمر بھی تھا۔ ہم دونوں کے گھر والوں کا آنا جانا بند ہو چکا تھا لیکن اکرم ہمارے گھر آتا جاتا تھا۔ زہرہ چاچی اسے بہت ڈانٹی تھیں لیکن اکرم چاچی کی ایک نہیں سنتا تھا۔ میں ان کے گھر جاتی تو چاچا تو بہت خوش ہوتے لیکن چاچی کو اچھا نہیں لگتا وہ مجھے برا بھلا کہتی۔ اکرم نے ہر وقت میرا ساتھ دیا۔ پھر زہرہ چاچی نے ایک فیصلہ کیا۔" حنا چپ ہو گئی۔ اب تک حنا نے جو بھی باتیں کی تھیں وہ سب آنسوؤں کے ساتھ تھیں۔ حنا کے حلق میں آنسوؤں کا گولہ بن چکا تھا۔

"کیا فیصلہ کیا چاچی نے؟" ماریہ جو اتنی دیر سے بت بن چکی تھی۔ اب پوچھنے لگی۔

"چاچی نے اکرم کو......" حنا رونے لگی۔

"چاچی نے اکرم کو امریکہ بھیج دیا تاکہ وہ مجھ سے دور رہ سکے۔" ماریہ کو اس بات پر بہت غصہ آیا اور بہت افسوس بھی ہوا۔

"باجی تب آپ دونوں کتنے سال کے تھے؟" ماریہ نے پوچھا۔

"چھ سال کے تھے ہم دونوں اب تو شاید وہ مجھے بھول بھی گیا ہو گا لیکن میں اسے نہیں بھولی۔ میرے لیے اب وہ صرف دوست ہی نہیں رہا بلکہ میں تو اس سے محبت کرتی ہوں میں نے ہمیشہ اس کا انتظار کیا لیکن وہ نہیں آیا۔ اماں ابا نے میرے لیے بہت سے رشتے بھی ڈھونڈے لیکن میں نے انکار کر دیا کیونکہ میں صرف اور صرف اکرم سے محبت کرتی ہوں اور ہمیشہ کرتی رہوں گی۔"

"باجی! آپ روئیے مت، انشاء اللہ اکرم ضرور آئے گا اور میری بہن کو دلہن بنا کر لے جائے گا۔" ماریہ نے حنا کے آنسو صاف کیے اور اسے تسلی دی۔

"تو میرے لیے دعا کرے گی نا کہ اکرم واپس آ جائے؟" حنا نے نم آواز میں کہا۔

"ہاں باجی کیوں نہیں میں آپ کے لیے اور اکرم کے لیے ضرور دعا کروں گی۔"

☆......☆

"تو پاگل ہو گیا ہے۔ اس غریب لڑکی سے شادی کرے گا تو تو جانتا ہے کہ تیرا تعلق کتنے امیر گھرانے سے







ہے۔'' سعد کی ماں چلائی تھی۔

''تو کیا ہوا اماں! ہیں تو انسان نا اور مجھے ماریہ سے پیار ہو گیا ہے۔ تو میں اب اسی سے شادی کروں گا۔ میں نے ابا سے بات کر لی ہے وہ راضی ہیں۔'' سعد نے بے چارگی سے کہا۔

''ہاں وہ تو راضی ہوں گے ہی انہیں غریبوں سے پیار جو ہے اور تو ماریہ سے کہاں ملا؟''

''اماں! وہ میری گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا اور میں اسے اسپتال بھی لے کر گیا تھا۔'' سعد نے سر کو جھکا لیا۔

''جو بھی ہو میں اس لڑکی سے تیری شادی ہرگز نہیں ہونے دوں گی۔'' وہ اپنی بات پر قائم تھیں۔

''تو ٹھیک ہے اگر آپ میری شادی ماریہ سے نہیں کروائیں گی تو میں اس سے کورٹ میرج کر لوں گا اور یہاں سے بہت دور چلا جاؤں گا۔ کبھی آپ کو اپنی شکل نہیں دکھاؤں گا۔'' سعد جیسے ہی جانے لگا تو ماں نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہنے لگی۔

''نہیں بیٹا تم میں تو میری جان بستی ہے، تو چلا جائے گا تو میرا کیا ہوگا۔ تو جو کہے گا ہم وہی کریں گے۔'' وہ نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی وجہ سے ان کا بیٹا اس سے ہمیشہ کے لیے دور ہو جائے اور مجبوراً انہیں سعد کی بات ماننی پڑی۔

''تو ٹھیک ہے، آپ اور ابا، ماریہ کے گھر جائیں گے اور میرے لیے ماریہ کا رشتہ مانگیں گے اور ہاں وہاں اپنے چہرے پر خوشی اور ہنسی رکھیے گا۔'' سعد نے ماں کو ہدایت دی۔

☆......☆

''حنا بیٹی...... او حنا بیٹی۔''

''جی ابا! کیا بات ہے؟''

''بیٹی تیری خالہ کا پیغام آیا تھا منے کو بھیجا تھا انہوں نے ان کی طبیعت کچھ خراب ہے۔ گھر کے کام نہیں کر سکتی تو تجھے بلایا ہے تو جا ورنہ تیری خالہ ناراض ہو جائیں گی۔ تو کچھ دن ان کے ساتھ رہ آ۔''

''اچھا ابا میں جاتی ہوں۔ پہلے آپ کے لیے چائے تو بنا لوں۔''

''نہیں چائے ماریہ بنا لے گی تو جا۔''

''جی ابا میں چلتی ہوں، خدا حافظ۔''

☆......☆

''میں کب سے اس کا انتظار کر رہا ہوں اور وہ مہارانی آنے سے رہی۔'' سعد ماریہ کا انتظار کر رہا تھا۔ تبھی ماریہ گھر سے نکلتی ہوئی اس کے پاس آئی۔ اس نے پنک اور ڈارک براؤن کلر کا کنٹراس ڈریس پہنا ہوا تھا۔ بال آگے کی طرف کندھے پر پھیلائے ہوئے۔ لائٹ سی پنک کلر کی لپ اسٹک لگائی تھی اور کانوں میں نازک سی بالیاں پہن کر وہ کوئی آسمان سے اتری ہوئی پری لگ رہی تھی۔

سعد نے اسے دیکھا تو دیکھتا ہی رہ گیا۔

''واؤ...... سو پریٹی۔'' سعد نے دبے ہونٹ کہا۔

''آ گئی میری بلبل...... پتا نہیں کہاں گم ہو گئیں تھیں۔''

ماریہ شرما گئی۔ سعد نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے پیپل کے درخت کے نیچے لے گیا وہ دونوں وہاں بیٹھ چکے

تھے کہ سعد گنگنانے لگا۔

دیکھا نہ تھا کبھی ہم نے یہ سماں
ایسا نشہ تیرے پیار نے دیا سوچا نہ تھا

"ارے چپ بھی کرو، کسی نے سن لیا نا تو قیامت آجائے گی۔" ماریہ نے اسے ڈپٹا تھا۔

"اچھا چپ کر کے بیٹھ جاتا ہوں۔" سعد نے ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر ڈال کر منہ کو ذرا جھٹکا دیا۔ یہ صرف ناراض ہونے کی ایکٹنگ تھی۔

ماریہ نے سعد کو بغور دیکھا تو وہ اس کے دل کی گہرائیوں تک پہنچ گیا۔ سعد بلیو جینز اور ریڈ شولڈر کٹ شرٹ میں غضب ناک لگ رہا تھا۔ ساتھ ہی آدھے سے زیادہ دکھتے مسلز اور چوڑا سینہ...... وہ کوئی فلمی ہیرو لگ رہا تھا۔

ماریہ، سعد کو دیکھ کر مسکرائی تو اس کے گالوں کے ڈمپلز اور گہرے ہو گئے۔

سعد کو ماریہ پر بے انتہا پیار آیا۔ وہ فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور ماریہ کو اپنی طرف کھینچ کر اپنے قریب کیا۔ اس کی نازک سی کمر میں اپنے دونوں ہاتھ حمائل کیے ماریہ بالکل سعد کے سینے سے لگ چکی تھی۔ سعد نے اس کے چہرے پر آئی ہوئی لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔ ماریہ کو سعد کی سانسوں کی گرماہٹ محسوس ہونے لگی۔

"سعد یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟" ماریہ کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ بمشکل کہہ پائی۔

"جی جانِ سعد؟" سعد، ماریہ کے ڈر کو سمجھ چکا تھا۔ اپنی مسکراہٹ کو چھپاتے ہوئے ماریہ کے اور قریب ہونے لگا۔

"سعد......!" ماریہ نے سعد کو جھٹکے سے پیچھے کیا۔

"یہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ سعد! میں پھر تم سے کبھی ملنے نہیں آؤں گی۔" ماریہ مڑ کر جانے لگی کہ سعد نے اسے پیچھے سے اپنے حصار میں لے لیا اور ذرا جھک کر اس کے کان میں سرگوشی کی۔

"ارے میری بلبل، تم تو ناراض ہو گئی دیکھو میں تمہارے لیے گفٹ لایا ہوں۔"

"گفٹ......!" ماریہ کے ہونٹوں نے لفظ گفٹ دہرایا۔

ماریہ مڑی تو سعد کے ہاتھ میں ہیرے کا نازک سا لاکٹ جگمگا رہا تھا۔ ماریہ کی آنکھیں کھلتی چلی گئیں۔

"کہیں یہ ہیرے کا تو نہیں ہے؟" وہ بولی۔

"بالکل ہے لیکن یہ بھی تمہارے حسن کے آگے کچھ نہیں ہے۔"

"میں نے زندگی میں کبھی ہیرے کو اتنے قریب سے نہیں دیکھا۔"

"آج سے ہر روز دیکھنا۔" سعد نے اس کی مرمریں گردن میں لاکٹ پہنا دیا۔

"میں بہت ہی جلد اپنے گھر والوں کو بھیج رہا ہوں تمہارے گھر والوں سے بات کرنے، تمہیں ہمیشہ کے لیے اپنانے۔" ماریہ کا چہرہ گلال ہو چکا تھا۔

سعد مسلسل ماریہ کے چہرے کو دیکھے جا رہا تھا کہ ماریہ نے بات بدلی۔

"اچھا یہ لاکٹ کیسا لگ رہا ہے؟"

"اچھی لگ رہی ہو۔" مسکرا کر جواب دیا۔

"اچھا میں چلتی ہوں، بہت دیر ہو گئی ہے۔" ماریہ بھاگتی ہوئی چلی گئی اور سعد پیچھے سے آواز دیتا رہ گیا۔

☆......☆

"ٹھک......ٹھک......ٹھک۔"

"ارے ماریہ بیٹا جا دیکھ کون آیا ہے۔"

"جی ابا! میں دیکھتی ہوں۔" ماریہ نے دروازہ کھولا۔

ایک مرد اور ایک عورت تھی جو کپڑوں سے بہت امیر لگ رہے تھے۔ وہ سعد کے ماں باپ تھے۔

"بیٹا تمہارے ابا اماں گھر میں ہیں؟" آدمی نے پوچھا تھا۔

ماریہ کو اندازہ ہو چکا تھا کہ یہ سعد کے والدین ہیں۔

"جی ہاں آئیں نا اندر۔"

"تمہارا نام کیا ہے؟" اس بار سعد کی ماں نے پوچھا تھا۔

"جی میرا نام ماریہ ہے۔ آپ آئیے نا اندر۔" آدمی نے اندر آتے ہی ماریہ کو گلے لگا لیا۔ ماریہ حیران ہو گئی۔ سعد کی ماں نے بھی اسے گلے سے لگایا اور اس کا ماتھا چوما۔ سعد کی ماں کے دل سے ساری میل دھل چکی تھی۔ اس نے ان سب کو دل سے اپنا لیا تھا۔

عالیہ بیگم بھی آچکی تھیں۔ اس نے جب ان دونوں کو دیکھا تو اپنی جگہ کھڑی رہ گئیں۔ ماریہ اماں کی حیرانی دیکھ کر سوچنے لگی۔

"لگتا ہے، بہت ہی امیر ہیں یہ لوگ اس لیے تو اماں اتنی حیران ہو رہی ہیں۔" ماریہ کمرے میں جا چکی تھی۔

سعد کی ماں عالیہ بیگم سے گلے لگی۔ الیاس خان نے سعد کو گلے لگایا۔ دونوں رو رہے تھے۔ ماریہ چپکے سے کمرے سے دیکھ رہی تھی۔ پھر عالیہ بیگم انہیں کمرے میں لے گئیں۔ وہ سب اطمینان سے بیٹھ چکے تھے۔

جب سعد کے والد نے ماریہ کے رشتے کی بات چھیڑی تو الیاس خان کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔ عالیہ بیگم کو تو یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

"لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" الیاس کچھ پریشان ہوئے۔

"کیوں تم لوگوں کو کوئی اعتراض ہے؟" سعد کے والد نے پوچھا۔

"نہیں، ہمیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ ہم تو بہت خوش ہیں لیکن ماریہ سے پہلے ہماری بڑی بیٹی حنا ہے۔ ہم پہلے اس کی شادی کروانا چاہتے ہیں۔"

"ارے الیاس خان تم نے تو مجھے ڈرا دیا تھا۔ قسمت کو کون بدل سکتا ہے۔ اللہ نے چاہا تو حنا کی بھی شادی ہو جائے گی اور چھوٹی بیٹی کی پہلے شادی کرانا کوئی گناہ تو نہیں ہے۔" سعد کے والد بولے۔

"لیکن آپ نے ماریہ کو کہاں دیکھا؟" عالیہ بیگم پوچھنے لگیں۔

"دراصل سعد کی گاڑی سے ماریہ کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ تب سے سعد کو ماریہ پسند آ گئی ہے تب سے کہتا ہے کہ شادی کروں گا تو صرف ماریہ سے۔" سعد کی والدہ بولیں۔

"ویسے تم لوگوں کو کوئی اعتراض تو نہیں ہے؟" سعد کے والد دونوں کو دیکھتے ہوئے بولے۔

"ارے نہیں آپ ہمارے گھر آئے یہ تو ہماری خوش نصیبی ہے لیکن ہمیں کچھ وقت چاہیے ماریہ سے پوچھنے کے لیے۔" الیاس خان بولا۔

"نہیں جی بالکل بھی وقت نہیں ملے گا آپ کو۔ ماریہ بیٹی گھر میں ہی ہے پوچھ لو۔ اس سے ابھی ہمیں جو بھی

کرنا ہے جلد از جلد کرنا ہے۔ چلیں عالیہ بیگم آپ جا کے ماریہ سے پوچھ لیں۔'' عالیہ بیگم کو سعد کے والد سے ہدایت ملی تھی۔ عالیہ بیگم چلی گئی تھیں۔

''ویسے حنا بیٹی کہاں ہے؟'' سعد کی والدہ نے الیاس خان سے پوچھا۔

''وہ اس کی خالہ کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی کل کی وہیں گئی ہے۔ ایک دو دنوں میں آجائے گی۔'' الیاس خان بولے۔

''اماں یہ آدمی اور عورت کس لیے آئے ہیں؟'' ماریہ نے انجان بننا چاہا۔

''بیٹا یہ تیرے رشتے کے لیے آئے ہیں تو سعد کو جانتی ہے نا انہوں نے کہا کہ سعد کی گاڑی سے تیرا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔''

''جی اماں!'' ماریہ صرف اتنا ہی بول پائی۔

''ہم نے تو اسے نہیں دیکھا لیکن تو نے اسے دیکھا ہے اگر تجھے یہ لگے کہ وہ اچھا لڑکا ہے تو تو ہاں کر دے اور اگر تجھے صحیح نہ لگے تو انکار کر دے۔ ہمیں تو یہ رشتہ بہت اچھا لگا ہے۔ اب تو اپنی رائے بتا۔''

''امی اگر آپ کو اور ابا کو کوئی اعتراض نہیں ہے تو مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ آپ انہیں ہاں کر دیں۔''

''اچھا بیٹا میں جا کے انہیں یہ خوش خبری دیتی ہوں۔ اللہ تجھے خوش رکھے۔'' عالیہ بیگم نے ماریہ کا ماتھا چومتے ہوئے کہا اور چلی گئیں۔

''ارے کہاں رہ گئی یہ باجی؟ مجھے کتنا ڈر لگ رہا ہے۔'' ماریہ کمرے میں ٹہلنے لگی۔ عالیہ بیگم نے یہ خوش خبری سب کو سنائی تو سب بہت خوش ہوئے اور پھر ان کے درمیان شادی کی کچھ باتیں طے ہوئیں کیوں کہ ان کو شادی جلدی کرنی تھی۔

☆......☆

''یار! جب سے گاؤں گیا ہے مجھے تو بھول ہی گیا ہے۔ یہ بھی میں نے فون کر دیا ورنہ تو نے تو جان چھڑا لی ہے مجھ سے۔'' حاشر نے شکوؤں کی برسات کر دی۔

''ارے یار! تو کیوں ناراض ہو رہا ہے۔ میں تو تجھے کال کرنے ہی والا تھا مگر تم نے پہل کر دی۔'' سعد نے صاف جھوٹ بولا۔

''چھوڑ جھوٹے اچھی طرح جانتا ہوں تجھے۔ یہ بتا کوئی لڑکی پٹائی ہے تو نے؟''

''نہیں یار! اس نے مجھے پٹا لیا۔'' سعد بولا۔

''اچھا کون ہے؟ کیسی دکھتی ہے؟ کہاں ملی تجھے؟'' حاشر نے سارے سوال ساتھ ہی کر دیئے۔

''تو سن۔''

او میں نکلا......او گڈی لے کے
رستے میں......اک سڑک پر
اک موڑ آیا، میں او تھے دل چھوڑ آیا

''یار ایک پری ہے۔ جس کی میری گاڑی سے ٹکر ہو گئی تھی۔ میں اسے اسپتال لے گیا اور وہاں اس نے میرے دل کی سرجری کر لی۔''

''اور پھر......'' حاشر نے پھر سوال کیا۔

''پھر کیا میں نے اسے پرپوز کیا اپنے گھر والوں کو اس کے گھر بھیجا اور اسے اپنا لیا۔'' اس نے اپنی بات مکمل کی۔

''تو نے یہ سب اتنی آسانی سے کیسے کر لیا؟''

''نہیں یار! اس کام کو سرانجام دینے کے لیے میں نے بہت پاپڑ بیلے ہیں۔ بہت ہی جلد میری شادی بھی ہونے والی ہے تو آئے گا نا؟''

''نہیں یار! میں نہیں آسکوں گا، پاپا کی طبیعت کچھ خراب رہنے لگی ہے۔ تو ساری ذمہ داری مجھے ہی اٹھانی پڑے گی۔ آفس میں بہت کام ہوتا ہے ان دنوں۔ تو اپنی شادی کے سارے موومنٹ کیپچر کرنا اور پھر مجھے Send کر دینا۔''

''Ok Brother۔ جیسا آپ کا حکم ہو۔ اچھا حاشر میں تجھے کال بیک کرتا ہوں۔''

☆......☆

''حنا باجی! میرے لیے رکو۔'' حنا خالہ کے گھر سے واپس آرہی تھی کہ گاؤں کا شرارتی لڑکا منا حنا کو پیچھے سے آوازیں دے کر اس کے پیچھے بھاگ رہا تھا۔ پاس ہی کھڑا شخص جو کھیتوں کا نظارہ کر رہا تھا۔ بھاگتے ہوئے حنا کے پاس آیا اور خوشی سے پوچھنے لگا۔

''کیا تم الیاس خان کی بیٹی ہو؟'' حنا ڈر گئی۔

''جی......آپ کون؟'' حنا نے ڈرتے ہوئے پوچھا۔

''ارے میں تمہارے بچپن کا دوست اکرم بھول گئی ہو مجھے کیا؟''

''اکرم......!'' حنا کی آنکھیں حیرت سے کھلی رہ گئیں۔ آنکھوں میں آنسو بھی تیرنے لگے۔

''اکرم تم آگئے؟ میں تمہیں کیسے بھول سکتی ہوں۔''

''واؤ......تم تو بہت خوب صورت ہو گئی ہو۔'' اکرم نے حنا کی تعریف کی۔

''تم بھی تو اتنے خوب صورت ہو گئے ہو۔''

''کہاں سے آرہی ہو؟'' پھر سوال کیا گیا۔

''وہ میں کچھ دنوں سے خالہ کے گھر میں تھی۔ ان کی طبیعت کچھ خراب تھی۔ اس لیے اب ان کی طبیعت ٹھیک ہو گئی ہے تو میں گھر جا رہی ہوں۔''

''اچھا...... مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔'' اکرم نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ حنا کے من میں لڈو پھوٹا۔ اس نے منا کو دیکھا تو وہ دلچسپی سے ان کی باتیں سن رہا تھا۔ حنا نے سوچا کہ کہیں منا یہ ساری باتیں ابا کو نہ بتا دے۔

''نہیں ابھی نہیں میں چلتی ہوں۔'' حنا ہنس کے بھاگ گئی اور اکرم وہیں پر کھڑا رہ گیا۔

حنا بہت خوش تھی اور وہ یہ خوش خبری جلد از جلد ماریہ کو سنانا چاہتی تھی۔ جیسے ہی حنا گھر آئی تو دونوں بہنیں ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں کیوں کہ دونوں ہی بہت خوش تھیں۔

''باجی آپ اتنی خوش کیوں ہو؟'' ماریہ نے پوچھا۔

''کیونکہ میرے پاس ایک بہت بڑی خوش خبری ہے۔'' حنا کے تو دانت ہی نہیں چھپ رہے تھے۔

''اور بتا تو کیوں اتنی خوش ہے؟'' حنا نے پوچھا۔

''کیونکہ میرے پاس بھی بہت بڑی خوش خبری ہے۔''

"وہ کیا؟" وہ سوال کرنے لگی۔
"نہیں باجی پہلے آپ بتائیے۔"
"اچھا رکو بتاتی ہوں، ماریہ تیری دعائیں رنگ لے آئیں۔ اکرم واپس آ گیا ہے۔"
"کیا......!" ماریہ بہت خوش ہوئی اور حیران بھی۔
"باجی یہ تو بہت بڑی خوشی کی خبر ہے۔"
"اسی لیے تو میں اتنی خوش ہوں۔ وہ مجھے کھیت میں ملا تھا۔ منے نے مجھے حنا نام سے پکارا تو اس نے مجھے پہچان لیا۔ وہ بھاگتا ہوا میرے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میں اکرم ہوں۔ ہماری زیادہ بات نہیں ہوئی۔ وہ مجھے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن میں آ گئی کیوں کہ اگر وہ مجھ سے اپنے پیار کا اظہار کرتا تو منا بھی سن لیتا۔" حنا نے ساری بات ایک ہی سانس میں کہہ دی۔
"اور تو بتا تیرے پاس کیا خوش خبری ہے؟"
"آپ کی بات ختم ہو گی تو میں بتاؤں گی نا؟" ماریہ نے ہنستے ہوئے کہا۔
اچھا اب بتا بھی دے۔" حنا سے صبر نہیں ہو رہا تھا۔
"میرے لیے سعد کا رشتہ آیا تھا۔ سعد کے ماں باپ آئے تھے۔"
"کیا......؟" حنا نے چیخ ہی تو ماری تھی۔
"ہاں۔ ابا اور اماں نے ہاں بھی کر دی۔"
"یہ تو بہت ہی خوشی کی بات ہے۔" حنا اس رشتے سے بہت خوش ہوئی۔
"لیکن باجی مجھے ایک بات سمجھ میں نہیں آئی۔ سعد کے ماں باپ کے آنے سے اماں اور ابا بہت خوش ہوئے بلکہ ابا تو رونے لگے۔ پتا نہیں ایسا کیوں ہوا؟" ماریہ نے حنا کو آگاہ کیا۔
"ارے پاگل۔ اتنے بڑے لوگ ہمارے گھر آئے۔ ابا کو خوشی کیوں نہیں ہو گی۔ تو نے ہی بتایا تھا نا کہ وہ لوگ بہت امیر ہیں۔ جو بھی ہو ہم آج کا دن کبھی نہیں بھولیں گے۔" حنا خوشی سے بولنے لگی۔
وہ دونوں باتیں کر رہی تھیں کہ عالیہ بیگم کمرے میں آ گئیں۔
"ارے حنا! تم آ گئیں ماریہ نے تو تمہیں بتا ہی دیا ہو گا۔"
"جی۔ اماں بتا دیا ہے اور آپ لوگوں نے بہت اچھا کیا جو ہاں کر دی۔"
"وہ لوگ تو پندرہ دن کے بعد شادی مانگ رہے ہیں۔"
"کیا...... پندرہ دن۔" ماریہ اور حنا کی آنکھیں باہر نکل آئیں۔
"تیرے ابا نے تو کہہ دیا کہ پندرہ دن میں سب کیسے ہو گا؟ انہوں نے کہا کہ انہیں کچھ بھی نہیں چاہیے ہمیں آپ کی بیٹی بس ایک جوڑے میں چاہیے۔"
"ہوں۔"
"سعد کے گھر والے تو بہت اچھے نکلے۔" حنا نے ماریہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو ماریہ دبے ہونٹ مسکرانے لگی۔
"ارے یہ نام تو اس کے ماموں نے رکھا ہے تم اسے اپنے نام سے بلاؤ نا۔"
"کون سا اپنا نام؟" حنا نے حیرانگی سے کہا۔

"ارے اکرم تیرے چچا کا بیٹا۔"
"ک...... اکرم۔" حنا بمشکل بول پائی۔
عالیہ بیگم تو چلی گئیں تھیں لیکن اپنے پیچھے ایک طوفان چھوڑ گئی تھی۔ حنا اور ماریہ ایک دم سن ہو چکی تھیں۔ گویا کسی نے پیروں تلے زمین کھینچ لی ہو۔ دونوں کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ اب کیا ہو سکتا تھا ہونا ہوا ایک بہن کو اپنے پیار کی قربانی تو دینی ہی پڑے گی۔

☆......☆

"بکواس بند کرو ماریہ۔" حنا چلائی تھی۔
"یہ بکواس نہیں ہے باجی! آپ ہی اکرم سے شادی کرو گی۔ کیونکہ آپ کا پیار بچپن کا ہے تو میں کیسے آپ سے آپ کا حق چھین سکتی ہوں۔" ماریہ روتے ہوئے بولی۔
"کون سا حق؟ جو کبھی میرا تھا ہی نہیں۔ مانتی ہوں کہ میں نے اکرم سے پیار کیا لیکن اس نے کبھی مجھ سے پیار نہیں کیا۔ اس کے لیے میں صرف ایک دوست تھی۔"
"ماریہ میری بہن اکرم صرف اور صرف تمہارا ہے۔ کیونکہ اس نے تم سے پیار کیا ہے۔" حنا نے ماریہ کو کندھوں سے پکڑ کر پیار سے سمجھایا۔
"نہیں باجی! ایسا نہیں ہو سکتا میں اکرم سے بات کروں گی۔ وہ تم سے ضرور شادی کرے گا۔" ماریہ مسلسل روئے جا رہی تھی۔
"کوئی ضرورت نہیں ہے کسی سے بھی میرے لیے بھیک مانگنے کی۔" حنا اندر سے بہت غم زدہ تھی لیکن وہ ماریہ کے سامنے اپنے چہرے پر غصہ ظاہر کر رہی تھی۔
"باجی جو بھی ہو میں جا رہی ہوں۔ اماں ابا سے بات کرنے۔" ماریہ کھڑی ہوئی تو حنا نے اسے پکڑ لیا۔
"ماریہ تم نہیں جاؤ گی۔"
"نہیں باجی! آپ مجھے نہیں روکو گی۔" ماریہ کمرے سے نکلنے لگی۔
"ماریہ تجھے میری قسم رک جا، اللہ کے واسطے نہ جا۔" ماریہ کے بڑھتے قدم رک گئے۔
"یہ کیا کیا باجی آپ نے، آپ نے مجھے اپنی قسم کیوں دے دی؟"
"دیکھو ماریہ! شادی میں کچھ ہی دن باقی ہیں اور میں نہیں چاہتی کہ کوئی تماشا بنے، مجھے ابا کی عزت کی بہت پروا ہے۔ ماریہ تو مجھ سے پیار کرتی ہے ناں؟"
"یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ باجی میں آپ سے بہت پیار کرتی ہوں۔ آپ کی خوشی چاہتی ہوں اسی لیے تو یہ سب کر رہی ہوں۔"
"اگر تو میری خوشی چاہتی ہے نا تو اکرم سے شادی کر لے۔ کیوں کہ اسی میں میری خوشی ہے۔ اکرم بھی تجھ سے بہت پیار کرتا ہے۔ میں اپنے پیار کی قربانی صرف تیرے نہیں بلکہ تیرے اور اکرم دونوں کے لیے دے رہی ہوں۔"
"لیکن باجی! میں شادی کے بعد آپ سے کیسے نظریں ملاؤں گی؟"
"ارے پگلی تم کیا جانو شادی کے بعد میں بھی تم سے نظریں نہیں ملا سکوں گی۔ اسی لیے اتنا کٹھن فیصلہ لینے کی سوچ رہی ہوں پھر تجھے کبھی میرا چہرہ نظر نہیں آئے گا۔" حنا سوچوں میں گم تھی۔

''باجی کن سوچوں میں گم ہوگئیں؟'' میری بات کا جواب دونا۔''
''ماریہ! تجھے مجھ سے نظریں ملانے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ میں بھی تو اپنے سسرال میں ہوں گی۔ مجھے بھی کوئی مل جائے گا تو میں اس سے شادی کرلوں گی۔'' حنا نے آنسو ضبط کیے۔
''اور ماریہ اگر تو نے ابھی بھی میری بات نہ مانی تو تجھے میرا مرا ہوا منہ دیکھنا پڑے گا۔''
''نہیں باجی! ایسے مت کہو۔ آپ یہ چاہتی ہیں نا کہ میں اکرم سے شادی کرلوں تو میں تیار ہوں لیکن آپ کے منہ سے ایسی باتیں بالکل نہیں نکلنی چاہئیں۔''

☆......☆

آج مہندی تھی۔ ماریہ نے سبز اور پیلے رنگ کا جوڑا پہنا ہوا تھا۔ ساتھ ہی سفید اور پیلے رنگ کے پھولوں والے گجرے اور میک اپ کے نام پر صرف گلابی رنگ کی لپ اسٹک لگائی ہوئی تھی۔ ماریہ کی آنکھیں رونے کی وجہ سے سرخ ہو چکی تھیں، حنا خود کو ماریہ کے سامنے نارمل دکھا رہی تھی لیکن اس کا دل خون کے آنسو رو رہا تھا۔ حنا نے لال اور پیلے رنگ کا لباس زیب تن کیا ہوا تھا اور سنہرے بالوں کی چوٹی بنا کے آگے کی طرف کی ہوئی تھی۔ ہر طرف رونق تھی۔ عورتیں ڈھولک میں مصروف تھیں جب کہ لڑکیاں ناچنے میں لگی ہوئی تھیں۔ عام طور پر گاؤں کی شادیاں بہت خوب صورت ہوتی ہیں۔
''ارے حنا! آؤ نا تم بھی ڈانس کرو۔'' شنو حنا کو کھینچتے ہوئے لے گئی۔ تو ماریہ نے چونک کر اسے دیکھا۔ حنا ناچنا نہیں چاہتی تھی لیکن جب ماریہ کی نظریں خود پر پائیں تو خوشی خوشی ناچنے لگی۔ ماریہ بھی حیران تھی کہ حنا اتنی خوش کیوں ہے۔ حنا ناچ ہی رہی تھی کہ سب لڑکیاں دروازے کی طرف لپکیں۔
''لڑکے والے آگئے ہیں۔ لڑکے والے آگئے ہیں۔'' حنا کے دل کی دھڑکن رک گئی۔
لڑکے والوں کی انٹری ہو چکی تھی۔ ساتھ ہی حسن کا دیوتا بھی آ چکا تھا۔ سعد نے زرد رنگ کا کرتا پہنا ہوا تھا۔ ساتھ ہی زرد اور سبز رنگ کا دوپٹہ گلے میں حمائل کیا ہوا وہ غضب ناک لگ رہا تھا۔ آج ان دونوں کو جو روپ چڑھا تھا وہ قابل دید تھا۔ سعد کو ماریہ کے ساتھ بٹھا دیا گیا سب ان کی جوڑی کو سراہ رہے تھے۔
سعد نے حنا کو ہاتھ سے پکڑ کر اپنے پاس بٹھایا۔
''آؤ بیٹھ جاؤ میری سالی جی۔'' حنا کے لب خاموش تھے۔
''آج تمہاری بہن کا حسن میری جان نکال دے گا۔'' سعد نے ماریہ کی تعریف کی۔
''اللہ نہ کرے۔'' حنا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ماریہ نے چونک کر حنا کو دیکھا۔
''مم......میرا مطلب ہے کہ اللہ نہ کرے کہ کبھی میری بہن کا گھر اجڑے۔'' اس نے بات بدلی۔ وہ وہاں زیادہ دیر نہیں رک سکتی تھی تو کمرے میں بند ہو کے روئے جا رہی تھی۔ ماریہ کی نظریں حنا کو ڈھونڈ رہی تھیں۔
الیاس خان اور اسرار خان ساتھ ساتھ بہت خوش دکھائی دے رہے تھے۔ رات گئے مہندی کی رسمیں ختم ہوئیں تو لڑکیوں نے ماریہ کو مہندی لگائی اور پھر سب اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

☆......☆

بارات کے لیے اکرم کے گھر والوں کی طرف سے خوب تیاری کی گئی تھی۔ حنا نے ماریہ کو تیار کیا۔ ماریہ نے ڈارک ریڈ کلر کا لہنگا پہنا ہوا تھا۔ ریڈ کلر میں اس کی نکھری ہوئی رنگت نمایاں تھی۔ زیورات سے آراستہ وہ کسی اور ہی دنیا کی لگ رہی تھی۔ حنا نے گلابی رنگ کا جوڑا پہنا ہوا تھا اور میک اپ تو حنا شروع ہی سے نہیں کرتی تھی۔

ماریہ کو صوفے پر بٹھایا گیا۔ اکرم نے وائٹ کڑھائی والا کرتہ پہنا تھا۔ اکرم بھی کسی سے کم نہیں تھا۔ سب لوگ کھانا کھا چکے تھے۔ اب نکاح کا وقت تھا۔ مولوی صاحب ماریہ کے پاس نکاح نامہ لائے۔ حنا کو یہ منظر کانٹوں کی طرح چبھ رہا تھا تو وہ وہاں سے چلی گئی اور کمرے کے دروازے کے ساتھ کھڑی ہوگئی۔
''ماریہ ولد الیاس خان آپ کو اکرم ولد ابرار خان سے نکاح حق مہر دس لاکھ روپے یہ نکاح قبول ہے؟''
جواباً ماریہ خاموش رہی اور اس کی آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے۔
مولوی صاحب نے اپنا جملہ دہرایا۔
ماریہ کی طرف سے مکمل خاموشی تھی۔ سب لوگ ماریہ کی ہاں کے منتظر تھے۔ عالیہ بیگم پریشان ہو رہی تھیں۔
مولوی صاحب نے تیسرا جملہ دہرایا۔
ماریہ انکار کرنا چاہتی تھی لیکن اس کے دماغ میں حنا کی وہ بات آئی۔ ''اگر تو یہ شادی نہیں کرے گی تو میرا مرا ہوا منہ دیکھے گی۔'' ماریہ ایک دم سوچوں کے بھنور سے باہر آئی اور قبول ہے کہہ ڈالا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ حنا روتے ہوئے کمرے کے اندر چلی گئی۔ عالیہ بیگم نے اسے گلے لگا لیا۔ تھوڑی دیر کے بعد کسی نے زہرہ بیگم کو اطلاع دی تو وہ بولیں۔
''مبارک ہو نکاح ہو گیا ہے۔'' سارے گھر میں مبارک باد کی آوازیں گونجنے لگیں۔ زہرہ بیگم اور عالیہ بیگم ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں۔ زہرہ بیگم کی نظریں حنا کو ڈھونڈنے لگیں اور ڈھونڈتے ڈھونڈتے حنا کے کمرے میں جا پہنچیں۔ حنا چارپائی پر بیٹھی آنسو بہا رہی تھی کہ زہرہ بیگم اس کے قریب آ کے بیٹھ گئیں۔
''بیٹی میں نے جو تمہارے ساتھ کیا تھا اس کے لیے میں بہت شرمندہ ہوں، میں نے تمہارے ساتھ بہت برا کیا، تم مجھے معاف کر دو بیٹی۔'' زہرہ بیگم نے حنا کے آگے ہاتھ جوڑ دیئے۔
''نہیں چاچی! آپ ایسا کہہ کر مجھے شرمندہ نہ کریں، آپ میری ماں جیسی ہو اور مائیں بیٹیوں کے سامنے ہاتھ نہیں جوڑتیں۔'' حنا نے زہرہ بیگم کے ہاتھ پکڑ کر نیچے کیے۔
''سدا سکھی رہے میری بیٹی۔'' زہرہ بیگم نے اسے گلے لگاتے ہوئے شفقت سے کہا کہ شنو آ گئی۔
''باہر آ جائیں رخصتی کا ٹائم ہو رہا ہے۔'' حنا کی سانسیں تھم گئیں۔
''کیا کروں۔ باہر جاؤں یا نہیں؟'' وہ خود سے سوال کرنے لگی۔
''نہیں میں یہاں نہیں بیٹھ سکتی۔ میں باہر نہیں گئی تو لوگ کیا سوچیں گے۔'' حنا باہر گئی تو ماریہ کو لے جایا جا رہا تھا۔ حنا بھاگتے ہوئے ماریہ سے گلے لگ کر رونے لگی۔ ماریہ سے برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ کچھ بولنے ہی والی تھی کہ حنا نے اسے روک لیا۔
''بس ماریہ! سعد تجھے بہت خوش رکھے گا۔'' یوں آہوں اور سسکیوں کے ساتھ اسے رخصت کر دیا۔

☆......☆

کشادہ کمرہ، نہایت مہنگا فرنیچر، بیڈ پر پھیلا ہوا سرخ گلابوں کا سیج، چمکتے ماربل، ڈریسنگ ٹیبل پر سجے ہر قسم کی کاسمیٹکس، ہر طرف پھیلی خوشیاں، سب کچھ اس کی پسند کا تھا۔ سب کچھ ویسا ہی تھا جیسے وہ چاہتی تھی لیکن وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگائے اپنے وجود سے غافل آنکھیں بند کیے ہوئے حنا کی سوچوں میں گم تھی۔
ماریہ اکرم آ گیا۔ وہ بہت خوب صورت ہو گیا ہے۔ وہ مجھ سے کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن میں آ گئی۔ میں نے بچپن سے ہی اکرم کا انتظار کیا ہے، میں کسی اور سے شادی نہیں کر سکتی۔'' حنا کی ہنسی خوشی اکرم سے پیار وہ سب

ماریہ کے دماغ میں ریکارڈنگ کی طرح چل رہا تھا۔ جب دروازہ ناک کی آواز سے وہ سوچوں کی دنیا سے باہر آئی۔ اکرم اندر آیا تو وہ سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔ اکرم چمکتے ہوئے چہرے کے ساتھ اندر آیا اور سلام کیا، ماریہ نے جواب دیا تو وہ اس کے قریب ہی بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گیا۔

''میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میری وش اتنی جلدی پوری ہو گی مگر تمہیں دیکھ کر ایسا لگ رہا ہے کہ آج ساری زندگی کی اداسی تمہارے چہرے پر سمٹ آئی ہے۔'' اکرم نے تشویش سے اس کے چہرے کو دیکھا۔

''اکرم! اگر میں تم سے کچھ مانگوں تو تم مجھے دو گے؟'' وہ بولی۔

''مانگ کے دیکھ لو۔'' وہ ادا سے بولا۔

''شادی کے تیسرے دن ہی ہم یہاں سے چلے جائیں گے امریکا۔'' وہ نظریں جھکا کر بولی۔

''تیسرے دن......!'' وہ ہکا بکا رہ گیا۔

''اماں اتنی جلدی ہمیں یہاں سے جانے نہیں دیں گی۔ ویسے تم امریکہ جانے کے لیے اتنی بے تاب کیوں ہو؟''

''چلیے نا مانیے میری بات۔'' وہ روٹھ کر بولی۔

''اچھا بابا! میں بات کروں گا اماں سے اب تو اپنا موڈ ٹھیک کرو۔'' اس نے اپنی جیب سے ایک چھوٹی سی ڈبیا نکالی اور نازک سی جگمگاتی ہوئی رِنگ اس کی نازک سی انگلی میں ڈالی۔

☆......☆

کالی رات میں ہر طرف سناٹا چھایا ہوا تھا۔ آسمان میں تارے ٹمٹمار ہے تھے۔ وہ صحن کے ایک کونے میں بے جان سی بیٹھی اپنے دل کی آواز کو سن رہی تھی اس کا وجود اندر سے پگھل رہا تھا اور اس کا دل بس ایک ہی سوال کر رہا تھا آخر ایسا کیوں ہوا؟ اور آنسو تھے کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہے تھے۔ شاید ان کو بھی خود پر اختیار نہ تھا۔ وہ اپنی قسمت کا رونا رو رہی تھی کہ عالیہ بیگم وہاں آ گئیں اور اس کے برابر میں بیٹھ گئیں۔

''ماریہ کے لیے اداس ہو؟''

حنا جسے اپنی ماں کے آنے کا احساس بھی نہ ہوا تھا ان کی آواز پر چونک گئی۔

''ہوں۔'' مختصر جواب تھا۔

''بیٹی تو کب تک یوں اپنے باپ کے گھر میں بیٹھی رہے گی۔ ہم تیرے لیے کوئی اچھا سا رشتہ ڈھونڈ کے تیری بھی شادی کرا دیتے ہیں۔ ہمارا بھی بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ اب ہم بوڑھے ہو چکے ہیں کیا پتا آج ہوں کل نہ ہوں۔'' ماں نے پیار سے کہا۔

''نہیں اماں آپ دونوں تو میرا آخری سہارا ہو۔ آپ کو کچھ نہیں ہو گا۔ میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گی۔ میں آپ دونوں سے بہت پیار کرتی ہوں۔'' حنا ماں کے سینے میں چھپ گئی۔

''ارے کہاں رہ گئی عالیہ تجھے پانی لانے کے لیے کہا تھا۔'' الیاس خان نے آواز لگائی تو عالیہ بیگم کہنے لگیں۔

''ہاں لائی۔ بیٹی تو بھی جا کے سو جا رات بہت ہو گئی ہے۔''

''جی اماں! آپ جائیے میں آتی ہوں۔'' حنا نے ماں کے دل کے لیے کہا۔ ورنہ اس کا وہاں سے جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

☆......☆

صبح اکرم کی آنکھ کھلی تو وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی بے دلی سے تیار ہو رہی تھی۔ چہرے سے ہنسی کوسوں دور تھی۔ اکرم اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

''ماریہ تم مجھ سے شادی کر کے خوش تو ہو ناں؟''

''یہ کیسا سوال ہے؟ تم جانتے ہو نا کہ میں نے تم سے اپنی پسند سے شادی کی ہے۔'' اس نے نظر چرالی۔

''تو پھر تمہارے چہرے سے ہنسی کہاں غائب ہے؟'' دوبارہ سوال کیا گیا۔

''نہیں وہ گھر والوں کی یاد آ رہی تھی اس لیے۔'' اس نے بہانا بنایا۔

''تو پھر چلتے ہیں نا آج۔'' وہ بھی اس کی ہر بات کو پوری کرنے کو تیار تھا۔

''نن......تمہیں اتنی یاد بھی نہیں آ رہی اچھا اب آپ تیار ہو جائیے میں نیچے چلتی ہوں۔''

اکرم واش روم میں گھس گیا۔

''مجھ میں اتنی ہمت کہاں کہ میں حنا باجی سے نظریں ملا سکوں۔'' اس نے سوچا اور کمرے سے نکل گئی۔ باہر جا کر ساس اور سسر کو سلام کیا اور صوفے پر بیٹھ گئی۔ انہوں نے بھی خوش دلی سے استقبال کیا۔ اکرم بھی تیار ہو کر نیچے آ چکا تھا۔

''بہت بھوک لگ رہی ہے بھئی کچھ کھانے کو ملے گا؟'' وہ صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''ہاں کیوں نہیں ملے گا۔'' ماں نے پیار سے کہا۔

''ارے گلابو اکرم اور ماریہ کے لیے ناشتہ لے کر آ۔''

''ہاں اماں مجھے آپ سے اور ابا سے کچھ بات کرنی ہے۔'' اکرم کچھ یاد آنے پر بولا۔

''ہاں بولو کیا بات ہے۔'' زہرہ بیگم نے تشویش سے پوچھا۔

''اماں میں اور ماریہ کچھ دنوں میں امریکہ جانا چاہتے ہیں۔'' وہ بولا۔

''یہ کیا بات ہوئی بھلا، ابھی تو تمہارا ولیمہ بھی نہیں ہوا اور تم بیرون ملک جانے کی بات کر رہے ہو۔''

''تو کیا ہوا اماں آج شام تو ویسے بھی ولیمہ ہے اور ہم تو کچھ دنوں میں جانے کی بات کر رہے ہیں۔ میں کچھ مہینے بعد آپ سے ملنے آ جاؤں گا۔'' اس نے ماں کو تسلی دی۔

''ہاں تیرے ماموں کا بھی فون آیا تھا کہہ رہا تھا کہ مجھ سے یہ کام نہیں ہوتا، کوئی بیٹا تو ہے نہیں اس کا، ایک بیٹی ہے دو بچوں کی ماں وہ بھی اپنے گھر میں ہوتی ہے۔ تجھے تو جانا ہی ہو گا لیکن اس شرط پر کہ تو کچھ مہینے میں مجھ سے ملنے آئے گا۔'' زہرہ بیگم نے اس کے جواب کا انتظار کیا۔

''ہاں اماں! میں ضرور آؤں گا۔'' اکرم نے شرارت سے اپنی ماں کے گال ہاتھوں میں ہلائے۔

''میری Sweet Sweet مام۔''

''چل ہٹ بدمعاش مسکے نہ لگا، چل جا ابھی اپنے ولیمے کی تیاری کر اور پھر امریکہ جانے کی تیاری کرنا۔'' زہرہ بیگم نے اکرم کے بازو پر تھپکی ماری۔

☆......☆

وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی اپنے زیورات اتار رہی تھی کہ اکرم اندر آیا۔

''ارے ارے یہ کیا کر رہی ہو؟''

''کیا ہوا؟'' وہ حیران ہو گئی۔

"میرے آنے سے پہلے ہی یہ سب کیوں اتار رہی ہو۔" وہ روٹھے ہوئے انداز میں بولا۔

"آج ویسے میں بہت تھک چکی ہوں۔ اس لیے یہ سب بوجھ لگ رہا ہے۔" وہ تھکے ہوئے انداز میں بولی۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم حنا کو روک لیتیں نا یہاں دو تین دن رہ کر چلی جاتی۔" اکرم بولا۔

"یہاں رک جاتی تو گھر کے کام کون کرتا؟" اس نے حنا کا ولیمے میں شرکت نہ کرنے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

"اچھا میں کل ٹکٹ بک کرواتا ہوں، دو تین دنوں میں ہم چلے جائیں گے، تم تیاری کر لینا۔" وہ بولتے ہوئے واش روم میں گھس گیا۔

"جی!" وہ بولی۔

ان کے جانے کا دن آن پہنچا۔ انہوں نے مکمل تیاری کی ہوئی تھی۔ الیاس خان اور عالیہ بیگم بھی آ چکے تھے۔

"حنا نہیں آئی؟" اکرم نے پوچھا تھا۔

"نہیں ہم نے کہا بھی کہ آ جاؤ ہمارے ساتھ لیکن وہ کہنے لگی کہ میری طبیعت کچھ ٹھیک نہیں ہے۔" الیاس خان بولے۔

"بیٹا! دیر ہو رہی ہے اب ہمیں نکلنا چاہیے۔" ابرار خان بولے۔

وہ دونوں سب سے ملنے لگے۔

"آ جاؤ بیٹا گاڑی میں بیٹھ جاؤ۔"

ابرار خان بولتے ہوئے باہر نکل گئے۔ ماریہ اور اکرم بھی ان کے پیچھے نکل گئے اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔

گاڑی ابرار خان چلا رہا تھا اور وہ دونوں پیچھے بیٹھے ہوئے تھے۔

وہ بے کل سی بیٹھی ہوئی تھی جب اکرم اس کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ "اب تو خوش ہو جاؤ تمہاری خواہش پوری ہو رہی ہے۔"

"میری تو ہمیشہ خواہش پوری ہوتی ہے اور قربانی کا بکرا کسی اور کو بننا پڑتا ہے۔" وہ دبے ہونٹ بولی۔

"کیا کہا تم نے؟" اکرم پوچھنے لگا۔

"نہیں کچھ نہیں اور تم نے ماموں کو بتا دیا ہے کہ ہم آ رہے ہیں؟" اس نے موضوع بدل ڈالا۔

"ہاں بتا دیا ہے۔" اور پھر وہ اپنی منزل کی طرف گامزن ہو گئے۔

☆......☆

حنا سوچوں میں گم ہانڈی بنا رہی تھی کہ اس کا ہاتھ جل گیا۔

"ارے کیا کر دیا تو نے، اپنا ہاتھ جلا ڈالا تو تو ویسے ہی کام کرنے لگی ہے جیسے ماریہ کرتی تھی۔ ارے ہاں آج گیارہ مہینے ہو گئے ہیں ماریہ کو دیکھے ہوئے۔ وہ تو امریکہ میں اتنی خوش ہے کہ جب اکرم پچھلی دفعہ یہاں آیا تھا اس کے ساتھ بھی نہیں آئی۔" عالیہ بیگم کو اپنی بیٹی سے شکوہ تھا۔

حنا ہانڈی بنانے میں مصروف تھی۔ وہ اب وہ خوب صورت پری نہیں رہی تھی۔ سفید رنگ کالا پڑ گیا تھا۔ آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے پڑ چکے تھے اور کافی کمزور بھی ہو گئی تھی۔ کبھی ٹھیک تو کبھی بیمار رہتی۔ قریبی کلینک سے کچھ علاج بھی کروایا مگر کوئی فرق نہیں پڑا، شادی کی بات کو تو سب بھول گئے تھے۔ اب تو عالیہ بیگم اور الیاس خان نے بھی حنا کو شادی کے بارے میں بولنا چھوڑ دیا تھا۔ ماریہ، حنا کی کمزوری سے لاعلم تھی کیوں کہ اکرم جب بھی آتا حنا اس سے نہیں ملتی وہ دونوں ماں بیٹی باتوں میں مگن تھیں کہ الیاس خان آیا۔

"ارے کن باتوں میں مصروف ہو، یہ بھی پتا ہے کہ آج اکرم آ رہا ہے؟" الیاس خان بولے۔

"کیا ماریہ بھی آ رہی ہے؟" عالیہ بیگم نے جھٹ پوچھا۔

"نہیں پہلے بھی آئی ہے جو اب آئے گی۔ اس نے تو بہانہ بنا لیا ہے کہ وہاں سسر کی خدمت کرنی ہے۔ عارف تو ٹھیک ٹھاک ہے۔ بس وہ ہی وہاں خوش ہے اسی لیے بہانے بناتی ہے۔ اچھا حنا بیٹی کھانا لے آؤ بہت بھوک لگ رہی ہے۔"

"جی ابا، ابھی لائی۔" حنا نے نرمی سے کہا۔

☆......☆

"نہیں بیٹا! ایسا کیسے ہو سکتا ہے، ہم سب تیرے ساتھ نہیں جا سکتے باہر ملک۔" الیاس خان بولے۔

"کیوں نہیں جا سکتے آپ میرے ساتھ، میں تو آپ سب کو اپنے ساتھ لے کر ہی جاؤں گا۔" اکرم بولا۔

"میں آپ کو نہیں لے کر گیا تو ماریہ ناراض ہو جائے گی۔" وہ دوبارہ بول پڑا۔

"ارے رہنے دو ماریہ کو خود تو آتی نہیں اور ہمیں بلا رہی ہے۔" الیاس نہیں مانے۔

"نہیں بھائی صاحب! وہ بھی آ جائے گی۔ عارف بھائی کی طبیعت خراب ہے، اس لیے رہ گئی۔ آپ لوگ جائیں گے اور ماریہ سے مل کر آئیں گے۔" زہرہ بیگم بولیں۔

"لیکن......" عالیہ بیگم بولنے ہی والی تھیں کہ ابرار خان نے روک لیا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں آپ لوگ جا رہے ہیں۔"

"تو اب آپ لوگ تیاری کریں کیوں کہ دو تین دنوں میں ہم جا رہے ہیں۔" اکرم بولا۔

"حنا کہاں ہے؟ پچھلی دو دفعہ جب میں آیا تھا تب میں اس سے نہیں مل پایا لیکن اب میں اس سے مل کر ہی رہوں گا کہاں ہے وہ؟" اکرم پوچھنے لگا۔

"چائے بنا رہی ہے، ارے چائے لے بھی آؤ۔" الیاس خان نے حنا کو آواز دی۔

"کیسے جاؤں گی اندر؟ اس پر نظر پڑی تو میرا کیا حال ہوگا؟" وہ سوچ ہی رہی تھی کہ الیاس خان کی دوسری آواز پر کمرے کے اندر گھس گئی اور بنا ادھر ادھر دیکھے ٹرے ٹیبل پر رکھ دی۔ اکرم کی جیسے ہی نظر حنا پر پڑی تو وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔ اس کے سامنے حنا کا پہلا والا خوب صورت سراپا گھوما اور اب یہ حنا اس کی آنکھوں کے سامنے تھی۔

"حنا......!" اس کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔

"یہ واقعی حنا ہے؟ کیا ہو گیا ہے اسے؟" حنا نے جب نظر اٹھائی تو اکرم کی خوب صورتی ویسے ہی برقرار تھی۔

"بس کچھ بیمار رہنے لگی ہے، کوئی بڑی بات نہیں ہے۔" عالیہ بیگم بولیں۔

"کوئی بات نہیں۔ تمہارا علاج میں امریکہ میں کرواؤں گا۔" اکرم نے تسلی سے کہا۔

"نہیں میں نہیں جاؤں گی۔ مجھے اپنے گاؤں سے کہیں بھی نہیں جانا۔" حنا نے انکار کیا۔

"کیوں نہیں جاؤ گی۔ چاچا چاچی جا رہے ہیں نا تو تم کیوں نہیں جاؤ گی۔" اکرم اپنی بات پر قائم تھا۔

"اماں ابا جا رہے ہیں تو جائیں، میں نہیں جاؤں گی۔ اگر ماریہ نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تو وہ پریشان ہو جائے گی۔" حنا نے بہانہ بنایا۔

''حنا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہے، یہ میرے ساتھ رہے گی اور میں اس کا علاج کرواؤں گا۔'' ابرار خان بولے تو حنا نے شکر کا کلمہ پڑھا کہ چاچا نے بچالیا۔

''جب حنا بالکل پہلے کی طرح ٹھیک ٹھاک ہو جائے گی تو ہم دونوں امریکہ جائیں گے۔'' ابرار خان دوبارہ بولے تو حنا نے اپنے چہرے پر مصنوعی مسکراہٹ بکھیر دی۔

اکرم اب کچھ بھی نہیں بول سکتا تھا۔

''اور ہاں کوئی بھی ماریہ سے میری بیماری کے بارے میں کچھ بھی نہیں کہے گا۔ بلکہ اس سے کہنا کہ میں بہت ہٹی کٹی ہوں اور کہنا کہ وہ آنا چاہ رہی تھی مگر چاچا نے روک لیا کہ تم بعد میں میرے ساتھ جاؤ گی۔'' حنا فر فر بولی۔

''اچھا بابا کہہ دیں گے۔'' اکرم بولا۔

حنا کا ماریہ سے ملنے کو بہت دل چاہ رہا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ اگر اس نے مجھے اس حالت میں دیکھ لیا تو وہ خود کو قصوروار ٹھہرائے گی۔

دو تین دن کے بعد الیاس خان اور عالیہ بیگم اکرم کے ساتھ امریکہ چلے گئے۔

☆......☆

حنا، چاچا کے گھر آچکی تھی اور وہاں اس کے زخم اور تازہ ہو جاتے جب وہ اکرم کے کمرے میں جاتی۔ اب بھی وہ اس کے کمرے میں تھی سب کچھ بڑے سلیقے سے پڑا تھا۔ وہ ہمت کر کے آگے بڑھی اور الماری کھولی۔ اکرم کے کچھ کپڑے ابھی بھی الماری میں لٹکے ہوئے تھے۔ اسے دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی تو واپس پلٹی اور بیڈ کے کنارے پر بیٹھ گئی۔ دیواروں پر اکرم اور ماریہ کی شادی کی تصویریں لگی ہوئی تھیں۔ اس کی نظر سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی تصویر پر پڑی تو جس میں ماریہ، اکرم اور حنا ساتھ میں بیٹھے ہوئے تھے یہ تصویر ماریہ کی مہندی کی تھی۔ اس نے تصویر واپس رکھ دی اور باہر ہوا میں نکل آئی کہ شاید یہاں ٹھیک ہو جائے اس کی طبیعت خراب دیکھ کر زہرہ بیگم اس کے چلی آئیں۔

''کیا ہوا؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا بیٹی؟''

''جی میری طبیعت بالکل ٹٹ......'' حنا نے بولتے بولتے الٹیاں شروع کر دیں۔ الٹیوں کی وجہ سے وہ تھوڑی جھک گئی تھی۔ اب اوپر ہوئی تو زہرہ بیگم کی نظر اس کے منہ پر پڑی۔ اس کا منہ سارا لال تھا۔ زہرہ بیگم نے زمین کو دیکھا زمین پر بھی خون پڑا ہوا تھا۔ زہرہ بیگم ڈر گئیں۔

''ارے میری بیٹی یہ کیا ہو گیا تجھے؟'' حنا بے سدھ سی ہو گئی تھی۔

''بخشو گاڑی نکال جلدی کر۔'' زہرہ بیگم چیخیں تو ابرار خان بھی نکل آئے۔

''یہ کیا ہو گیا اسے؟'' ابرار خان بھی ڈر گئے۔

''پتا نہیں جلدی سے گاڑی میں بٹھاؤ۔'' انہوں نے جلدی سے حنا کو گاڑی میں بٹھایا اور شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

وہاں حنا کے ٹیسٹ کیے گئے۔ انجکشن لگائے گئے۔ اب حنا بیڈ پر آرام کر رہی تھی۔ زہرہ بیگم اور ابرار خان بھی وہیں اس کے ساتھ موجود تھے۔ ڈاکٹر آیا اور ابرار خان سے پوچھنے لگا۔

''کیا آپ ان کے والد ہیں؟''

''جی......'' ابرار خان نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''آپ میرے ساتھ آیئے۔'' ڈاکٹر باہر نکلے اور ابرار خان بھی ان کے پیچھے نکل گئے۔

''آپ کی بیٹی کے ٹیسٹ کی رپورٹ آچکی ہے۔'' ڈاکٹر بتا رہا تھا۔

''اچھا......تو کیا بات ہے؟ میری بیٹی ٹھیک تو ہے ناں؟'' ابرار خان پریشانی سے پوچھنے لگے۔

''آہ......'' ڈاکٹر نے لمبی سانس خارج کی۔

''دیکھئے ابرار خان! آپ کی بیٹی کو پہلے تو ٹی بی کا مرض تھا جس کا وقت پر علاج نہیں ہوا مگر اب معاملہ بہت گھمبیر ہے۔ کیوں کہ آپ کی بیٹی کو بلڈ کینسر ہے اور اس کے پاس وقت بھی بہت کم ہے۔ ان کے پاس صرف ڈیڑھ مہینہ ہے۔ آپ انہیں زیادہ سے زیادہ خوش رکھنے کی کوشش کریں اور ان کا علاج جاری رکھیے۔ باقی اللہ مالک ہے، دعا کیجیے۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔'' ڈاکٹر انہیں تسلی دے کر چلے گئے۔ ابرار خان جیسے کرسی پر جم گئے ہوں۔ ان کی سماعتوں میں ڈاکٹر کی باتیں گونج رہی تھیں۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ ڈاکٹر کے روم سے باہر آئے اور چلنے کی ہمت نہ ہوئی تو وہیں بینچ پر بیٹھ گئے۔ زہرہ بیگم باہر آئیں اور ان کے پاس بیٹھ گئیں۔

''کیا ہوا؟ آپ اتنے پریشان کیوں لگ رہے ہیں؟ اور کیا کہا ڈاکٹر نے؟'' زہرہ بیگم پوچھنے لگیں۔

''زہرہ ہماری حن......حنا کو......'' ابرار خان ہچکچا رہے تھے۔

''کیا ہوا ہے حنا کو؟ بتاؤ نا میرا دل بیٹھا جا رہا ہے۔'' زہرہ بیگم نے پریشانی سے پوچھا۔

''ہماری حنا کو بلڈ کینسر ہے۔'' ابرار خان رو پڑے۔

''کیا......؟'' زہرہ بیگم نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

☆......☆

الیاس خان اور عالیہ بیگم پندرہ روز وہاں گزارنے کے بعد واپس آرہے تھے۔ ماریہ تو انہیں اتنی جلدی واپس بھیجنے کے لیے تیار تو نہیں تھی لیکن ابرار خان نے ہی جلدی واپس آنے کی رٹ لگائی ہوئی تھی۔ انہیں حنا کی بیماری کا تو نہیں بتایا گیا لیکن وہ چاہتے تھے کہ وہ وہاں سے جلدی واپس آجائیں۔ ابرار خان اور زہرہ بیگم نے بہت کوشش کی کہ حنا کو خوش رکھا جائے لیکن حنا تو خوشی کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔

آج الیاس خان اور زہرہ بیگم واپس آرہے تھے۔ ابرار خان کے گھر میں کھانے کا بھرپور انتظام کیا گیا تھا اور تھوڑی ہی دیر بعد میں ابرار خان ایئرپورٹ نکلنے والے تھے انہیں لینے حنا کو اپنی بیماری کا شک ہو چکا تھا۔

ٹرن......ٹرن ابرار خان کو کال آئی تو انہوں نے کال پک کی۔ کافی دیر تک موبائل کان سے لگائے ہوئے کھڑے رہے اور پھر دھڑام سے زمین پر گر گئے۔ سب ان کے پاس بھاگتے ہوئے آئے۔ ان کو اٹھا کر کرسی پر بٹھایا۔

''کیا ہوا جی کس کا فون تھا؟'' زہرہ بیگم نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

''الیاس خان اور عالیہ بیگم کا پلین کریش ہو گیا۔'' جس سے دونوں کی موت واقع ہو گئی تھی۔ سب اس بات سے لاعلم تھے اور سب سوالیہ نظروں سے ابرار خان کی طرف دیکھ رہے تھے۔ تب ابرار خان بولے۔

''اور نہیں سہہ سکتا میں......نہیں سہہ سکتا...... میرا بھائی اور بھابی ہم سب کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے

گئے۔''ابرار خان نے روتے ہوئے بتایا۔
''کیا......!''زہرہ بیگم کی پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ حنا کمرے میں تھی۔ اکرم کو پتا چلا تو وہ ماریہ کو ابرار خان کی سخت طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کر کے روانہ ہو چکے تھے۔ ابرار خان بھی میتیں لینے کے لیے نکل چکے تھے۔

☆......☆

حنا کمرے سے نکلی تو اسے حیرت کا جھٹکا لگا کہ گھر لوگوں سے بھرا ہوا تھا۔ مین گیٹ بھی کھلا تھا۔ وہ ایک عجیب کشمکش میں مبتلا ہوگئی۔ اس کے وجود سے سانس تو تب نکلی جب مین گیٹ سے دو جنازے اندر لائے جا رہے تھے۔
''کون ہے یہ؟''اس کے ذہن میں سوال ابھرنے لگے۔ ایک طرف ماریہ اور اکرم کا چہرہ آنکھوں کے سامنے آتا تو دوسری طرف اماں ابا کا۔ اس کا وجود بالکل بے جان ہو چکا تھا۔ ہمت نہ تھی کہ آگے بڑھ کر دیکھ سکے۔ لوگ ماتم کر رہے تھے کہ شنو اس کے پاس آئی اور اسے اپنے ہاتھوں میں حمائل کر کے آگے بڑھنے لگی۔ وہ ایک بُت کی طرح آگے بڑھ رہی تھی۔ دھیرے دھیرے جنازے قریب ہوتے جا رہے تھے۔ اس کی سانسوں کو گویا کسی نے گلے میں ہی دبا لیا ہو۔ اس کی نظر جب دونوں پر پڑی تو پہلے تو اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔
''نہیں......''اس کی چیخ نے پورے گھر کو ہلا ڈالا۔
''آپ دونوں مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے، اٹھو نا اماں ابا اٹھو نا''وہ ان سے لپٹ کر دھاڑیں مار رہی تھی۔
''آپ دونوں تو میرا آخری سہارا تھے۔ میری کل کائنات تھے۔ آپ مجھے چھوڑ کر نہیں جا سکتے۔''اس کی حالت غیر ہونے لگی۔ زہرہ بیگم نے اسے اپنے سینے سے لگایا تو وہ وہیں پر بے ہوش ہوگئی۔ اسے خوشیوں کی ضرورت تھی مگر اس کے نصیب میں شاید دکھ اور غم ہی لکھے تھے۔
اب اس کی آنکھیں ماریہ کی چیخوں اور دھاڑوں سے کھلی تھیں۔ اس کی نظر ماریہ پر پڑی تو اس کا دل تڑپ اٹھا۔ ماریہ دوڑتے ہوئے اس کے پاس پہنچی دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ گئیں دونوں کی چیخیں کان پھاڑ دینے والی تھیں۔
''میں پھر سے لٹ گئی۔''حنا کی آواز دردناک تھی۔
تب سارے مرد اندر آئے اور جنازوں کو اٹھانے لگے۔
''نہیں لے کر جاؤ۔''وہ دونوں پاگل ہونے لگیں۔ ساری عورتوں نے انہیں مضبوطی سے پکڑ لیا۔ اکرم نے عالیہ بیگم اور ابرار خان نے الیاس خان کے جنازے کو کندھا دیا۔
''اکرم رک جاؤ، اللہ کے واسطے ہمارے اماں ابا کو نہ لے کر جاؤ۔''حنا کی حالت خراب ہوگئی اور خون کی الٹیاں کرنے لگی اور ماریہ حیرتوں کے سمندر میں ڈوب گئی۔

☆......☆

حنا اسپتال میں داخل ہوگئی اور بار بار بے ہوشی اس کا مقدر بن گئی۔ ان اٹھارہ دنوں میں وہ پانچ منٹ کے لیے ہوش میں آتی اور پھر بے ہوش ہو جاتی۔ ماریہ اور اکرم اس کے ساتھ اسپتال میں تھے جب حنا ہوش میں آئی۔ اکرم اور ماریہ اس کے سامنے کھڑے تھے۔

''باجی! میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گی۔ نہ میں اکرم سے شادی کرتی اور نہ ہی آپ کی یہ حالت ہوتی نہ ہی میں اماں ابا کو وہاں بلاتی اور نہ یوں وہ ہمیں چھوڑ کے جاتے۔''ماریہ رونے لگی۔
ماریہ نے اکرم کو اماں ابا کے مرنے کے بعد جب حنا اسپتال میں تھی سب کچھ بتا دیا تھا۔ اکرم کو بھی بہت دکھ ہوا تھا۔
''ماریہ! خود کو قصور وار نہ ٹھہراؤ۔ یہ سب ہماری قسمت میں لکھا تھا۔ جو بھی ہوا اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ ماریہ مجھ سے وعدہ کرو کہ تم خود کو کبھی ذمہ دار نہیں ٹھہراؤ گی۔ اکرم کو بہت پیار دو گی۔''حنا نے مری مری آواز میں کہا۔
''باجی! یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟''وہ روتے ہوئے بولی۔
''ماریہ وعدہ کرو۔''حنا کی سانس رکنے لگی۔
''ہاں باجی! میں آپ سے وعدہ کرتی ہوں کہ میں اکرم کو بہت خوش رکھوں گی۔ اسے بہت پیار دوں گی۔''
اکرم چپ چاپ کھڑا ان کی باتیں سن رہا تھا۔ حنا کی حالت غیر ہو رہی تھی۔ ماریہ دوڑتے ہوئے ڈاکٹر کو بلانے چلی گئی۔ حنا نے نظریں اکرم کے چہرے پر جمائی ہوئی تھیں۔ اکرم نے حنا کا سر اپنی گود میں رکھ دیا۔
''حنا! یہ تم نے کیا کر دیا۔ تم نے مجھ سے اتنا پیار کیا اور مجھے بتایا تک نہیں۔ ہمارے پیار کے لیے تم نے اپنے پیار کی قربانی دے دی۔ ایک بار تو بتایا ہوتا مجھے۔''وہ بولا۔
''اکرم میں تم دونوں سے بہت پیار کرتی ہوں۔ میں نے یہ تم دونوں کی خوشیوں کے لیے کیا۔ میں نے تمہاری شادی کے بعد بہت خوش رہنے کی کوشش کی لیکن مجھ سے نہیں ہوا اگر تم میرے لیے کچھ کرنا چاہتے ہو تو ماریہ کو بہت پیار دینا اسے کسی بھی چیز کی کمی نہ ہونے دینا۔''حنا اب بھی ان دونوں کے لیے سوچ رہی تھی۔
''حنا! میں ماریہ کو بہت خوش رکھوں گا۔ ہم تمہاری اس قربانی کو کبھی نہیں بھولیں گے۔''حنا سوچنے لگی۔
''اکرم زندگی میں تو مجھے تمہارا پیار نہیں مل سکا لیکن میں خوش ہوں کہ میری آخری سانسیں تمہاری گود میں ہیں۔''
''باجی......!''ماریہ ڈرتے ہوئے ڈاکٹر کے ساتھ اندر آئی۔
ابرار خان اور زہرہ بیگم بھی آ چکے تھے۔ حنا کی سانسیں رکنے لگیں۔
ڈاکٹر اس کی نبض دیکھنے لگا۔ اس کی ہارٹ بیٹ کم ہونے لگی۔ سب ہکا بکا ہو چکے تھے۔ حنا نے ماریہ اور اکرم پر آخری نظر ڈالی اور پھر اپنی ہری ہری آنکھیں ہمیشہ کے لیے بند کر دیں۔
''Sorry، ہم انہیں نہیں بچا پائے۔''ڈاکٹر کہتے ہوئے باہر چلا گیا۔
ماریہ نے حیرانگی سے اکرم کو دیکھا۔
''اکرم...... با...... باجی......''ماریہ کپکپاتے ہونٹوں کے ساتھ بمشکل بول پائی۔
ماریہ زبردست شاک میں تھی۔ اکرم نے اسے سینے سے لگا لیا۔
حنا تو اس دنیا سے ارمان لیے چلی گئی مگر ماریہ کا میکہ بھی ختم ہو گیا۔ اس کا وہ پررونق گھر سب کچھ ختم ہو گیا۔

☆......☆

"آخر گل! تمہارے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ تم یہ سب ہمدردیاں کر کے آخر جتانا کیا چاہتی ہو۔ میری نگاہ میں تمہاری جو حیثیت ہے، وہ وہی رہے گی چاہے تم آسمان میرے قدموں میں رکھ دو، میں نے غلطی کر لی تمہیں یہ کہنے کی کہ آج مجھے ہلکا سا ٹمپریچر ہے اور سر میں درد ہے۔ اب کیا یوں اسٹیچو بنی کھڑی ہو، تم نے سنا نہیں میں نے ٹیبلٹ لے لی ہے۔ مجھے نہیں ضرورت ان پٹیوں کی۔"

رمیز مشتعل و کرخت لہجے میں اس پر چلاتا چلا گیا اور گل نین ہونٹ سختی سے بھینچے اپنے ضبط کو آزما رہی تھی مگر آنسو تیزی سے اس کے رخسار پر بہہ رہے تھے۔ چند لمحوں بعد وہ خود کو سنبھالتے ہوئے پٹیاں رکھنے کو واپس کچن کو پلٹی تھی کہ اسے اپنی ساس غزالہ بیگم کی آواز سنائی دی۔

کر دیا۔ اب کیا میری جان لینے کا ارادہ ہے۔ جاؤ یہاں سے۔" وہ سرد لہجے میں بولتی چلی گئیں۔ جب کہ وہ مارے شرمندگی سے سر جھکائے کھڑی رہی اور چائے کی پیالی اٹھا کر واپس چلی گئی۔

☆......☆

گل نین اپنے والدین کی اکلوتی اولاد تھی۔ وہ اپنے چچا اسماعیل صاحب کی چہیتی تھی۔ ان کی خواہش تھی کہ گل نین رمیز کی بیوی یعنی ان کی بہو بنے۔ اسماعیل صاحب کا پورے خاندان میں بہت رعب و دبدبہ تھا۔ غزالہ بیگم کی خواہش تھی کہ وہ اپنی بھانجی ثانیہ کو بہو بنائیں۔ ثانیہ سے شادی کے لیے رمیز بھی رضامند تھا۔ ٹریفک حادثے میں جب گل نین کے والدین کا انتقال ہوا تو اسماعیل

ہم دعا لکھتے رہے

اریبہ بلوچ

افسانہ

"کنیزاں او کنیزں! کہاں مر گئی ہو، مجھے چائے لا کے دو۔" کنیزاں اس وقت گھر نہیں تھی۔ وہ سودا سلف لینے بازار گئی ہوئی تھی۔ گل نین نے کچھ سوچتے ہوئے چائے بنانا شروع کی۔

وہ چائے لے کر غزالہ بیگم کے کمرے میں داخل ہوئی تو وہ کرسی پر براجمان اخبار پڑھنے میں مگن تھیں۔ انہوں نے بغیر قدموں کی آہٹ سنتے ہوئے کہا۔

"ارے کنیزاں! لے آئیں چائے تم یہاں ٹیبل پر رکھ دو۔" گل نین ٹیبل پر پیالی رکھنے کے لیے آگے بڑھی تو غزالہ بیگم چلا اٹھیں۔

"ارے غضب ہو گیا تم چائے لے کر آئی ہو۔ یقیناً پکائی بھی تم نے ہو گی۔ یہ واپس لے جاؤ میں یہ ہرگز نہیں پیوں گی۔ جانے کون کون سے وظائف کرتی ہو گی تم، پہلے اپنے شوہر کو تو اپنے ہاتھ کے کھانے کھلا کھلا کے بیمار

صاحب نے اپنے ارادے کو عملی جامعہ پہنانے کا سوچا اور گھر میں اعلان کر دیا کہ وہ فیصلہ کر چکے ہیں کہ وہ گل نین کو ہی اپنی بہو بنائیں گے۔ ان کے اس اعلان نے سب کو حیرت و پریشانی کے سمندر میں غرق کر دیا مگر اعتراض کی ہمت کسی میں بھی نہ تھی۔

سو سب کو ان کی ہاں میں ہاں ملانی پڑی اور گل نین کو بہو کے طور پر قبول کرنا پڑا۔

اسماعیل صاحب کی زندگی میں تو سب گل نین کا مصنوعی ادب و احترام کرتے رہے مگر ان کے اس جہانِ فانی سے رخصت ہو جانے کے بعد سے سب نے اس سے ناروا سلوک شروع کر دیا۔ اسماعیل صاحب اپنی اکلوتی بیٹی زائرہ کی شادی اپنے بھتیجے سے کرنا چاہتے تھے مگر ان کے انتقال کے بعد غزالہ بیگم نے زائرہ کی شادی انتہائی دھوم دھام سے اپنے بھانجے سے کر دی جس پر وہ

اور زائرہ خاصی مطمئن تھیں۔

☆......☆

آج صبح رمیز کے آفس جانے سے بھی پہلے زائرہ بچوں سمیت ان کے گھر آگئی تھی۔ زائرہ کی ڈریسنگ اور تیاری سے لگ رہا تھا کہ اسے کسی خاص ایونٹ پر جانا ہے۔ وہ آتے ہی غزالہ بیگم کے کمرے میں چلی گئی۔ رمیز بھی تھوڑی دیر بعد اسی کمرے میں چلا گیا تھا۔ پتا نہیں کون سی خاص بات ہو رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد غزالہ بیگم، رمیز اور زائرہ کے ہمراہ کمرے سے باہر نکلیں۔ انہوں نے خلاف معمول تیز رنگ کی لپ اسٹک لگا رکھی تھی اور ہلکے بلیو کلر کی ساڑھی زیب تن کی ہوئی تھی۔ نہ جانے کہاں جانے کی تیاریاں تھیں۔

وہ سب رمیز کی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ گل نین کی آنکھیں آنسوؤں سے چمک رہی تھیں۔ کسی نے اسے بتانا بھی گوارا نہیں کیا تھا کہ وہ سب کہاں جا رہے ہیں۔ گل نین آگے بڑھی تھی۔ کوئی بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"آپ لوگ کہاں جا رہے ہیں؟" گل نین نے رنجیدہ لہجے میں پوچھا۔ غزلہ بیگم نے ایک غصیلی نگاہ اس پر ڈالی۔

"تمہاری قسمت کا سامان کرنے۔ زیادہ تفتیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے جو ہمیں آنے جانے سے پہلے تمہاری اجازت لینی پڑے گی اور اب اپنا منحوس سایہ ہمارے آگے سے ہٹا لو۔" انہوں نے تقریباً چلانے والے انداز میں اس کے خوب صورت سراپے پر تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

آنسوؤں سے اس کے رخسار بھیگ چکے تھے۔ وہ تقریباً بھاگتی ہوئی اندر آئی۔ وہ گھٹنوں میں سر دیئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اسے آج شدت سے اپنے والدین کی کمی کا احساس ہو رہا تھا۔

"امی، بابا آپ مجھے کیوں چھوڑ کے گئے؟ یہاں میرا کوئی ہمدرد نہیں ہے، کوئی آنسو پونچھنے والا نہیں ہے۔ کیوں مجھے چھوڑ کے گئے؟" وہ شکوہ کناں لہجے میں اپنے والدین کی تصویر سے باتیں کرنے لگی۔

"امی! آنٹی مجھے منحوس کہتی ہیں۔ جادوگرنی کہتی ہیں۔ رمیز کہتے ہیں پتا نہیں مجھے کن گناہوں کی پاداش میں تم ملی ہو اور زائرہ کے بقول میں نے اس کے بھائی کو نفسیاتی مریض بنا دیا ہے۔ امی سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ میرا وجود بے معنی سا ہے۔ میری کسی کو ضرورت نہیں ہے۔ میں نے سب کی زندگیاں اجیرن بنا دی ہیں۔ مجھے اپنے پاس بلا لیں امی، میرے جانے سے سب کی زندگیاں آسان ہو جائیں گی۔ مجھے اپنے پاس بلا لو۔" وہ ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کے رونے لگی تھی۔

"کیا ہوا نینا؟ کیا ہوا؟"

اس کی دوست زرش ابھی ابھی گھر میں داخل ہوئی تھی اور اسے اس قدر روتا دیکھ کر اس نے پریشان کن لہجے میں استفسار کیا۔

"زرش! سب کچھ ختم ہو گیا۔ سب کچھ۔" زرش نے آگے بڑھ کے اسے گلے لگا لیا اور اس کے آنسو پونچھنے لگی۔

"زرش! آج صبح زائرہ، اس کے بچے، آنٹی اور رمیز چلے گئے ہیں۔" اس کی آنکھیں ایک بار پھر آنسوؤں سے چمک رہی تھیں۔

"مگر کہاں نینا؟" زرش نے چونک کر پوچھا۔

گل نین نے سر جھکائے مدھم سے لہجے میں اپنا خدشہ اس کے سامنے ظاہر کیا۔

"چپ...... چپ کرو نینا! یہ تم سے کس نے کہا ہے؟" زرش نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

"مجھ سے کسی نے نہیں کہا زری! مگر مجھے ایسا لگ رہا ہے۔" آنسو دوبارہ روانی سے اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔

"تم غلط سوچ رہی ہو۔ انشاء اللہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔" زرش نے اس کی گردن سے اپنا بازو ہٹاتے ہوئے کہا۔

"عینا! کہاں ہے؟" زرش نے گل نین کی بیٹی کا نام لیتے ہوئے پوچھا۔

"رمیز نے آنٹی کے کہنے پر اسے بورڈنگ میں ایڈمٹ کروا دیا ہے تاکہ وہ میری نحوست سے بچ سکے۔"

"اف میرے خدایا۔" زرش نے اپنا سر پکڑ لیا۔

"اچھا تم بیٹھو میں تمہارے لیے پانی لے کر آتی ہوں۔" زرش نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اٹھتے ہوئے کہا۔

☆......☆

شام کے چھ بج رہے تھے مگر ابھی تک کوئی گھر نہیں آیا تھا۔ گل نین کو اسی حالت میں بیٹھے گھنٹوں بیت گئے تھے۔ اس کا دل خدشات کے باعث تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ جیسے جیسے وقت بڑھتا جا رہا تھا ویسے ویسے اسے لگ رہا تھا۔ اس کا سانس اس کا ساتھ چھوڑ رہا تھا۔ بار بار اس کی نظر مین گیٹ کی جانب بڑھتی تھی، کسی بھی وقت گیٹ کھل سکتا تھا اور پھر نہ جانے کیا...... اسے اپنا ذہن ماؤف ہوتا محسوس ہوا۔

اسے گاڑی کے پورچ میں داخل ہونے کی آواز سنائی دی۔ وہ کانپتے دل اور رکتی سانسوں سے پلٹی۔ سامنے وہی روح چیرتا منظر تھا جس کی گواہی اس کا دل پورے دن سے دے رہا تھا۔

ثانیہ عروسی لباس میں ملبوس زیورات سے لدی ہوئی رمیز کا ہاتھ تھامے چل رہی تھی۔ زائرہ نے اس کے لہنگے کو ایک طرف سے پکڑ رکھا تھا۔ تاکہ وہ آسانی سے چل سکے اور غزالہ بیگم تو دلہن کے صدقے اتار رہی تھیں۔

گل نین کی روح کا گوشہ گوشہ زخمی ہو چکا تھا۔ وہ بکھر چکی تھی اور اب اس کے وجود کی کرچیاں شاید کبھی نہیں سمٹ سکتی تھیں۔

صحن میں ثانیہ کے صدقہ اتارنے کے بعد وہ لاؤنج میں داخل ہوئے۔ غزالہ بیگم کی جیسے ہی نظر گل نین پر پڑی ان کی آنکھوں میں انگارے اتر آئے۔

"ہٹ جاؤ یہاں سے۔" وہ گرجتے ہوئے بولیں۔

گل نین کی آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب اُمڈ آیا مگر اس کی کسی کو پرواہ نہ تھی۔

"آنٹی! یہ ابھی تک یہیں ہے۔" ثانیہ نے ایک ناگوار نظر گل نین پر ڈالتے ہوئے غزالہ بیگم سے کہا۔

"ہاں پر یہ تمہیں کچھ نہیں کہے گی۔" غزالہ بیگم نے اس سے آنکھیں ملائے بغیر کہا۔

"مگر آنٹی! میں اسے یہاں برداشت نہیں کر سکتی۔" ثانیہ نے سرد لہجے میں ان سے کہا۔

"تم آؤ اور اندر کمرے میں چلو۔" غزالہ بیگم نے گویا اس سے التجا کی۔

"نہیں میں تب تک ایک قدم بھی آگے نہیں بڑھاؤں گی جب تک یہ یہاں سے نہیں چلی جاتی۔" ثانیہ نے ایک غصیلی نگاہ گل نین پر ڈالی۔

"کچھ تو خیال کرو ثانیہ! وہ میری بیٹی کی ماں ہے۔ اس کے والدین مر چکے ہیں۔ وہ کہاں جائے گی۔" رمیز نے پہلی دفعہ بات کرنے کی کوشش کی۔

"رمیز! یہ میرا پرابلم نہیں۔ تم اسے ابھی اور اسی وقت گھر سے نکالو، ورنہ میں اسی وقت اپنے گھر جا رہی ہوں۔" ثانیہ تحکم آمیز لہجے میں بولی۔

گل نین تو بالکل ٹوٹ چکی تھی۔ اس کی روح پر بہت گھاؤ لگے تھے۔ اس کی روح کا ریشہ ریشہ زخمی تھا اب اگر ایک اور گھاؤ اس کا منتظر تھا تو وہ اسے کیسے روک سکتی تھی۔

"رمیز ثانیہ ٹھیک کہہ رہی ہے کہیں اس کی وجہ سے تمہاری زندگی ایک بار پھر متاثر نہ ہو جائے۔" زائرہ نے رمیز کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"چلی جاؤ یہاں سے۔ بہت برداشت کر لیا ہم نے تمہیں۔" غزالہ بیگم نے اس کے بازو کو اپنی گرفت میں لیتے ہوئے کہا۔ رمیز بھی اس کی طرف بڑھا۔

"چھوڑیں مجھے۔" گل نین نے اپنا بازو غزالہ بیگم کی گرفت سے چھڑاتے ہوئے کہا۔

گل نین خاموشی سے مین گیٹ کی جانب بڑھ گئی۔ رمیز بھی اس کے پیچھے ہو لیا۔ وہ آخری نظر رمیز پہ ڈالنے کے لیے پیچھے مڑی۔ رمیز نے کچھ بولنا چاہا مگر وہ بول نہ سکا۔ رمیز نے اس کی جھیل سی گہری آنکھوں میں دیکھا وہاں کوئی شکوہ، کوئی گلہ نہ تھا مگر کچھ ایسا ضرور تھا جس نے اسے دہلا کے رکھ دیا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولتا گل نین دروازہ پار کر چکی تھی۔

وہ چند ثانیے بند دروازے کو گھورتی رہی کہ شاید رمیز آئے ہو دروازہ کھولے مگر نہیں ایسا ناممکن تھا۔ وہ وہاں کھڑی رہی کھلے آسمان کو تکتی رہی۔ وہ ملال و حزن کی کیفیت میں تھی۔ یہ بات نہیں تھی کہ یہ سب اس کے لیے غیر متوقع تھا اسے تو کافی عرصے سے یہی خدشہ تھا کہ اس کا آخر یہی ہوگا مگر تب تو خدشہ تھا مگر جب خدشہ یقین میں بدلتا ہے تو بے انتہا تکلیف ہوتی ہے اس وقت گل نین بھی ویسی ہی کیفیات سے دوچار تھی۔

اس کی حالت غیر ہو چکی تھی۔ اسے محسوس ہو رہا تھا۔ اس کا دل ابھی اچھل کر حلق میں آجائے گا۔ اس کا سر بری طرح سے چکرا رہا تھا۔ اس نے لڑکھڑاتے قدموں سے چلنے کی کوشش کی۔ وہ زرش کے گھر جانا چاہتی تھی مگر وہ کچھ زیادہ نہ چل سکی تھی۔ اس کا ایک ایک قدم منوں بھاری ہو گیا تھا۔ اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا۔ اس کے سر درد میں ناقابلِ برداشت حد تک اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس نے بمشکل خود کو ہوش میں رکھتے ہوئے اپنی کنپٹیاں دبائیں مگر وہ بری طرح سے چکرا کے نیچے جا گری۔ اسے عین اپنے سامنے گاڑی کے رکنے کی آواز سنائی دی۔ اس کے بعد اسے کوئی ہوش نہ رہا۔

☆......☆

ہوش میں آنے کے بعد گل نین نے خود کو جس جگہ پایا، وہ اسے پہچان نہیں پا رہی تھی۔ وہ اپنے ذہن پر زور دینے لگی کہ وہ یہاں کیسے موجود ہے۔ اسے یاد آنے لگا کہ وہ زرش کے گھر جانا چاہتی تھی مگر اس کی طبیعت بہت خراب ہو رہی تھی پھر......

"جاگ گئی تم نینا اب کیسی طبیعت ہے؟" زرش سوپ کا پیالہ اٹھائے کمرے میں داخل ہوئی۔

"میں تمہارے گھر......! مگر کیسے؟" زرش گل نین کے برابر بیٹھ گئی۔

"نینا! میں ہاسپٹل سے واپس آ رہی تھی۔ راستے میں، میں نے تمہیں دیکھا مگر میرے پہنچنے سے پہلے ہی تم چکرا گئیں اور بے ہوش ہو گئیں اور پھر میں تمہیں گھر لے آئی۔ پر تم مجھے بتاؤ سب خیریت تو ہے؟" زرش پریشانی سے گل نین کو دیکھنے لگی جس کی آنکھوں میں آنسو چمک رہے تھے۔ گل نین نے روتے ہوئے ساری کہانی زرش کے گوش گزار دی۔

"اف میرے خدایا! رمیز بھائی اتنے سنگ دل ہو سکتے ہیں میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔" زرش نے گل نین کو گلے لگا لیا اور اسے چپ کروانے کی کوشش کرنے لگی۔

زرش کے فون پر مسلسل بیپ ہو رہی تھی۔ وہ کال اٹینڈ کرنے کے لیے کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔

"نینا! اسپتال سے کال آئی تھی۔ آج نائٹ ڈیوٹی والی نرس نہیں آئی، تو اس لیے آج نائٹ ڈیوٹی مجھے دینی ہے۔ تم بے فکر ہو کر آرام کرو اگر کسی چیز کی ضرورت ہو تو تم ملازمہ کو کہہ دینا یا پھر مجھے فون کر لینا۔"

"زری پیز! تم اپنے سر سے میری جاب کے لیے بات کرنا۔ میں نے بھی تو نرسنگ کورس کیا ہوا ہے۔"

"وہ تو ٹھیک ہے نینا! پر تمہیں کیا ضرورت ہے جاب کی؟ اگر تم یہ سوچ رہی ہو کہ تم مجھ پر بوجھ بن کر آئی ہو تو فار گاڈ سیک ایسا مت سوچو۔"

"نہیں زری! ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ بس میں اپنے آپ کو مصروف رکھنا چاہتی ہوں۔" گل نین نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا بھئی کر لوں گی پتا اپنا خیال رکھنا۔" زرش اس کا چہرہ تھپتھپاتے ہوئے بولی۔

☆......☆

"السلام علیکم مبشر! کیسے ہو؟" رمیز جو تھوڑی دیر پہلے مبشر کے گھر آیا تھا اور اب اس کے آنے پر اس سے مصافحہ کر رہا تھا۔

"وعلیکم السلام یار! آج کیسے راستہ بھول گیا ہے۔" مبشر نے اس کے برابر رکھے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بڑے پرجوش انداز میں پوچھا۔

"بس یار! بہانے ہی بنتے ہیں ملاقات کے اور تو سنا کیسی گزر رہی ہے زندگی؟" رمیز نے اس کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے پوچھا۔

"بس یار! اب ہر کسی کی زندگی میں گل نین بھابی جیسی عظیم بیویاں تو نہیں ہوتیں۔ بس دھکا لگ رہا ہوں۔ زندگی کی گاڑی کو۔" مبشر نے پھیکی مسکراہٹ سے جواب دیا۔

"اچھا یار! میں دراصل تجھے پارٹی کا انوی ٹیشن دینے آیا تھا۔ کل میرے گھر پارٹی ہے ضرور آنا۔" رمیز نے اس سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔

"پر کس سلسلے میں بھئی؟" مبشر رمیز کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"وہ یار میں نے...... دراصل میں نے ثانیہ سے شادی کر لی ہے تو میں......"

"کیا تم نے ثانیہ سے شادی کر لی ہے۔ وہی ثانیہ منیر نا! جو ہماری یونیورسٹی فیلو تھی اور تیزی خالہ زاد۔" رمیز نے اثبات میں سر ہلایا۔

"رمیز! تم اندھے ہو گئے ہو کیا؟ یا جان بوجھ کر اندھے بن رہے ہو۔ تمہاری عقل تو ٹھکانے پر ہے؟ کیا تمہیں ثانیہ منیر کا کریکٹر نہیں پتا۔ اتنے تو ہماری یونیورسٹی کے ڈیپارٹمنٹس بھی نہیں تھے۔ جتنے اس کے بوائے فرینڈ۔ تف ہے تمہاری عقل پر اور گل نین بھابی کا کیا قصور تھا؟ یہ تم جیسے ہی عقل سے اندھے لوگ ہوتے ہیں جو اپنے ہاتھوں اپنا نصیب تباہ کر بیٹھتے ہیں۔"

مبشر نے کبھی بھی رمیز سے ایسی حماقت کی توقع نہیں کی تھی۔ جبھی وہ طیش میں اسے سناتا چلا گیا۔ رمیز سر جھکائے خاموش بیٹھا رہا۔ اس کے پاس دینے کو کوئی جواب نہیں تھا کیوں کہ مبشر کی کہی ساری باتیں سچ تھیں۔

"عینا اور گل نین بھابی کہاں ہیں؟" اس نے اب قدرے نرمی سے پوچھا۔

رمیز نے سر جھکائے سب کچھ اسے بتلا دیا۔

"جس کی خاطر تم نے اپنی عظیم بیوی کے ساتھ یہ سلوک کیا ہے اس کی اصلیت تو میں تم پر ابھی واضح کرتا ہوں۔" مبشر نے اپنی جیب سے موبائل نکالا اور رمیز کی نظروں کے سامنے لایا۔

"دیکھو! یہ نمبر ثانیہ کا ہی ہے نا؟" مبشر اسے جواب طلب نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ رمیز نے اثبات میں سر ہلایا۔

"اب میں تمہارے سامنے ثانیہ کو کال کرنے لگا ہوں۔ تمہاری آنکھوں پر بندھی پٹی ابھی کھل جائے گی۔" مبشر نے ثانیہ کا نمبر ڈائل کر کے لاؤڈ اسپیکر آن کر دیا۔ تھوڑی دیر میں کال اٹینڈ ہو گئی۔

"السلام علیکم! ثانیہ ڈیئر کیسی ہو؟"

"بس یار! کیا بتاؤں۔ میری رمیز سے شادی ہو گئی ہے۔" ثانیہ نے قدرے مایوسی سے جواب دیا۔

"واٹ، تم نے رمیز سے شادی کر لی ہے مگر تم اور کبیر تو شادی کرنے والے تھے۔"

مبشر نے مصنوعی حیرانگی کا اظہار کیا جب کہ مبشر کی باتیں ہی رمیز کو حواس باختہ کرنے کے لیے کافی تھیں۔

"ہاں شادی تو مجھے کبیر سے ہی کرنی ہے۔ رمیز کے ساتھ تو میں نے بس ایک کھیل کھیلا ہے۔"

"کیا...... مگر وہ تو تمہیں بہت پسند کرتا ہے۔"

"کرتا ہوگا مگر میں اس جیسے بے حس شخص کو پسند تو دور کی بات برداشت بھی نہیں کر سکتی جس نے گل نین کی قدر نہیں کی جو سراپا وفا تھی تو اس سے اور کیا توقع رکھی جا سکتی ہے۔ میں نے اس سے شادی صرف اور صرف اسے سبق سکھانے کے لیے کی ہے۔ اس گل نین کی اہمیت کا احساس دلانے کے لیے تم جانتے ہو۔ مبشر میں نے گل نین کو اس روز گھر سے نکلوا دیا تھا جس روز یہ مجھے بیاہ کے لائے تھے میں جانتی ہوں۔ میں نے گل نین کے ساتھ یہ غلط کیا مگر یہ ضروری تھا کیوں کہ کسی کی اہمیت کا اندازہ تب ہی ہوتا ہے جب وہ بچھڑ جاتا ہے اب میں اسے اور اس کی ماں کو یہ بتاؤں گی کہ یہ جسے نحوست کہتے تھے وہی رحمت تھی۔ وہ انتہائی بے حس شخص ہے اس نے اپنی عظیم بیوی گل نین کو ٹھکرایا ہے جس نے اس کی خاطر غم جھیلے سرد لہجے برداشت کیے۔ تمام تر ستم

برداشت کیے مگر زبان پر شکوہ تک نہ لائی یہ ایسے ہی رویے کے لائق ہے جو میں اب اس کے ساتھ کروں گی۔" وہ سرد لہجے میں بولتی چلی گئی جب کہ رمیز ہونق بنا ساری گفتگو سنتا رہا۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ یہ سارے الفاظ ثانیہ کے ہیں۔ وہ اپنی زندگی میں آپ کانٹے بھر چکا تھا وہ سارے کانٹے اب اس کے وجود میں پیوست ہورہے تھے۔ وہ ملال و رنج کی اندھی کھائی میں گر چکا تھا۔ جہاں صرف تاریکی ہی تاریکی تھی۔ انسان کی سب سے بڑی غلطی یہی ہے کہ وہ خود کو ہر معاملے کا ماسٹر مائنڈ سمجھ لیتا ہے۔ وہ سمجھتا ہے کہ سب کچھ اس کے اختیار میں ہے وہ تقدیر کو جس انداز میں چلانا چاہے گا وہ اسی انداز میں چلے گی رمیز کی بھی یہی سوچ تھی مگر اب تقدیر اسے بتا رہی تھی کہ تقدیر میں وہی ہوتا ہے جو وہ چاہتی ہے نا کہ وہ جو انسان چاہتا ہے۔ رمیز کو اب تقدیر کا مفہوم سمجھ میں آرہا تھا۔

"سوری رمیز! میں کل تمہارے گھر پارٹی میں نہیں آرہا۔" مبشر نے کال کاٹ دی تھی اور اب رمیز سے گویا ہوا تھا۔

رمیز اس کی بات پر کوئی تاثر دیے بغیر خاموشی سے باہر اپنی گاڑی میں آگیا تھا۔

☆......☆

"گل نین! آپ وارڈ نمبر 164 کے مریض کی رپورٹ لے کر ڈاکٹر زاہد کے پاس جائیں۔"

"اوکے۔" نرس مہرا سے اطلاع دے کے گئی تھی۔

زرش کے توسط سے اسے اسپتال میں جاب مل گئی تھی مگر اس کی جاب ڈے اینڈ نائٹ ڈیوٹی کی تھی جس کی بناء پر اسے رہائش کے لیے اسپتال میں کوارٹر بھی مل گیا تھا۔ زرش نے اسے یہ جاب سائن کرنے سے بہت منع کیا تھا مگر اس نے زری کو راضی کر لیا آخر کار۔ یہ جاب اس کے لیے نیا تجربہ تھا مگر اس جاب کی مصروفیت کی وجہ سے وہ تھوڑی دیر کے لیے تقدیر کی بے رحمی اور رمیز کے خیالات کے چنگل سے آزاد ہوگئی تھی۔

☆......☆

زندگی اپنے ڈگر پر چل رہی تھی رمیز کو ثانیہ سے شادی کیے ہوئے چھ ماہ ہو چکے تھے۔ شادی کے اوائل دنوں میں تو رمیز نے مبشر سے کی باتوں کا ذکر یہ سوچ کر نہیں کیا کہ ایک بار پھر میرا ہی تماشا بنے گا۔ اس نے خاموش رہنا مناسب سمجھا۔ اب کی بار وہ خاموشی سے تقدیر کی کارروائیوں کو دیکھ رہا تھا لیکن گل نین کی تلاش اس نے جاری رکھی مگر اس کا ابھی تک کچھ پتا نہیں چلا تھا اسے بارہا گل نین کی دوست زرش کا خیال آیا تھا کہ وہ اس سے گل نین کے بارے میں معلوم کرے مگر اس کے پاس تو نہ ہی زرش کا کوئی کنٹیکٹ نمبر تھا اور نہ ہی اسے اس کے گھر کا ایڈریس معلوم تھا کیوں کہ جب اس نے کبھی گل نین میں ہی دلچسپی نہیں رکھی تھی تو اس سے جڑے لوگوں میں کیوں رکھتا۔ ثانیہ کے طور طریقے دن بدن بگڑتے جارہے تھے۔ اس دوران غزالہ بیگم کو مرگی کا مرض لاحق ہوگیا تھا۔ ثانیہ تو صبح سے گھر سے نکلتی تھی اور رات نو بجے سے پہلے واپس نہیں آتی تھی اگر رمیز اسے ٹوکتا تو وہ روز اسے ایک ہی جواب دیتی۔

"جب تمہیں خدمت گزار بیوی میسر تھی جو تمہارا اور تمہاری والدہ کا ہر ممکن خیال رکھتی تھی تو تم نے مجھ سے شادی کیوں کی؟ اگر تم مجھ سے بھی وہی خدمتیں چاہتے ہو تو بھول جاؤ میں کوئی گل نین نہیں جو تمہارے پیر کی جوتی بنی رہوں۔" ثانیہ کا یہ جواب اسے بہت تکلیف دیتا تھا کیوں کہ اس کا ہر لفظ سچ تھا وہ اپنی بیٹی اور گل نین کی زندگی تباہ کر چکا تھا۔ وہ اتنی بڑی غلطی کر چکا تھا کہ اب اس کا کوئی ازالہ نہیں تھا۔

☆......☆

آج اسے ثانیہ کی طرف سے خلع کا نوٹس ملا تھا۔ کیوں کہ ثانیہ اب اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکی تھی۔ وہ گل نین کی قدر و اہمیت کا اندازہ سب کو کروا چکی تھی۔

رمیز تقدیر کے جال میں پھنس چکا تھا۔ بڑا مضبوط جال بچھایا تھا تقدیر نے اسے اپنی کوئی فکر نہیں تھی کیوں کہ ان تمام حالات کا ذمہ دار وہ خود تھا لیکن گل نین تو بے قصور

تھی وہ تو بغیر کسی وجہ کے تقدیر کے شکنجے میں آئی تھی اور اسے تقدیر کے رحم و کرم پر چھوڑنے والا بھی رمیز ہی تھا۔

آج رمیز کو گل نین بہت شدت سے یاد آرہی تھی۔ گل کی وہ معصوم سی صورت وہ ہر سمے پر آب آنکھیں مسلسل اس کے ذہن میں گردش کر رہی تھیں۔ عجیب سی بے کلی تھی اسے کہیں سکون نہیں مل رہا تھا۔ وہ گل گل چیخ رہا تھا، اس کی سماعت گل نین کی آواز سننے کے لیے بے قرار تھی۔ اس کی متلاشی نظریں کئی گھنٹوں سے اطراف کا جائزہ لے رہی تھیں مگر گل نہ جانے کہاں تھی۔

☆......☆

وہ صبح سے گاڑی لے کر نکلا ہوا تھا۔ وہ راستوں کا تعین کیے بغیر کئی گھنٹوں سے سڑکوں پر گاڑی چلا رہا تھا۔ اسے کبھی کچھ ہو بھی کیسے سکتا تھا۔ اس کے گرد گل کی دعاؤں کا حصار جو تھا۔ وہ مسلسل گل کا نمبر ڈائل کر رہا تھا مگر اس کا نمبر مسلسل بند تھا۔

اچانک اس کے موبائل پر کال کی رنگ اس کی سماعت سے ٹکرائی۔ اس نے فوراً اپنے موبائل کو اٹھایا لیکن کال غزالہ بیگم یعنی اس کی والدہ کی تھی۔ اس نے کال اٹینڈ کر لی۔

"رمیز بیٹا۔" غزالہ بیگم کی غمگین آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"امی! کیا ہوا ہے؟ سب خیریت تو ہے ناں؟" رمیز نے گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا۔

"بیٹا! فوراً آؤ اسپتال زا...... زائرہ کا ایکسیڈنٹ ہوگیا ہے۔" غزالہ بیگم روتے ہوئے بمشکل اپنا جملہ مکمل پائیں۔

"اوہ...... امی! آپ حوصلہ رکھیں۔ انشاء اللہ، اللہ خیر کرے گا میں ابھی آتا ہوں۔" وہ ان کو پرسکون کرنے کی کوشش کرتے ہوئے بولا۔ اس نے اپنے اردگرد کی جگہ کو پہچاننے کی کوشش کی مگر وہ پہچان نہ پایا۔ اس نے گاڑی کا رخ ایک سڑک کی طرف ٹرن کیا جو اس کے اندازے کے مطابق مین روڈ کو جاتی ہوگی۔

پورا گھنٹہ بیت گیا تھا مگر وہ ابھی تک ذیلی سڑکوں میں ہی پھنسا ہوا تھا۔ اسے مین روڈ کے آثار بھی کہیں نظر نہیں آرہے تھے۔

اچانک اس کے موبائل پر بپ ہوئی، اس نے موبائل اٹھایا کسی انجان نمبر سے میسج تھا۔ وہ موبائل واپس رکھنے لگا مگر پھر ایک خیال کے تحت میسج کو آن کیا۔

"السلام علیکم! تمہیں شاید حیرت ہو کہ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی میں تمہیں سلامتی کی دعا دے رہی ہوں۔ تم تو ہمیشہ میری دعاؤں کے حصار میں رہتے ہو اور رہو گے۔ کیوں کہ میں نے سلیقہ دعاؤں کا سیکھا ہے میں تم سے کوئی گلہ کوئی شکوہ نہیں کروں گی۔ کیوں کہ گلے شکوے تو وہاں ہوتے ہیں جہاں کوئی انہیں سننے والا ہو۔ فقط اتنا کہوں گی۔

"ہم دعا لکھتے رہے وہ دغا پڑھتے رہے
اک نقطے نے محرم سے مجرم بنا دیا"

ہاں میں تمہاری نظر میں مجرم ہوں، کیونکہ میں نے تمہیں چاہا۔ میرا جرم محبت ہے، اس کی سزا بھی میں نے خود ہی متعین کر لی ہے، جسے چاہا جائے اسے صرف حاصل کرنے کی چاہ نہیں ہوتی بلکہ اسے سدا خوش دیکھنے کی تڑپ بھی ہوتی ہے تو آج اس دعا کے ساتھ کہ تم سدا خوش رہو۔ میں اپنے آپ کو اپنے وجود کو تم سے اور اس کائنات سے الگ کرتی ہوں۔ میں اس کائنات کی حد بندیوں سے نکل کر بہت ہی دور جا رہی ہوں۔ جہاں سے کبھی میری نحوست کا سایہ بھی تم پر نہیں پڑے گا۔ میں نہیں چاہتی کہ تقدیر ایک بار پھر تمہیں میرے سامنے لے آئے اور میرا وہ ضبط اور صبر جس پر تمام عمر نازاں رہی ہوں میرا ساتھ چھوڑ دے۔

والسلام
جس کی دعا کو تم نے دغا پڑھا
جو محرم سے مجرم ٹھہری
وہی گل نین

اس میسج نے اس کی روح کے ریشے ریشے کو لہولہان کر دیا۔ اس کے دل کی دھڑکن اس قدر تیز ہو چکی تھی کہ اسے سنائی دے رہی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا کہ اس کی

شہ رگ کٹ رہی ہے اور اس سے بہتا خون اس کے اعصاب کو منجمد کر رہا ہے۔ اس نے اسی کیفیت میں اس نمبر کو ڈائل کیا مگر اب وہ بند تھا وہ مسلسل نمبر ڈائل کرتا ہے۔

ایک بار پھر اس کے موبائل پر غزالہ بیگم کی کال آئی تھی۔ اس نے کال اٹینڈ نہیں کی تھی۔ وہ اسپتال کی طرف بڑھ گیا جب کہ اس کی کیفیت ابھی بھی ویسی ہی تھی اس کا ذہن گل کے میسج پر ہی اٹکا ہوا تھا۔ وہ خدا سے اس کے لیے دعائیں کر رہا تھا اور اپنے خدشات کو دور کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اسپتال میں پہنچ چکا تھا۔ وہ اب آئی سی یو کی جانب بڑھ رہا تھا اور اپنی ماں کو تسلی دیتا ہوا لیڈی ڈاکٹر کی طرف بڑھا جو آئی سی یو سے باہر نکل رہی تھیں۔

''ڈاکٹر صاحبہ! زائرہ اب کیسی ہے؟'' اس نے گھبراہٹ کے عالم میں پوچھا۔

''اللہ کا شکر ہے وہ اب خطرے سے باہر ہیں اگر ہماری نرس بلڈ نہ دیتی تو ان کا بچنا ممکن نہیں تھا۔'' ڈاکٹر صاحبہ نے اسے بتایا۔

''کون سی نرس؟'' رمیز نے بے ساختہ پوچھا۔

''آپ ان سے ملنا چاہتے ہیں؟'' لیڈی ڈاکٹر نے اس سے پوچھا۔

''جی۔'' رمیز نے مختصر جواب دیا۔

''فرزانہ!'' لیڈی ڈاکٹر نے ایک نرس کو بلایا۔

''جی میڈم!'' آنے والی نرس نے لیڈی ڈاکٹر کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

''انہیں گل نین کے پاس لے جائیں۔''

''گل نین۔'' یہ نام رمیز کے اعصاب پر ہتھوڑا بن کے برسا تھا اس کی روح ایک انہونے خیال کے تحت کانپ گئی۔

''آیئے۔'' نرس فرزانہ نے رمیز کی طرف دیکھا۔ رمیز ڈر و خوف کی ملی جلی کیفیات میں نرس کے پیچھے ہو لیا۔ فرزانہ ایک کمرے کے آگے رک گئی اور دروازہ کھولنے لگی۔

رمیز ٹوٹتی سانسوں اور بجھتے دل کے ساتھ آگے بڑھا گل نین کا وہ میسج بس اس سے آگے کچھ سوچنے کی اس میں ہمت نہیں تھی نرس نے دروازہ کھولا رمیز نے اندر قدم رکھا اور......

اس کی گل اس کی جان گل کا وجود بستر پر آڑا ترچھا پڑا تھا۔ اس کا شکست خوردہ چہرہ آنسوؤں سے تر تھا۔ اس کی کلائی سے خون کے قطرے گر رہے تھے۔ اس کا بستر لال ہو چکا تھا۔

''گل۔'' رمیز دیوانگی کے عالم میں چلاتا ہوا گل نین کی طرف دوڑا۔

''گل میری جان! یہ تم نے کیا کیا میرے اقرار کا انتظار بھی ہیں کیا۔ تم تو کبھی اتنی کمزور نہیں تھیں پھر آج کیوں ایسا کیا۔'' وہ چیخ رہا تھا وہ رو رہا تھا مگر گل نین کا چہرہ پرسکون تھا۔

''گل میری جان! میں کیسے جیوں گا؟'' وہ بچوں کی طرح بالکل بلک کر رو رہا تھا۔

''میں اعتراف کرتا ہوں گل کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ اس کائنات کی ہر شے سے بڑھ کر محبت ہے۔ اب تو اٹھ جاؤ ناں۔ گل اپنے رمیز کی خاطر اٹھ جاؤ۔''

گل نین برستی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھ کر مسکرائی پھر بولنے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

''رمیز! میں بہت سرخرو ہو کر مر رہی ہوں۔ میری موت بہت حسین ہے۔ شاید کسی کو اتنی حسین موت آئی ہو۔ میری آخری خواہش پوری ہو گئی ہے۔ رمیز میری ہمیشہ سے خواہش تھی کہ تم بس...... اتنی سی بات کہہ دو...... مجھے...... تم...... سے محبت ہے۔'' وہ اٹکتی سانسوں کے ساتھ بمشکل اتنا بول پائی پھر اس کی گردن ایک طرف کو ڈھلک گئی۔

''گل......!'' رمیز چیخا۔

مگر اب بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس نے جفا کو وفا سمجھنے میں۔ دغا کو دعا پڑھنے میں بہت دیر کر دی تھی۔

گل نین جا چکی تھی مگر رمیز کو ایک مستقل خلش و پچھتاوا دے گئی تھی۔

......☆......

ریما نور رضوان

افسانہ

میری چاہت کے تم ہی ہو



"شہزا! کیا کر رہی ہو؟"

مسکان نے شہزا کے بیڈ روم میں داخل ہوتے ہی مسکرا کر پوچھا تھا۔

"مسکان! مجھے کیا کرنا ہے، کچھ خاص نہیں اپنے سنگدل شوہر کی یاد میں گم ہوں"۔ شزا تلخی سے طنزیہ بولی تھی۔

"شزا! حمدان بھائی نے جو کچھ تمہارے ساتھ کیا، سب کو بھیانک ماضی سمجھ کر بھول جاؤ، دیکھنا شزا کوئی کسی کے ساتھ ناانصافی کرتا ہے تو وہ جو میرا پروردگار ہے ناں۔ کہیں نہ کہیں اس انسان کی خطا کی اس کو سزا دیتا ہے، اور انسان اپنی ناانصافی کو فراموش کیے، اس سزا کا نوٹس نہیں لیتا۔ اگر ہم کسی کی دل آزاری نہ کریں، کسی کو دکھ تکلیف نہ دیں تو سچ میرا ماننا ہے میرا پروردگار اس انسان کی زندگی میں سکون و راحت قائم رکھتا ہے، پلیز شزا در گزر کرو، تم تو بہت صبر والی ہو"۔

مسکان آہستگی سے اسے سمجھا رہی تھی۔

"شہزا! خود کو مزید تکلیف نہ دو، زندگی دوبارہ نہیں ملتی۔ اس سے خوشیوں کشید کرو، حمدان بھائی تمہیں ڈائیوس دینے سے انکاری نہیں۔ تم خود کو زبردستی بندھن سے آزاد کرا کر، عمار سے شادی کر لو"۔

"جسٹ شٹ اپ مسکان"۔ شہزا بری طرح سے چلائی تھی۔

"مسکان! تم لوگوں نے میری زندگی کا تماشہ بنا دیا، حمدان کے لیے میں بچپن سے اس کی منکوحہ تھی، پھر حمدان نے کیونکر اپنے آفس کی Empoly سے محبت کر لی، اور پھر کورٹ میرج کر کے میری ذات کی میری عزت میری محبت میرے اعتبار کی دھجیاں بکھیر دیں۔ عمار کی میں رشتے میں بھابھی ہوں، اور عمار محض ہمدردی کی خاطر مجھے اپنا رہا ہے، عمار کیوں زور دے رہا ہے، کیا عمار کو حمدان کی شادی کرنے کا انتظار تھا، کیوں میرے اپنے ہی ماں باپ میرے دشمن بن گئے ہیں؟ انہیں پتہ ہے حمدان سے میری محبت، میری نسوں میں رگ و پے میں حمدان کی محبت خون کے ساتھ گردش کرتی ہے۔ میں حمدان کو ایک پل ایک لمحے کے لئے بھی اپنے آپ سے الگ نہیں کر پائی۔ اس نے مجھ سے بے وفائی کی، بائیس سال اپنے نام سے منسوب رکھا، بطور بیوی معاشرے میں متعارف کروایا، پھر حوریہ کی محبت میں گرفتار ہو کر مجھے چھوڑ دیا، کوئی میرے درد کو کیوں نہیں سمجھتا"۔ شہزا پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔ قسمت کی ستم ظریفی پر۔

"شہزا! کوئی تیرے لئے برا غلط نہیں سوچ سکتا، کوئی تیرا دشمن نہیں سب تیرے خیر خواہ ہیں، تجھے تیرے گھر میں ہنستا بستا دیکھنا چاہتے ہیں۔ تو بے وقوف ہے، تجھے حمدان سے محبت ہے۔ لیکن اپنے مما، پپا سے نہیں، تو ان کی اکلوتی اولاد ان کی تمام تر خوشیوں کا مرکز تو ہے، چاچو کو حمدان کے نکاح کی خبر نے اتنا شدید دکھ دیا کہ چاچو کو ہارٹ اٹیک ہو گیا، چاچو اس دن سے کی اپنی ہنستی مسکراتی بیٹی کو بجھا بجھا دیکھ کر خود بھی اندر ہی اندر گھل رہے ہیں، چچی جی بھی ہمہ وقت پریشان رہتی ہیں، بڑے پپا بڑی مما حمدان بھائی کی اس حرکت پر سخت پشیمان ہیں، بڑے پپا نے ہی فیصلہ کیا ہے کہ شہزا کا وجود میرے گھر میں خوشیاں بکھیرے گا، حمدان نہیں تو عمار صحیح، دادو اور دادی کا بھی یہی فیصلہ ہے، حمدان بھائی کو بڑے پپا نے اپنی جائیداد سے گھر سے عاق کر دیا ہے، کوئی بھی حوریہ کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا، اس گھر کی خوشیاں تیری ہاں کی منتظر ہیں"۔ مسکان پر سوچ انداز میں گویا تھی۔

"مسکان! میری ہاں ناں، مجھے کچھ سمجھ نہیں آتا، میں نے اپنی زندگی حمدان کے نام منسوب کر کے حمدان کی سنگت میں گزارنی چاہی تھی، مجھے کیا پتہ تھا کہ تقدیر میرے ساتھ ایسا کرے گی۔ میں کس سے شکوہ کروں، میں کس کو اپنا غم دکھاؤں۔ محبت کے سفر میں محبت کا ہمسفر اس طرح ہاتھ چھوڑ کر چلا جائے گا میں نے تو کبھی تصور بھی نہیں کیا تھا"۔ شہزا رو رہی تھی۔

"شہزا! تو بس حمدان بھائی کو دفع کر، ان کی وجہ سے ہمارا ہنستا بستا گھر، پریشانیوں میں ہے، تو بس ایک فیصلہ کر، چاچو چچی کی خوشی یا حمدان کی بے وفائی کا غم"۔ مسکان سخت لہجے میں بولی تھی۔

"مسکان! تو تو مجھے بچپن سے جانتی ہے، میں تیرے سامنے کتنی دلیلیں دوں، تو ہی تو میرے پاکیزہ نوخیز جذبوں کی گواہ ہے، میرا دماغ شل ہو رہا ہے، مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا"۔

"میری جان ایک سمجھوتہ سب کی زندگی میں

خوشیاں لا سکتا ہے۔ چہروں پر چھائی کثافت دور کر سکتا ہے، تو جو اتنی بڑی قربانی دے کر سب کے چہروں پر اس گھر میں جو خوشیاں لائے گی تو پھر ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ تیرا دامن خوشیوں سے خالی رہ جائے''۔ مسکان نے اس کی اچھی خاصی برین واشنگ کر ڈالی تھی، وہ پچھلے آٹھ ماہ سے بڑوں کے کہنے پر شہزا کو سمجھانے آتی تھی، اور آج اس سے ہاں کروا کر ہی اٹھی تھی۔

حالانکہ مسکان کا 2 سالہ بیٹا ریان مسلسل اذہان کو تنگ کر رہا تھا۔ مگر آج مسکان نے معرکہ سر کرنے کی ٹھان لی تھی۔

شہزا نے اپنی رضا مندی دے دی تھی، اپنے بزرگوں کی خوشی کی خاطر وہ جھک گئی تھی۔ حمدن سے محبت سے کیا ملا، فقط دکھ تکلیف، کرب، نارسائی، یکطرفہ سلگتے جذبات، شہزا نے دل مضبوط کر لیا تھا۔ رات کا آخری پہر تھا۔

نمناک نگاہوں سے شہزا بیڈ پر دراز ہو کر سوچوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے درود شریف کا ورد کرنے لگی، اور کچھ ہی لمحوں میں نیند کی وادی میں اتر گئی۔

☆......

مسکان نے سب کو شہزا کی رضامندی کی خوش خبری دی تھی۔ سب کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی تھی، سب نے ہی بے ساختہ اپنے رب کا شکر ادا کیا تھا، عمار کے چہرے پر بھی شرمیلی سی مسکان تھی، عمار کا دل اپنے رب کا شکر گزر تھا، عمار کے دل میں شہزا کی چاہت بچپن سے ہی تھی لیکن عمار نے اپنے جذبات و احساسات کو دبا کر اپنے دل و دماغ کو صرف یہی باور کروایا تھا شہزا اس کی بھابھی ہے، بس بھابھی کا تقدس کبھی پامال نہ کرنا۔ عمار کو کیا معلوم تھا کہ رب العزت اس کی برسوں کی چاہت کو اس طرح پورا کرے گا۔

''بے شک ہمارا رب، ہمیں ستر ماؤں سے بڑھ کر چاہتا ہے''۔ عمار اس بات پر صادق دل سے ایمان لے آیا تھا۔ عمار اپنے رب کا بے حد شکر گزار تھا۔

بزرگوں نے جلد ہی شادی فکسڈ کر دی تھی، شائستہ بیگم، جمشید صاحب شہزا کے ماں باپ کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ گھر بھر کے بڑے اور بچے سبھی کے چہروں پر خوشی رقصاں تھی۔

☆......

عمار دو بار شہزا سے ملنے آیا تھا۔ لیکن شہزا عمار کو دیکھ کر واش روم میں جا کر بند ہو گئی تھی، شہزا نے بڑوں کی خواہش پر سر تو جھکا دیا تھا، لیکن حمدن کی محبت وہ دل سے جدا نہیں کر پائی تھی۔

عمار مسکان کے بیڈ روم میں آیا تھا۔

''مسکان......!'' عمار آواز لگا رہا تھا اذہان ٹی وی پر میچ دیکھ رہا تھا۔

ریان عمار کو دیکھ کر کھلکھلا اٹھا تھا۔

''بدتمیز بھابھی بولا کر......''

اذہان ذرا ڈپٹ کر رعب سے بولا تھا۔

اذہان، عمار سے بڑا تھا، مسکان عمار سے چھوٹی تھی۔

''یار! Plz تنگ نہیں کر''۔ عمار بیزاریت سے بولا تھا۔

''مسکان یار! جلدی آ جا''۔ عمار بولا۔

اذہان کھلکھلا کر ہنس پڑا تھا۔

مسکان واش روم سے آئی اور دو تھپڑ عمار کی پشت پر جڑ دیئے۔

''عمار! بولو کیا بات ہے''۔

مسکان نے ڈانٹنے کے بعد آہستگی سے پوچھا تھا۔

''یار! میری اس سے بات تو کروا دو''۔ عمار بے چین سا بولا تھا۔

''کس سے......'' مسکان نے انجان بننے کی ایکٹنگ کی تھی، جس پر مسکان کے بازو پر عمار نے ایک مکا جڑ دیا تھا۔

''میری ہونے والی زوجہ محترمہ سے''۔

عمار نے بھی بڑی ہی خوشی سے سینہ چوڑا کر کے جواب دیا تھا۔

''اوہو۔ بے قراریاں عروج پر ہیں''۔

اذہان نے مسکراتے ہوئے معنی خیزی سے چھیڑا تھا۔

''اذہان، یار!'' عمار نے ڈپٹا تھا۔

''عمار! اتنا ہی کافی ہے کہ وہ شادی کے لئے راضی ہو گئی ہے، اب میں اس کو مزید فورس نہیں کر سکتی، وہ خود بخوشی تمہاری طرف بڑھے گی تو تمہارا رشتہ مضبوط ہو گا، جبر رشتے کبھی پائیدار نہیں ہوتے''۔ مسکان نے اس نیت سے سمجھانے والے انداز میں کہا تھا۔

''او......ہو...... میری بے وقوف بیوی کیسے سمجھداری والی باتیں کر رہی ہے، دیکھا عمار میری محبت کا اثر ہے

یہ''۔ اذہان نے تفاخر سے اپنے کالر اکڑے تھے۔

''بس، بس رہنے دو، تمہاری محبت، عمار کیا میں بے وقوف ہوں''۔ مسکان نے ناراضی سے عمار سے پوچھا تھا۔

عمار نے ہنستے ہوئے نفی میں سر ہلایا تھا۔

☆......

مہندی ہے رچنے والی
ہاتھوں میں گہری لالی

آج شہزا اور عمار کی مہندی کا فنکشن تھا، کمبائن فنکشن تھا۔ تمام بزرگ بڑے خوش اور ینگ جنریشن بھنگڑا ڈال رہی تھی۔ شہزا، عمار کے پہلو میں بیٹھی آنچل میں اپنا منہ چھپائے ہوئے تھی۔

''حمدن! یہ سب کیا ہو رہا ہے، میں نے تو یہ سب رسومات کی ادائیگی تمہارے ہمراہ کرنی تھی، میرا ہمراہی بدل گیا۔ میں عمار کو کس طرح ایک شوہر کا رتبہ دوں؟ میرا دل آج بھی تمہیں چاہتا ہے۔ بھلے تم نے مجھے طلاق دے دی، لیکن میں دل میں کسی اور کی چاہت لئے، کیسے کسی کو آباد کر سکتی ہوں''۔ شہزا اپنی ہی سوچوں میں غلطاں تھی کہ مسکان آ گئی تھی۔ اسٹیج پر رسم کرنے۔

''شہزا! آج آخری دفعہ تم اس شخص کو سوچ لو، اور الوداع کہہ دو، کل تم کسی کی بیوی بن جاؤ گی، اور ہمارا مذہب ہمیں شوہر کی حق تلفی کا درس نہیں دیتا، یاد رکھنا''۔

مسکان رعب بھرے انداز میں بول رہی تھی۔

عمار نے مسکان کا کاندھا تھپتھپا کر شاباش کہا تھا۔

☆......

شہزا دلہن بن کر قیامت ڈھا رہی تھی۔ اس پر اداسی و سوگواریت اس کے حسن کو مزید دوام بخش رہا تھا۔

لوگ شہزا اور عمار کی جوڑی کو سراہ رہے تھے، اور شہزا خود کو آنے والے وقت کے لئے کمپوز کر رہی تھی۔ رخصتی ہوئی اور سب نے گھر کی راہ لی تھی، شہزا کا بڑا ہی پر تپاک والہانہ استقبال کیا گیا تھا، پھولوں کی پتیوں سے، شہزا نے باری باری سب کے چہرے دیکھے سب کے چہروں پر خوشیاں رقصاں تھیں۔ سب کزنز گانے گا رہی تھیں۔ تالیاں بجا کر شہزا کو گھر میں ویلکم کیا تھا۔ لڑکوں نے بھنگڑا ڈالا تھا۔ آج اس گھر میں خوشی کونے کونے میں رقصاں تھی۔ شہزا کو دادی جان نے اپنے پاس بلایا تھا۔

مسکان، شہزا کو لئے دادی جان کے روم میں لے گئی تھی، شہزا ٹینشن میں تھی، مسکان نے چھیڑا تھا۔

''میڈم جی آج سے آپ بڑوں کی لسٹ میں آ جاؤ گی، دادی جان سب سمجھانے کے لئے بلا رہی ہیں، ٹینشن نہیں لو، سب پر یہ وقت آتا ہے''۔

مسکان چھیڑ چھاڑ کرتی اسے سمجھا رہی تھی۔

شہزا نا سمجھی کی کیفیت میں مسکان کو دیکھ رہی تھی۔

''شہزا! بیٹا سدا سکھی رہو، شاد و آباد و سہاگن رہو، مجھے اپنی سمجھدار بیٹی کے فیصلے پر فخر ہے، میرا عمار تیرا دامن خوشیوں سے بھر دے گا۔ بس ایک التجا ہے، کبھی شوہر کی نافرمانی نہیں کرنا، نہ کبھی میرے عمار کی حق تلفی کرنا''۔ دادی جان دھیرے دھیرے، پیار سے سمجھا رہی تھیں، اور وہ حمدن کو چھوڑ کر نئی زندگی کی نئی الجھنوں میں گم تھی۔

☆......

مسکان، وغیرہ شہزا کو عمار کے بیڈ روم میں لے آئیں تھیں، شہزا کو آنے والے وقت کے حوالے سے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں شہزا کے چہرے پر سنجیدگی طاری تھی، مسکان نے سب کو کہا۔

''چلو سب اب اپنے اپنے روم میں میں بھی بس آتی ہوں''۔ مسکان بھی فل میک اپ و ہیوی ڈریس اور ہیوی جیولری میں تھی، وہ خود کو سنبھالتی شہزا کے پاس آ کر بیٹھی۔

''شہزا! میری جان آج سے حمدن بھائی تیرے نا محرم ہیں، اور اسلام میں نا محرم سے پردہ ہے، شہزا عمار ایک مخلص محبت کرنے والا شوہر ثابت ہو گا، بس تم شوہر کے حقوق میں کوتاہی نہ برتنا۔ اس سے ہمارا رب بھی ناراض ہوتا ہے، اسلام میں شوہر کا بہت بلند رتبہ و مقام ہے''۔ مسکان دھیرے دھیرے شہزا کو سمجھا رہی تھی، شہزا خاموش نظریں جھکائے بیٹھی تھی۔

روم کا دھیرے سے دروازہ کھلا تھا، مسکان فوراً ہی بیسٹ آف لک کہہ کر بیڈ سے اتر گئی، عمار روم میں آ گیا تھا،

مسکان نے عمار کو بھی Bes of Luck کہا تھا۔ مسکان کے جانے کے بعد عمار نے گیٹ لاک کر لیا تھا، شہزا کو گھبراہٹ ہو رہی تھی پسینہ انگ انگ سے پھوٹ پڑا تھا۔

"السلام وعلیکم! میری زندگی، میری جان، میرا سب کچھ تم پر قربان"۔ عمار، شہزا کے روبرو بیٹھا تھا، اور دلی جذبات میں ڈوبا سلام کیا تھا۔ شہزا کی کیفیت عجیب ہو رہی تھی۔

"میں اتنا بھی حسین نہیں لگ رہا کہ آپ مجھے دیکھنے میں گم ہوں، سلام کا جواب بھی نہیں دیا"۔

عمار نے شوخی سے چھیڑتے ہوئے شہزا کا چوڑیوں بھرا مہندی سے رچا ہاتھ تھاما تھا، شہزا کے بدن میں برقی رو دوڑ گئی تھی۔

عمار نے شہزا کے ہاتھ پر بوسہ دیا تھا، اور شہزا کا دل زور سے دھڑکا تھا، شہزا نے زور سے آنکھیں بھینچ لی تھیں۔ عمار شہزا کی گود میں لیٹ گیا تھا۔

"اے میری طرف دیکھو"۔

عمار نے جذبات سے مخمور لہجے میں کہا تھا۔

شہزا کی بند پلکوں میں سے آنسو نکل آئے تھے، شہزا نے یہ لمحات خلوت، شب زفاف، زندگی کے محبت بھرے پل، حمدن کے ساتھ گزارنے کا سوچا تھا۔

عمار بے چین سا اٹھ بیٹھا تھا۔

"اے، اے ادھر دیکھو"۔

عمار کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا کہہ کر مخاطب کرے۔

"شہزا! تمہیں میری قسم رونا مت، میں نے چاچو، چاچی سے وعدہ کیا ہے تمہیں کبھی رونے نہیں دوں گا، تمہیں دنیا کی ہر خوشی دوں گا، تمہارا ہر طرح سے خیال رکھوں گا، پلیز میری جان ڈونٹ کرائے"۔

عمار نے شہزا کا چہرہ اپنے ہاتھوں کے پیالے میں بھر لیا تھا۔ شہزا نے دھیرے سے آنکھیں کھولیں تھیں۔

"شہزا! تم مجھے زندگی میں ہمیشہ ہر قدم پر ہر موڑ پر اپنے ساتھ پاؤ گی، میں زندگی کے ہر سکھ دکھ میں تمہارا ساتھ نبھاؤں گا، تمہاری زندگی میں انشاء اللہ کسی چیز کی کمی نہ ہوگی، تم مجھے اپنے ساتھ ہمیشہ مخلص پاؤ گی۔ میری زندگی تم پر قربان، تم میری زندگی کی شریک سفر ہو، میں تمہیں اپنے دل کا حال کیسے بتاؤں کیا کروں"۔

عمار شہد آگیں لہجے میں کہہ رہا تھا۔

شہزا نے دھیرے سے پلکیں اٹھا کر عمار کی جانب دیکھا تھا۔ شہزا کو مسکان کی بات یاد آ گئی تھی۔

"شہزا! اپنے فیصلے پر نظر ثانی کر لے، عمار جیسا شوہر تجھے مل ہی نہیں سکتا، ہمارے معاشرے میں کنواری لڑکی کو اچھا رشتہ نہیں ملتا، کجا کہ طلاق یافتہ، میری جان تو طلاق یافتہ ہے، حمدن بھائی اور تیرے درمیان نکاح گزشتہ 12 سال سے تھا۔ اور نکاح خلوت کی اجازت دیتا ہے۔ تمہارے درمیان جو کچھ ہوگا تمہیں ہی معلوم ہوگا، صرف ایک عمار ہے، جو تجھے اس معاشرے میں بے عزت ہونے سے بچا سکتا ہے، عمار کے سہارے ہی تو معاشرے میں سروائیو کر سکتی ہے"۔

شہزا کا دماغ ماضی کے دریچوں میں اترا ہوا تھا۔

"شہزا......" عمار نے گم صم بیٹھی شہزا کو پکارا تھا۔

شہزا یکلخت تھی عمار کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

عمار نے بہت محبت سے شہزا کو بانہوں میں بھرا تھا۔

"عمار! میں تمہاری حق تلفی نہیں کرنا چاہتی، میں نامحرم کو سوچ کر گنہگار ہونا نہیں چاہتی، میں اپنے شوہر کی نافرمانی نہیں کرنا چاہتی"۔ شہزا روتے ہوئے ہچکیوں کے درمیان کہہ رہی تھی اور عمار کا دل اپنے رب کے حضور شکر ادا کر رہا تھا۔

"عمار! میں اپنے شوہر سے وعدہ کرتی ہوں، آج کے بعد میں تمہاری پابند ہوں، حمدن کا خیال اپنے دل و دماغ سے نکال دوں گی"۔ شہزا پر وثوق لہجے میں بولی تھی۔

عمار تو خوشی جھوم اٹھا تھا۔

"شہزا! میری جان شکریہ"۔

"ان پرانے رشتوں کو یاد رکھنے کا کوئی فائدہ نہیں جو موجودہ رشتوں کو تکلیف سے دوچار کریں"۔ شہزا کی سمجھ میں اس کی ماں کی بات آ گئی تھی، اور شہزا کی زندگی مہک اٹھی تھی گنگنا اٹھی تھی، شہزا محبت کی راہوں میں گم ہو گئی تھی عمار کی ہمراہی میں۔

......☆......



زینب ملک ندیم

افسانہ

بلا عنوان

رات کے گہرے سائے چاروں اطراف بسیرا کیے ہوئے تھے اور بشمول سناٹے کا بسیرا بھی قائم تھا۔ ہر سو ہو کا عالم تھا۔ بھرپور سناٹے میں صرف اس کے قدموں کی چاپ کا ہی شور تھا۔ چلتے چلتے اس کے قدم چند لمحوں کے لیے رک جانے کا حصار کررہے تھے۔ اس شاہراہ پر رک جانے کا اپنے قدموں کو آگے نہ چلانے کا مگر اس کا سرتاپا وجود شیطان کے حصار میں تھا۔ چلتے چلتے اس نے آسمان کی طرف اپنا چہرہ کیا جہاں چاند کی روشنی سراپا کشش لیے ہوئے تھی لیکن اسے پورے چاند کی رات اماوس کی رات کی مانند لگی۔ چاند کی روشنی اسے کالی تاریکی لگی۔ قلب کے سگنلز قدم بڑھانے اور دماغ کی دہلیز مڑ جانے کا اشارہ کررہے تھے جہاں وہ ناز و نعم سے پلی تھی۔ تبھی تو چلتے چلتے ایک انجانی زنجیر اس کے قدموں کو جکڑ لیتی۔ موبائل کی بپ نے دبیز خیالوں میں غوطہ زن ہونے سے نکالا۔

”میرا انتظا کرنا شاید مجھے آنے میں آدھ گھنٹہ لگے اگر تم نکل چکی ہو تو سوسائٹی پارک میں رک جاؤ۔“ میسج ریسیو کرتے ہی وہاج کا نام چمک رہا تھا۔ اس کے نیچے درج پیغام پڑھتے ہی وہ تلملا اٹھی۔ ہذیانی کیفیت میں اس نے موبائل کو دوبارہ بیگ میں ڈال دیا۔ وہ چاند تھی تو وہ دھرتی تھا مگر وہ اس کی دسترس میں پہنچ گئی تھی۔ وہ اس کی قدغن تھی اس کی ہر ہاں میں ہاں ملانے والی اور اسی بنا پر وہ آج یہاں پہنچ سکی، جس کی اس نے آرزو بھی نہ کی تھی۔ وہ اپنے قدموں کو گھسیٹتی ہوئی سوسائٹی پارک میں داخل ہوئی اندر داخل ہوتے ہی وہ بینچ پر براجمان ہوگئی۔ پہلی شاہراہ کی نسبت یہاں آوازیں نہ تھیں گویا سناٹے کا راج تھا صرف درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ درختوں کی اوٹ میں چھپے ہوئے اور گھونسلہ بنائے ہوئے چرند پرند کی آوازیں سن کر اس کا وحشت پن ختم ہوا۔

”السلام علیکم!“ وہ جس بینچ پر براجمان تھی، اس پر ہی ایک خوب صورت سی لڑکی نے مصافحہ کیا جس کو اس نے خوش دلی سے قبول کیا۔

”آپ یہاں اس وقت میرا مطلب واک کے لیے آئی ہیں۔“ ماہ وش ایک لمحے کے توقف کے بعد انجانی لڑکی سے مخاطب ہوئی۔

”نہیں۔“ انجانی لڑکی نے نفی میں سر ہلا دیا۔

”تو آپ سوسائٹی میں رہتی ہیں۔“ ماہ وش کو وقت گزارنا تھا تو گفتگو کرنے لگی۔

”نہیں ایک بھولی بھٹکی مسافر ہوں اور کچھ نہیں۔“ وہ لڑکی نہ جانے کس سوچ میں محو تھی ماہ وش کے استفسار پر چونک کر بولی۔

”کیا مطلب؟“ ماہ وش کو اس کا فلسفیانہ انداز بے تو جہی سا لگا۔

”میں شیخ خاور کی بیٹی ہو، ماہ تاب۔“ اس نے شستہ انداز میں جواب دیا۔

ماہ تاب کے جواب پر ماہ وش چنداں سمجھ گئی اور اچانک اس کی یادداشت نے اسے دو سال قبل کا اخبار یاد دلایا جس پر سطر درج تھیں۔

”ماہ تاب شیخ خاور کی بیٹی سوسائٹی کے میسّران کی بیٹی گھر سے بھاگ گئی ہے۔“ اس واقعے کو سوسائٹی اخبار میں بہت اچھالا گیا تو ماہ وش کیسے بھول سکتی تھی۔

”آ...... آپ وہی ہیں ناں جو بھاگ......“ ماہ وش نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی زبان کا قفل توڑ بیٹھی۔

”ہاں میں وہی ماہ تاب ہوں اور اب مجھے میری قسمت میری بے نیازی اور بدزبانی نے ایستادہ کیا ہے۔ میری نفسی خواہش نے میں ایک دھندلکا ہوں۔ شیطان کی فرمانبرداری کرنے پر ہی میری ذات پاکیزگی کی بجائے کوڑے کے ڈھیر کی مانند ہو گئی ہے۔ میں ماہ تاب خود کو چاند کی مانند پرکشش سمجھتی تھی۔ خاندان والے میری خوب صورتی پر صرف یہی بازگشت کرتے کہ میری قسمت ستاروں کی مانند روشن ہوگی مگر خوب صورتی مٹی کے ڈھیر میں جا ملتی ہے۔

”تو آپ یہاں میرا مطلب آپ واپس آ گئیں؟“ ماہ وش نے ہکلاتے ہوئے مزید باز پرس کی۔

”صائم عباس میرا کلاس فیلو تھا اس نے مجھے پرپوز کیا تو میں خوشی سے پھولے نہ سما سکی۔ روز شب اس سے باتیں کرنا اچھا لگتا تھا بلکہ یوں کہوں کانٹوں پر چلنا والدین نے میری ہر خواہش پوری کی مجھے لگا وہ اب بھی میری کسی راہ میں مزاحم نہ ہوں گے۔ کھلی آنکھوں کے سپنوں نے مجھے برباد کر دیا۔ صائم کو میرے والدین نے قبول نہ کیا کہ وہ عیاش ہے۔ دھوکے باز ہے مگر وہ تو میرے دل میں نہاں تھا وہ میرے لب و لہجے اور الفاظوں میں بھی تھا اور پھر ایک روز ایسی ہی رات میں اپنے شفیق، شائستہ اور نفیس والدین کو چھوڑ کر ان کی عزت خاک میں ملا کر چلی گئی جس کا ساتھ صرف دو سال کا تھا اگر میرا ساتھ دس سال پرانا بھی ہوتا تو مجھے اس دس سال کے پیار کو بائیس سالہ پیار پر ترجیح نہیں دینی چاہیے تھی۔ میں نے انہیں گرا دیا اور جس کو فوقیت دی وہ صرف دولت کا بھوکا تھا وہ مجھے اسٹیشن پر چھوڑ کر میرا بیگ لے کر بھاگ گیا۔ مگر میں اس کو پکارتی رہی رات کا وقت تھا اس بنا پر میں بہت دور بھاگ نہ سکی۔ زندگی نے جینے کا موقع فراہم کیا میں نے فاؤنڈیشن میں پناہ لے لی واپس پلٹنے کا حوصلہ نہ تھا۔ وہاں یتیم بچوں کی کفالت کی جاتی تھی۔ انہوں نے مجھے سر پر چھت دی مگر وہی چھت سر پر گر گئی اس چھت کا مالک میری ذات، وجود کو داغدار کر گیا۔ میں تو ایک سال وہاں رہ کر بھی کھرے کھوٹے کو پہچان نہ سکی اور اسی چھت کا مالک درندہ بن گیا میں نے بابا کو فون کیا ایک سال بعد ان کی گھمبیر آواز نے میرا استقبال کیا۔ مگر میری آواز سن کر ہی ان کا سرد اور مشتعل لہجہ میری نمناک آواز سن کر شہد سے لبریز ہو گیا اور پھر اسی والد نے مجھے سب پر فوقیت دی۔ رشتے داروں پر، میرے بھائیوں پر اور مجھے قبول کیا۔ زندگی کی رنجشوں کو زمین بوس کر دیا۔ میری گستاخی پر مجھے معاف کر دیا۔ میری ذات کو محو مقصد ٹھہرایا۔ میری ازلی شوخی اور لاپروائی غلط اور سفاک قدم اٹھانے کا ارتقاب ٹھہری اور آج ہٹ دھرم اور کٹھور دنیا مجھے متانت، سنجیدہ اور باوقار زندگی جینا سکھا گئی۔ آج اپنی شکل سے نفرت ہو گئی ہے۔ میری ذات ایک طلب ٹھہری۔ میری خصلت غلطی کا ارتقاب کر بیٹھی اور دکھ اٹھا گئی۔ چمکتی چیز کو سونا سمجھ گئی۔“ اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور کچھ لمحے بعد بولی۔

”اگر تم یہ قدم اٹھانے والی ہو تو واپس لوٹ جاؤ، وہ لہجے میں مٹھاس اور چاشنی سے اپنا گرویدہ تو ٹھہرا لے گا مگر جلد ہی تم کانچ کی گڑیا کو توڑ کر پھینک دے گا۔“ وہ اس کے ایک استفسار پر زندگی کی کتاب کے

تمام پنے کھول بیٹھی۔

اپنی زندگی کے پنوں کی حقانیت بتاتے ہوئے کبھی اس کا لہجہ زہر خند تھا، کبھی ہزیانی، کبھی تمسخرانہ، کبھی بے حد ملال اور قطعیت بھرا تھا۔ وہاں بینچ پر بیٹھی دونوں لڑکیوں کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ دکھ تھا متورم آنکھیں چاندنی رات کو کالا بنا رہی تھیں۔

”مگر میں اسے پسند کرتی ہوں وہ بہت پرواہ کرتا ہے میری، وہ صائم جیسا نہیں۔“ وہ سسکتے ہوئے کچھ وثوق کے ساتھ خود کو یقین دلاتے ہوئے بولی۔

”اونہہ۔“ وہ تمسخرانہ مسکائی۔

”اگر وہ تمہاری پرواہ کرتا ہے تو کبھی تمہیں یوں یکہ و تنہا دہلیز پار کرنے کو نہ کہتا۔ تمہارے کہنے پر تمہارے گھر آ کر تمہیں پوری عزت سے قبول کرتا۔ مرد کے لیے عورت صرف طلب ہوتی ہے۔ اگر وہ تمہیں عزت سے قبول بھی کر لے گا ناں تو تمہیں باقی حیات میں صرف طعنے ملیں گے کہ اگر آج تم اس کے ساتھ بھاگی ہو کل کسی اور کے ساتھ بھی بھاگ سکتی ہو۔ وہ تمہاری خوب صورتی کا قائل ہوا ہے۔ کل کو کسی اور کی خوب صورتی پر جاں نثار کرے گا اور اگر تم آ کے ماں باپ سے مطالبہ کرو گی تو وہ تمہارے جھگڑے میں شاید ساتھ نہ دیں کیوں کہ تم نے خود اس راستے کو قابل قبول بنایا اپنے لیے۔“ ماہ تاب بولے جا رہی تھی اور اس کے شانے کو پکڑ کر وحشت زدہ آنکھوں سے جھنجھوڑ رہی تھی۔

ہاں ماہ تاب کی باتیں سچ ہیں اس کے الفاظ باتیں سب حقانیت سے لبریز ہیں۔ وہ کتنی بار وہاج کو عزت سے رشتہ لانے کا کہہ چکی تھی مگر ہر بار وہ انکار کر دیتا تھا۔

”ہماری Cast الگ ہے مگر میں تم کو اپناؤں گا۔“ اور آج بابا نے اسے چچا زاد سے رشتہ طے کرنے کو کہا تو اس نے یہ قدم اٹھایا معمولی سی بات پر ہم کیوں بے حس ہو گئے ہیں۔ خدا کے کرم سے مسیحا راہ میں کھڑا تھا۔

”آپ کو یہ سب کیسے پتا کہ میں یہ قدم اٹھانے والی ہوں۔“ وہ ہکلاتے ہوئے بولی اس کے لہجے میں شرمندگی اور ندامت عیاں تھی۔

”میں تمہارا بیگ دیکھ چکی ہوں۔ کوئی اتنی رات کو ایسے بیگ لیے خوف و ہراساں چہرہ لیے یہاں نہیں بیٹھتا یہاں کئی لڑکیاں ایسے ہی آ کر بیٹھتی ہیں اور آج تم......“

”تھینکس ماہ تاب! تم نے مجھے خاکستر کر دینے والے راستے پر چلنے سے بچایا۔“ ماہ وش نے نمناک لہجے میں شکریہ ادا کیا اور متورم آنکھیں لیے اس سے بغل گیر ہو گئی۔

”ماہ وش! تم چلی جاؤ تاکہ دیر نہ ہو جائے اور ہاں اس دہلیز کو کبھی پار نہ کرنا۔ ان لوگوں کو ان کی نظر میں نہ گرانا۔ جو انگلی پکڑ کر چلنا سکھاتے ہیں اور ہم ان کی نوازشوں کو ان کی محبت و انسیت کو چمکتی چیزوں کی نذر کر دیتے ہیں۔ آخر کیوں کر ایسا کرتے ہیں۔“ ماہ تاب نے اسے روانہ کرتے ہوئے رندھی آواز میں کہا اور چلی گئی۔ ماہ وش نے اپنے قدم اپنے گھر کی جانب شاہراہ کی طرف موڑ لیے اس نے مڑ کر دیکھا تو ماہ تاب موجود نہ تھی۔ وہ مسیحا تھی یا فرشتہ ماہ وش جان نہ سکی۔

”وہاج والدین سے بڑھ کر کوئی ذات نہیں۔ ان کی عزت مجھے تم سے زیادہ اہم ہے۔“ اس نے ٹائپ میسج میں پیغام درج کیا اور وہاج کو Send کر دیا اور چلنے لگی۔ اب اس کے قدم ایک بار بھی نہ جکڑے، کاش ہر لڑکی کے لیے والدین کی عزت سے بڑھ کر کوئی نہ ہو اور اے خدا شیطان ان پر حاوی نہ ہو۔ آج ماہ تاب نہ ہوتی تو کون بتاتا اسے کہ یہ زندگی صرف چار دن کی ہے وہ دن جلد ختم ہو جائیں گے۔ انہیں گندگی اور نامحرم لوگوں کی نذر نہ کریں۔

......☆......

نائلہ طارق

سلسلہ وار ناول

قسط نمبر 32

جو عشق میں بیتی وہ عشق ہی جانے

اس کے لیے ہارون تم سے پہلے میرے سامنے جوابدہ ہیں، تم میرے لیے ان سے پہلے ہو، انہوں نے میری وجہ سے تمہارے ساتھ ایسا ناروا سلوک کیا اور بہت برا کیا یہ ان کو ہر صورت تم سے معافی مانگنی ہوگی۔"

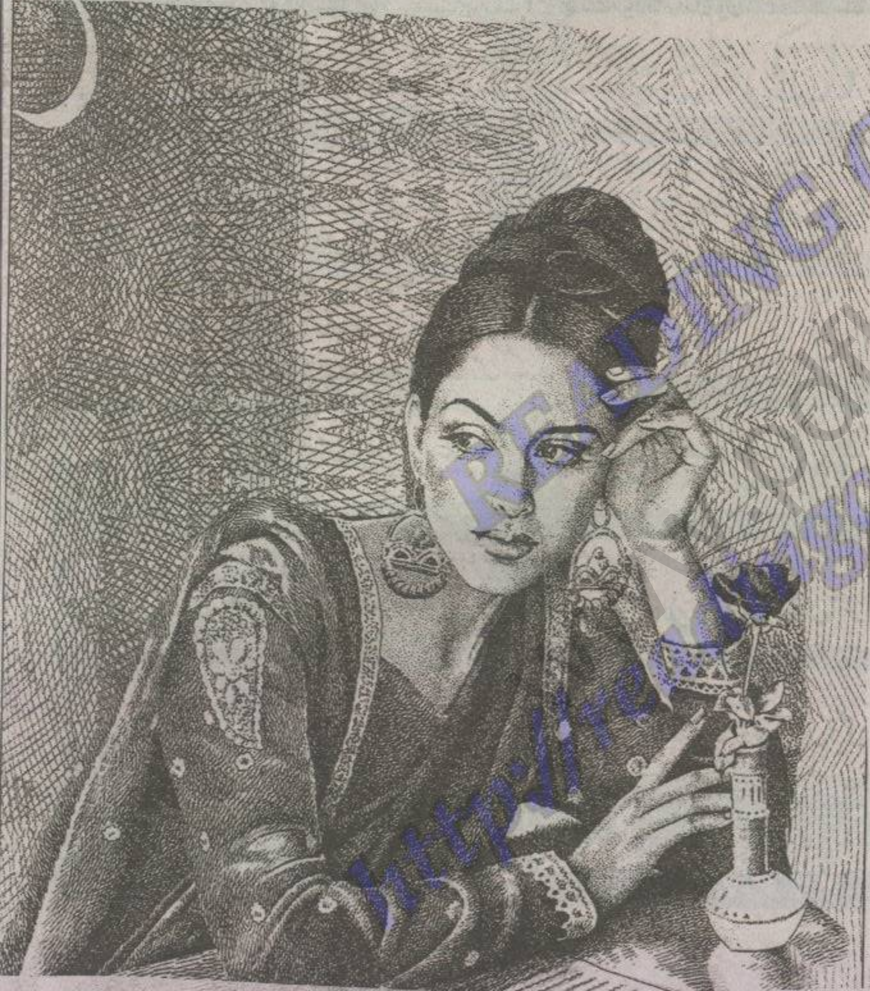


"خرمن! مجھے ان کی معذرت کی ضرورت نہیں۔ تم ان سے کچھ مت کہنا۔"

"تم چپ رہو، میں جانتی ہوں مجھے کیا کرنا ہے۔" خرمن نے بگڑے تیوروں سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"کتنی خوشی تھی میں تمہارے اور ہارون کے لیے مگر میری ساری خوشی پر اوس پڑ چکی ہے۔ مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ ہارون کی وجہ سے مجھے اس طرح تمہارے سامنے شرمسار ہونا پڑے گا۔ تم مجھے ان سے زیادہ عزیز ہو۔ ان کی سزا یہ ہونی چاہیے کہ میں پھر ان سے قطع تعلق ہو جاؤں۔" خرمن کے غصیلے لہجے نے منیزہ کو پریشان کیا تھا۔

"خرمن، میں نے جو کچھ کہا، اسے بھول جاؤ مگر خدا کے لیے تم ہارون سے ناراض مت ہونا وہ برداشت نہیں کر سکیں گے۔ مجھے تمہارے خلوص پر کوئی شک نہیں ہے۔ تم سے سب کچھ کہہ کر میں دل کا بوجھ ہلکا کرنا چاہتی تھی۔ میرا مقصد یہ بالکل نہیں تھا کہ تمہیں شرمسار کروں، کیا میں تم سے اپنے دل کی بات بھی نہیں کہہ



سکتی ؟'' منیزہ کے التجائی لہجے پر بھی اس کے تاثرات بگڑے ہی رہے تھے۔

''میرے خدا! اب میں تمہیں کیسے سمجھاؤں۔'' روہانسے انداز میں منیزہ نے سر ہاتھوں میں تھام لیا تھا جب کہ کن انکھیوں سے اسے دیکھتی خرمن بمشکل اپنی مسکراہٹ لبوں میں دبا سکی تھی۔ بے شک اس نے اب واپس جا کر ہارون کو آڑھے ہاتھوں لینا تھا مگر فی الوقت منیزہ کا پارہ نیچے لانا بھی ضروری تھا تا کہ آگے جب ہارون اس سے معذرت کرنا چاہے تو وہ اس کی معذرت سننے کے لیے تو تیار ہو۔

☆......☆

سوٹ کیس بند کرتا وہ اس کی طرف متوجہ ہوا تھا جو خفت زدہ تاثرات چہرے پر سجائے اسے ہی دیکھ رہی تھی۔

''کاش میرے سوٹ کیس میں اتنی جگہ باقی رہ جاتی کہ تمہیں بھی ساتھ رکھ کر لے جاتا اس میں۔'' شرارتی نظروں سے بیلا کو دیکھتا وہ مسکرایا تھا۔

''مجھے ساتھ لے جا کر کیا کرو گے؟ تمہارے لیے تمہارے کام مجھ سے زیادہ ضروری ہیں۔'' وہ خفت سے بولی تھی۔

''تم جانتی ہو کہ یہ سچ نہیں ہے مگر اب تم مجھے جاتے جاتے بھی شرمندہ کرو گی۔''

''میں صرف تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اس وقت مجھے تمہاری کتنی ضرورت ہے۔''

''مجھے احساس ہے ہر چیز کا اسی لیے میں فکر مند بھی ہوں، تمہیں اس طرح چھوڑ کر جانا میرے لیے بھی مشکل ہے مگر میں اپنے کانٹریکٹ کے خلاف جا کر کمپنی کا نقصان بھی تو نہیں کر سکتا، آپی تمہارے ساتھ دن بھر رہیں گی۔ فاران اور فاریہ مستقل یہاں موجود رہیں گے اور پھر خرمن بھی تو ہے تمہارے ساتھ۔ میں تمہیں فون کرتا رہوں گا۔ تین چار دن کی تو بات ہے۔'' اسے اپنے ساتھ لگائے دروازے کی سمت جاتا وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔

کال بیل پر وہ گیٹ کی سمت بڑھ گیا تھا۔

''مجھے پتا تھا، مجھے الوداع کہے بغیر تمہارے دن نہیں کٹیں گے۔'' شرارتی نظروں سے خرمن کو دیکھتا وہ ہنسا تھا اور عون کو اس کی گود سے لے لیا تھا۔

''اتنے خوب صورت بچے کو گود میں لے کر گھر سے مت نکلا کرو۔ ورنہ بچے اغواء کرنے کی ایف آئی آر کٹ جائے گی۔''

''عثمان!'' اسے گھورتے ہوئے خرمن مسکراہٹ نہیں چھپا سکی تھی۔

''تمہارا منہ کیوں لٹکا ہوا ہے۔ یہ لندن نہیں جا رہا۔'' خرمن نے بیلا کو گھر کا تھا۔

''میرے سامنے چیخ رہی ہو۔ میری معصوم بیوی پر۔ خیال رکھنا اس کا ذرا بھی لاپروائی کی تو وہ واپس آ کر تمہارے شوہر کا حشر نشر کر دوں گا۔'' عثمان کی دھمکی پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

☆......☆

اس وقت وہ ہوٹل کے روم میں موجود تھے۔ روم کا جائزہ لیتے کچھ ہی وقت گزرا تھا جب عروسہ کی کال آ گئی تھی۔

''شکر ہے، آپ خیریت سے پہنچ گئے۔ کھانا کھایا آپ نے؟''

''ہاں، کھانے کے بعد ہی ابھی روم میں آیا ہو۔ بچے کیا کر رہے ہیں؟''

''فائز آج جلدی سو گیا ہے۔ فاران اور فاریہ آج عثمان کی طرف رکیں گے۔''

''اس لیے کہ عثمان گھر پر نہیں ہے؟'' ان کے سوال پر وہ چپ رہی تھیں۔

''وہ اسی ہوٹل میں ہے۔ ابھی میں نے دیکھا ہے اسے ڈائننگ ہال میں وہ بھی آج ہی یہاں پہنچا ہے؟''

''جی ہاں۔'' ان کے سوال پر وہ اتنا ہی بول سکی تھیں۔

''فاران اگر وہاں رکے گا تو تم گھر میں تنہا رہ جاؤ گی۔ بہتر ہوتا کہ تم بھی وہیں رات میں رک جاتیں۔'' فاروق کا سنجیدہ لہجہ عروسہ کو ہولا گیا تھا۔

''آپ جانتے ہیں کہ گھر کو خالی چھوڑ کر کہیں چلے جانا مجھے پسند نہیں اور پھر دو دن کی تو بات ہے۔''

''میں صرف تمہاری وجہ سے فکر مند تھا۔ اگر تم مطمئن ہو تو پھر ٹھیک ہے۔'' وہ بولے تھے۔

''کتنا اچھا ہوتا اگر میں بھی آپ کے ساتھ وہاں ہوتی۔'' عروسہ تاسف سے بولی تھیں۔

''یہ اچھا ہوتا؟''

''کیا مطلب؟'' عروسہ کے الجھے لہجے پر ایک مبہم سی مسکراہٹ ان کے چہرے پر ابھری تھی۔ چینج کر کے وہ اب آرام کرنا چاہتے تھے۔ اسی ارادے سے انہوں نے بیگ کھولا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ حیران وہ قطعی نہیں ہوئے تھے۔ ایک طرف وہ ہو گئے تھے جب کہ عثمان کچھ ہچکچاتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا۔

''کمپنی کے لیے پروموشن کے سلسلے میں آئے ہو؟''

''ایک برانڈ کا Launch ہے۔'' عثمان نے جواب دیا تھا۔

''کتنے دن رکو گے یہاں؟''

''کوشش تو یہی ہے کہ دو تین دن سے زیادہ نہ رکنا پڑے۔''

''تم یہاں اکیلے کیوں ہو؟ باقی مینجمنٹ کہاں ہے؟''

''باقی سب دوسرے ریسٹ ہاؤس میں ہیں۔ میں یہاں قیام کرنا چاہتا تھا۔ تو میرا انتظام یہیں کروا دیا گیا۔''

''فاران نے تمہیں بتایا ہوگا کہ میں اس ہوٹل میں ٹھہرا ہوں؟'' سوال کرتے ہوئے فاروق نے بغور اسے دیکھا تھا۔

''آپ یہاں کتنے دن رکیں گے؟'' کچھ گڑبڑاہٹ کے ساتھ عثمان نے بات بدلنی چاہی تھی۔ جواباً فاروق نے بھی اس کے سوال کا جواب دینا ضروری نہیں سمجھا تھا۔ بیڈ سے اپنے کپڑے اٹھا کر وہ ایک پل کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔

''بیٹھ جاؤ۔'' بول کر وہ واش روم کی سمت بڑھ گئے تھے۔ گہری سانس لیتا عثمان صوفے پر بیٹھ گیا تھا۔ اس کے لیے فاروق کی یہاں موجودگی حیران کن نہیں تھی۔ جس بینک میں وہ کام کرتے تھے اس کی مین برانچ اس شہر میں تھی۔ بینک کی تمام برانچز کی سالانہ میٹنگ اسی شہر میں منعقد ہوتی تھیں۔ ایک اہم پوسٹ پر ہونے کی وجہ سے فاروق بھی اپنی برانچ کی چند اہم شخصیات کے ساتھ اس سال بھی میٹنگ میں شرکت کے لیے یہاں پہنچے تھے۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ ان کی میٹنگ اور برانڈ کے لاؤنچ کی ڈیٹ ایک ہی تھی۔ یہ سچ تھا کہ اس نے فاروق کی وجہ سے اسی ہوٹل کو ترجیح دی تھی۔ شاید وہ تنہائی میں ان سے بات کرنے کے اس موقع پر گنوانا نہیں چاہتا تھا۔ چینج کرنے کے بعد فاروق واپس آئے تو وہ کمرے کا جائزہ لینے میں مصروف تھا۔ وہ احتراماً اٹھنا چاہ رہا تھا۔ جب فاروق اشارے سے اسے روکتے دائیں جانب موجود سنگل صوفے پر براجمان ہو گئے تھے۔

''تمہاری بیوی کو یہ خبر ہے کہ تم میرے ساتھ یہاں ہو؟'' ان کے سوال پر وہ فوری طور پر جواب نہیں دے

سکا تھا۔

''واپس جاؤں گا تو بتا دوں گا۔'' ان سے نظر ملائے بغیر وہ بولا تھا۔

''بہتر ہے کہ نہ بتانا۔'' فاروق طنزیہ لہجے میں بولے تھے۔

''آپ کی طرح اور بیلا کی طرح میں سچائی کو نہیں چھپا سکتا۔'' وہ بولا تھا۔

''کس سچائی کی بات کر رہے ہو تم؟''

''وہی سچائی جس کا سامنا آپ دونوں ہی نہیں کرنا چاہتے۔ کیا آپ دونوں کی انا اس رشتے اس محبت سے زیادہ بڑی ہے جو آپ دونوں کے درمیان ہے؟''

''کس رشتے کی بات کر رہے ہو تم؟'' اس رشتے کی جسے وہ ٹھوکر مار چکی ہے۔ تھوک چکی ہے وہ جس رشتے پر آج تم اس رشتے کی بات کر رہے ہو۔ مجھے یہ بتانا چاہتے ہو کہ میں انا پرست ہوں۔ اپنی انا کے لیے میں سچائی سے نظر چرائے بیٹھا ہوں۔'' وہ جیسے پھٹ پڑے تھے اور عثمان یہی تو چاہتا تھا سو خاموشی سے ان کو سنتا ان کے مشتعل ہوتے تاثرات کو دیکھتا رہا تھا۔

''کچھ باقی نہیں رکھا اس نے اپنے اور میرے درمیان۔ تمہارے ساتھ مل کر اس نے مجھ سمیت سب کچھ آگ میں پھینک دیا تھا۔ میری عزت کے لاشے کو بے گور و کفن اس نے اچھال دیا زمانے کی نظروں میں۔ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا مجھے اس نے نہ تم نے۔'' بھڑکتے لہجے میں بولتے وہ یکدم صوفے سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔

''آج تم مجھے یاد دلانے آئے ہو کہ میرا اس سے رشتہ ہے۔ کہاں تھے تم اس وقت جب تمہارے نام کی پٹی اس کی آنکھوں پر بندھی تھی۔ جب تمہارے لیے اس نے میرا منہ کالا کر دیا تھا۔ جواب دو مجھے؟'' بلند آواز میں برستے وہ اس کے جھکے سر کو دیکھ رہے تھے۔

''تم کیا جواب دو گے۔ مجھے اذیت پہنچانے میں، میرا نام روشن کرنے کی دنیا میں تم نے بھی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ تم میرے کرب کا احساس اس وقت کرو گے جب تمہاری اولاد بھی تمہارے ساتھ یہ سب کرے گی جو تم دونوں نے مل کر میرے ساتھ کیا تھا۔ اس وقت تم دونوں کو احساس ہوگا کہ عزت کا لباس سرعام اتر جائے تو کیا محسوس ہوتا ہے۔ میرے گھر کو جہنم بنا کر تم دونوں نے اپنی جنت بنائی تھی۔ میرے زخموں نے مجھے مجبور کر دیا کہ میں اپنی ہی بیوی کا دشمن بن گیا۔ بھول بیٹھا اس کے احسانوں کو تم دونوں کی طرح میں بھی احسان فراموش بن گیا۔ تم دونوں کو پروان چڑھانے کے لیے میری بیوی نے کیا کچھ نہیں کیا تھا۔ تم دونوں کے لیے مگر اپنی خوشیوں کے لیے تم دونوں نے یہ پرواہ تک نہیں کی کہ تمہارا عمل اس کی زندگی کے لیے کتنا خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ یہ خود غرضی نہیں تو اور کیا ہے کہ تم نے اس کی محبت اس کی کمزوریوں کا فائدہ اٹھایا تھا۔ میں تو تھا ہی برا، دشمن تھا تم دونوں کا مگر اس کا کیا قصور تھا کہ وہ بھی دنیا سے منہ چھپاتی رہی۔ تمہارے باپ کی ناراضی سہتی رہی۔ میرے اذیت ناک سلوک کو برداشت کرتی رہی۔ میں اس قابل بھی نہیں ہوں کہ ہاتھ اٹھا کر اللہ سے تم دونوں کے لیے یہی ذلتیں اور اذیتیں مانگوں جو تم دونوں کی وجہ سے میں اور میری بیوی سہنے پر مجبور ہیں مگر کسی سے شکایت نہیں کر سکتے۔'' سرخ آنکھوں سے وہ اس کے اترے چہرے کو دیکھ رہے تھے جو صوفے سے اٹھ کر ان کے مقابل آ گیا تھا۔

''آپ کی ہر بات درست ہے۔ ہم دونوں آپ کے گناہ گار ہیں یہ آپ کا ظرف ہے کہ آپ بددعا نہیں

مانگ سکتے مگر اللہ تو سب دیکھ رہا ہے۔ میں تو بہت پہلے ہی جان چکا تھا کہ آپ کا سب سے بڑا مجرم میں ہی ہوں۔ یہ احساس مجھے اس دن ہوا جب آپ کے لیے بیلا کی تڑپ میں نے محسوس کی تھی۔ اس وقت جب نیند میں چلتے پھرتے وہ آپ کا نام لیتی تھی۔ آدھی آدھی راتوں میں اٹھ کر آپ کے لیے دروازہ کھولتی تھی کہ آپ آئیں گے اور اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے۔ اس وقت میرے نام کی پٹی اس کی آنکھوں پر نہیں رہتی تھی۔ اس کے لبوں پر آپ کا نام ہوتا تھا۔ صرف آپ کا ذکر ہوتا تھا اور میں سوچنے پر مجبور ہو جاتا تھا کہ یہ میں کیا کر چکا ہوں۔''

''مت کرو میرے سامنے اس کا ذکر۔'' غصیلے لہجے میں بولتے فاروق اس کے سامنے سے ہٹ جانا چاہتے تھے مگر وہ ان کا بازو تھام کر روک گیا تھا۔

''میں آپ کے پیر پکڑ کر معافی مانگ لوں تو بھی تلافی نہیں ہو سکتی۔ آپ مجھے جو سزا دیں وہ کم ہو گی مگر بیلا کے لیے یہ سزا ناقابلِ برداشت تھی کہ آپ نے اس کے سر سے اس گھر کی چھت چھین لی تھی جو گھر اس کے ماں باپ کا بھی تھا۔

آپ جانتے ہیں کہ جب آپ کی ماں اس دنیا سے چلی گئی تھیں تو وہ نیند میں ان کو ڈھونڈتی تھی۔ ان کو پکارتی تھی۔ آپ سے جدائی کا اسے دوبارہ اسی حالت میں لے گیا تھا۔ وہ آج بھی آپ سے محبت کرتی ہے۔ آج بھی اس کی آنکھیں آپ کی منتظر ہیں۔'' اس کے دزدیدہ لہجے نے فاروق کے تاثرات کو مزید سخت کر دیا تھا۔

''یہ بے معنی باتیں کر کے تم میرے دل کو اس کے لیے نرم نہیں کر سکتے اگر اس کے دل میں میرے لیے عزت اور محبت کی رمق بھی ہوتی تو وہ میری دھجیاں نہ بکھیرتی، کیا کرتا میں اسے گھر میں رکھ کر میں اسے نہ نکالتا تو وہ خود چلی جاتی۔ تمہارے ساتھ کورٹ تک جاتے ہوئے اسے میری عزت کا لحاظ نہ رہا تو میں کیوں اسے عزت کے ساتھ موقع دیتا مزید تماشا لگانے کا۔'' ان کے بھڑکنے پر وہ بس خاموشی سے ان کی خون رنگ آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''لعنت بھیج دی تھی اس نے مجھ پر، میں نے اسے گھر سے نکالا مگر اس نے تو میرا دنیا میں رہنا دشوار کر دیا تھا۔ میرا ہونا اس کے لیے باعثِ شرم تھا۔ دنیا کے سامنے مجھے بھائی کہتے ہوئے اسے شرم آتی تھی۔ نامحرم کہا تھا اس نے مجھے۔ کبھی پوچھا تم نے اس سے کہ اس نے کب مجھے بھائی کا درجہ دیا اپنی زندگی میں اور تم نے خود کیا کیا۔ اسے ہراساں کرنے جیسا شرمناک الزام مجھ پر لگانے والے تم ہی تھے۔'' فاروق کی آواز اب کے ہلکی اور کرب میں ڈوبی ہوئی تھی۔ ان کی آنکھوں میں تیرتی نمی نے عثمان کو ساکت کر دیا تھا۔

''اس نے کہا تھا میرے سینے میں دل نہیں ہے۔ وہ سمجھتی ہے کہ میں نے کبھی اسے بہن کی حیثیت سے قبول نہیں کیا۔ مگر سچ تو یہ ہے کہ اس نے مجھے کبھی اپنے دل میں جگہ نہیں دی تھی۔ ہر چیز کے لیے اسے عروسہ نظر آتی تھی اس نے کبھی میرے پاس آنے کی کوشش نہیں کی۔ کبھی یہ سمجھنے کی کوشش نہیں کی کہ میں اس سے کتنی محبت کرتا ہوں۔ اس نے ہی نہیں بلکہ کسی نے بھی مجھے سمجھنے کی کوشش کی۔ میری اولاد کے دنیا میں آنے سے پہلے میرے گھر میں اس کے اور تمہارے وجود سے رونق تھی۔ اپنے خون سے اپنے گھر کی رونق سے کس انسان کو محبت نہیں ہوتی۔ میرا قصور بس یہی تھا کہ میں چیخ چیخ کر اس محبت کا اظہار نہیں کر سکا۔ عروسہ کے بعد اگر کسی انسان نے مجھے سمجھا ہے تو وہ صرف برہان ہے۔ شاید اسی لیے تمہارے لیے اسے صاف انکار کر دینے کے بعد میں یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا تھا کہ برہان صرف تمہاری خوشی کے لیے بیلا کے لیے کوئی غلط فیصلہ نہیں کر سکتا۔

برہان کے مایوس چلے جانے کے بعد میں نے بہت سوچا، یہ بھی کہ میرا انکار بیلا کے ساتھ ساتھ تمہاری زندگی بھی خراب کر دے گا پھر میرے انکار سے آگے کیا اچھا ہو سکتا ہے۔ میرا انکار اس لیے بھی کمزور پڑتا تھا کہ تم نے خود کو اسٹیبلش کرنا شروع کر دیا تھا۔'' میں برہان سے بات کرنے والا تھا

مگر شاید مجھے دیر ہو گئی تھی یا پھر میرے مقدر میں ہی ذلیل و خوار ہونا لکھا تھا۔'' ان کے کمزور لہجے پر عثمان بس دنگ نظروں سے ان کو دیکھ رہا تھا جو اس کے سامنے سے ہٹتے تھکے تھکے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔ گہری خاموشی میں صرف وال کلاک کی حرکت کرتی سوئی کی آواز ابھر رہی تھی۔ احساسِ ندامت نے اسے مجبور کیا تھا کہ وہ ان کے سامنے گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا تھا۔ نظر اٹھا کر فاروق نے اس کی جھکی آنکھوں کو دیکھا تھا۔

''یہ میری بدنصیبی ہے کہ میں آپ کو سمجھ نہیں سکا۔ اپنی ضد اور غصے میں، میں نہیں سوچ سکا کہ میں کیسا قدم اٹھانے جا رہا ہوں۔ اسی خود غرضی کا شکار رہا کہ بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا مگر کوشش کے بعد بھی میری زندگی مکمل نہیں ہو سکی ہے۔ کیونکہ جس کے لیے میں جائز و ناجائز بھول گیا تھا اس کی محرومی دور کرنے میں اسے سچی خوشی دینے میں، میں بری طرح ناکام ہو چکا ہوں۔ نہ وہ مکمل ہے نہ میں ہو سکا ہوں۔ ہماری زندگی کو صرف آپ کی رضا، آپ کا ساتھ مکمل کر سکتا ہے۔ مجھے میری غلطیوں سمیت میرا خاندان قبول کر ہی لے گا مگر بیلا کے لیے آپ کی سپورٹ کتنی اہمیت رکھتی ہے آپ جانتے ہیں اسے آپ کی ضرورت ہے۔ نادانی میں ضد میں اس نے آپ کی نافرمانی کی۔ اس نے غصے میں زبان سے جو کچھ آپ کے لیے کہا اس کے لیے میں ساری زندگی آپ سے معافی مانگتا رہوں گا۔ مگر حقیقت تو یہی ہے کہ آپ اس کے لیے صرف بھائی کا ہی نہیں باپ کا درجہ رکھتے ہیں۔ یہ درجہ آپ کے ماں باپ آپ کو دے گئے تھے۔ اپنی تمام ناراضی کے باوجود آپ خود کو اس درجے سے نہیں ہٹا سکتے۔ باپ کا دل تو بہت بڑا ہوتا ہے۔ آپ نے اسے اولاد سمجھا ہے تو اسے معاف کرنے کا احسان بھی کر دیں۔ اس نے جو کیا میری وجہ سے کیا۔ میں نے اسے بھٹکایا۔ ہر سزا کا حق دار میں ہوں۔''

''ہر الزام اپنے سر لے کر اسے بری کرنے کی کوشش مت کرو تم۔'' فاروق نے اس کی بات کاٹی تھی۔

''بات اگر تمہاری ہے تو میں نے تمہیں اسی دن معاف کر دیا تھا۔ جس دن فاران کا ایکسیڈنٹ ہوا تھا۔ اس دن مجھے بس یہ یاد رہا کہ تمہارا خون میرے بیٹے کی رگوں میں زندگی بن کر دوڑ رہا ہے۔''

''میں اس کے لیے آپ سے معافی کی بھیک مانگوں، تب بھی آپ اسے معاف نہیں کریں گے؟'' اس کے التجائی لہجے پر کچھ مضطرب ہو کر فاروق صوفے سے اٹھ گئے تھے۔ دوسری جانب وہ اپنے قدموں پر اٹھتا بس منتظر نظروں سے انہیں دیکھتا رہا تھا۔ جو کھڑکی کا پردہ سرکاتے باہر گہری ہوتی رات میں کچھ تلاش کر رہے تھے۔

''رات کافی ہو چکی ہے۔ تمہیں اب اپنے روم میں چلے جانا چاہیے۔'' اس کی جانب پلٹے بغیر وہ سرد لہجے میں بولے تھے۔

''آپ مجھے یہ کہنے پر مجبور کر رہے ہیں کہ آپ نے صرف زبان سے اسے اولاد کہا مگر سمجھا نہیں۔''

''جو کہنا تھا کہہ چکے ہو یا مزید کچھ کہنا باقی ہے؟'' اس بار فاروق نے کچھ برہمی سے اسے دیکھا تھا۔

''کہنے کے لیے اگر کچھ ہے بھی تو آپ سننا ہی کہاں چاہتے ہیں اگر اسے محروم رکھ کر آپ کو تسلی ملتی ہے تو ساری زندگی یہ کام کیجیے گا اور یہی دعا کیجیے گا کہ میری اولاد بھی مجھے وہی اذیت پہنچائے جو اذیت میری وجہ سے آپ کو ملی ہے۔'' سرخ چہرے کے ساتھ بولتا وہ رکا نہیں تھا جب کہ فاروق ساکت نظروں سے بند دروازے کو دیکھتے رہے تھے۔



☆......☆

گرین ایریا میں روشن لائٹس پھیلے سناٹے کو عجیب تاثر دے رہی تھیں۔ ٹیرس کی باؤنڈری وہاں موجود تھی۔ رات دھیرے دھیرے گزرتی جارہی تھی مگر اس کی آنکھوں میں نیند کا نام ونشان تک نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر اس وقت احمد حسین یا فاطمہ نے اسے یہاں دیکھ لیا تو وہ ان کے کسی سوال کا تسلی بخش جواب نہیں دے سکے گا۔ سب کے سامنے خود کو نارمل ظاہر کرتے رہنا آسان نہ تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ احمد حسین اور فاطمہ اس کے دل و دماغ میں جاری سرد جنگ سے واقف ہوں مگر ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے وہ دونوں کب تک خرمن اور عون سے اس کی لاتعلقی سے ناواقف رہ سکیں گے؟ آج ایک ہفتے بعد خرمن واپس آچکی تھی۔ اس کی موجودگی نے اس حد تک اس کے اعصاب کو منتشر کر رکھا تھا کہ وہ بیڈ روم میں جانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ اس کا سامنا تو کیا وہ خود سامنا کرنے کے قابل نہیں تھا۔

یکدم عقب میں ابھرتی آہٹ کو پہچانتے ہوئے اس کے اعصاب مزید تن گئے تھے۔ جبڑے سختی سے آپس میں پیوست ہوئے تھے۔ اس نے پلٹ کر دیکھنے کی کوئی کوشش نہیں کی تھی۔ دوسری جانب اس کی پشت کو دیکھتے ہوئے خرمن کا وجود گلیشیئر بننے لگا تھا۔ کوئی شک نہیں رہ گیا تھا کہ وہ تنہائی میں بھی اس کا چہرہ نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔ جس انسان نے اسے اپنے دل کے تخت پر بٹھا رکھا تھا، عزت ومحبت کے بلند مقام اس کے لیے اپنے دل میں مخصوص کر رکھے تھے۔ آج وہی انسان ایک نگاہ تک اس پر ڈالنے کا روادار نہیں تھا۔ ہر مقام اور محبت بھرے دل کی سلطنت کی حکمرانی سے محروم ہو کر اگر اب وہ زمین کے پھٹ جانے، اس میں سما جانے کی آرزو نہ کرتی تو اور کیا کرتی۔ اس کی سانسیں حلق میں پھنسنے لگی تھیں مگر آج سامنا تو کرنا ہی تھا۔

''ایسا نہیں ہے کہ صرف بابا کی ہدایت پر میں تم سے معافی مانگنا چاہتی ہوں۔'' فرش پر نظر جمائے اس نے بہ مشکل بولنا شروع کیا تھا۔

''میں جانتی ہوں کہ معافی ہر اذیت کا ازالہ نہیں کر سکتی۔ تمہارا ہر عمل درست اور جائز تھا۔ ہر بار زیادتی اور ذلت کو خاموشی سے نہیں سہا جا سکتا۔ میں اسی سلوک کی مستحق تھی۔ تم نے ٹھیک کہا تھا۔ میں احسان فراموش ہوں۔ سب کی محبتیں سمیٹ کر میں نے بدلے میں سب کو تکلیفوں کے سوا کچھ نہیں دیا۔ تم میرے لیے خوشیاں جمع کرتے رہے۔ میری جڑوں تک پہنچنے کی کوشش کرتے رہے۔ میری زندگی کا سب سے بڑا خلا تم نے پر کر دیا۔ میری ذات کو میرے آج اور کل کو مکمل کر دیا مگر میری آنکھوں پر ضد اور ہٹ دھرمی کا پردہ پڑا رہا۔ تمہیں سب کچھ کہہ جانے کا حق ہے۔ ہر وہ برا لفظ جس کی میں مستحق ہوں میں نے تم سے جو غلط کہا جو بھی غلط کیا میں ہمیشہ اس کے لیے شرمندہ رہوں گی۔ تم مجھے معاف کرو یا نہ کرو یا پھر جو تمہارا دل کہتا ہے وہ کرو مگر میری غلطیوں کی سزا تم اپنے بیٹے کو مت دو۔'' لرزتے لہجے میں بولتی وہ ایک پل کو رکی تھی بکھرتے دل کو سنبھالتے ہوئے اس کی آنکھوں سے گرم قطرے ٹپکتے دودھیا فرش پر گرے تھے۔

''تمہیں اب احساس ہوا ہے کہ تم نے مجھ سے شادی کر کے غلطی کی۔ مگر میں پہلے سے جانتی تھی کہ تم یہ غلطی کر رہے ہو، تمہیں روکنے کی کوشش بھی کی تھی۔ کیونکہ میں جانتی ہوں کہ میں تمہارے قابل نہ پہلے تھی نہ اب ہوں۔ تمہیں مجھ سے نہیں بلکہ کسی ایسی عورت کو اپنی زندگی میں شامل کرنا چاہیے تھا جو......'' یک لخت اس کی آواز حلق میں گھٹ گئی تھی جب جھکی نظروں کے ساتھ اسے احساس ہوا تھا کہ عارش کچھ بھی کہے بغیر تیز قدموں کے ساتھ اس کے سامنے سے گزرتا ٹیرس سے جا رہا ہے۔ ساکت کھڑی وہ نظر تک نہ اٹھا سکی تھی۔

اسے اپنا دل ڈوبتا محسوس ہو رہا تھا۔ جانے کتنے لمحوں بعد وہ اپنے بے جان قدموں کو بمشکل حرکت دینے کے قابل ہوئی تھی۔

بیڈروم کے نیم وا دروازے کے قریب اس کے قدم رکے تھے۔ عون کی مدھم آوازیں اس کے کانوں تک پہنچی تھیں۔ دھڑکتے دل کے ساتھ اس نے بہت احتیاط سے اندر جھانکا تھا۔ راحت کی ایک لہر اس کے دل میں دوڑتی کچھ پرسکون کر گئی تھی۔ اندر وہ اپنے بیٹے کو بازوؤں میں اٹھائے اس سے باتیں کر رہا تھا۔ اسے پیار کر رہا تھا۔ یہ منظر دیکھ کر خرمن پیچھے ہٹ گئی تھی۔ کیونکہ وہ اس وقت باپ بیٹے کے درمیان کوئی خلل نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔ وہ کبھی یہ برداشت نہیں کر سکتی تھی کہ اس کے قصور کا سزاوار اس کا بیٹا بھی ٹھہرے یا اس کی وجہ سے اس کے بیٹے کے لیے عارش کی محبت اور شفقت میں کوئی کمی آئے۔

☆......☆

آج یہ اس کا تیسرا دن بہت مصروف گزرا تھا۔ اسے اب شدت سے فراغت کا انتظار تھا کہ وہ بیلا کے پاس پہنچ کر اس کی ناراضی ختم کر سکے۔ وعدے کے مطابق اسے آج تین دن مکمل ہو گئے تھے۔ یہاں مگر پروموشن کی مصروفیات ختم نہ ہونے کے باعث وہ گھر نہیں جا سکا تھا۔ آج صبح جب اس نے بیلا کو فون پر بتایا کہ وہ آج یہاں سے نہیں نکل سکے گا تو توقع کے عین مطابق کوئی جرح کیے بغیر بیلا نے رابطہ منقطع کر دیا تھا۔ عثمان کو اندازہ تھا کہ یہ اس کے غصے کا اظہار ہے۔

اس وقت وہ اپنے روم کا لاک کھول رہا تھا۔ جب اچانک فاروق کی پکار نے اسے چونکا دیا۔ پہلے دن فاروق اور اس کے درمیان جو گفتگو ہوئی تھی اس کے بعد آتے جاتے چند بار اتنا سامنا ضرور ہوا تھا مگر سلام دعا کے علاوہ دونوں کے درمیان کوئی بات نہیں ہوئی تھی مگر اب وہ حیران ہوتا ان کی طرف متوجہ تھا۔

”میں کچھ دیر میں ایئرپورٹ جانے کے لیے نکل رہا ہوں۔ سوچا تم سے ملتا جاؤں۔“

”آپ واپس جا رہے ہیں؟“ اس کے بے ساختہ انداز پر فاروق نے بغور اسے دیکھا تھا۔

”ہاں تم کب واپس پہنچو گے؟“

”بس کل تک اور پرسوں تک لازمی پہنچ جاؤں گا، ہو سکے تو آپی کو سمجھا دیجیے گا کہہ رہی ہیں سب کچھ چھوڑ کر گھر پہنچوں، میں غیر ذمہ دار نہیں ہوں مگر یہاں کام ادھورا چھوڑ کر گیا تو کمپنی کو نقصان اٹھانا پڑے گا۔“ آج صبح صبح فون پر عروسہ کی پھٹکاروں پر اس کی ان سے جھڑپ ہو گئی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اس سے غلطی ہوئی ہے۔ ایسے نازک وقت میں اسے بیلا کے قریب ہونا چاہیے تھا۔ اسی لیے وہ اور دلبرداشتہ تھا سو فاروق سے کہہ گیا۔

”ہاں میری بات ہوئی تھی عروسہ سے۔ کہا تو میں نے بھی ہے کہ تم یہاں کوئی تفریح میں مصروف نہیں بہرحال پرسوں تک پہنچ جاؤ تو بہتر ہے۔“ ان کے کہنے پر عثمان نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

”عروسہ تمہارے گھر پر ہی ہے۔ وہیں رہنا ہے اسے فی الحال کیوں کہ تم یہاں ہو۔ پریشان مت ہونا۔“ ان کے نرم لہجے پر وہ بس خاموشی سے انہیں دیکھ رہا تھا۔

”اپنا خیال رکھنا اور......“ الوداعی کلمات کہتے وہ یک لخت رکے تھے کہ عثمان نے آگے بڑھ کر ان کو گلے لگایا تھا۔

☆......☆

رات بہت زیادہ نہیں بیتی تھی مگر ہر سمت عجیب خنک خاموشی اور سناٹے کا راج تھا۔ گرین ایریا کی کچھ لائٹس آف ہونے کی وجہ سے نہ بہت زیادہ روشنی تھی نہ بہت تاریکی۔ اوس میں بھیگی گھاس پر چلتے ہوئے اس نے آسمان کا جائزہ لیا تھا۔ ستاروں سے سجے آسمان کی رونق بھی اس کے دل پر اثر انداز نہیں ہوئی تھی۔ گہری سانس لے کر اس نے اپنی گھٹن کو دور کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

تنہائی اور خالی پن کا احساس روح تک میں سرائیت کر جائے تو رات کی تاریکی، بھیانک اندھیرے میں بدل جاتی ہے اور یہ اندھیرا صرف باہر نہیں ہوتا، وجود کے اندر تک پھیل جاتا ہے۔ رات کی تاریکی اور اندھیرے کا فرق سمجھ آ جاتا ہے۔

اس کی چونکتی نگاہیں مین گیٹ سے نمودار ہوتی سوک کے ساتھ ہی پارکنگ کی سمت گئی تھیں۔ چند لمحوں بعد اس نے عارش کو پارکنگ سے باہر آتے دیکھا۔ وہ یقیناً اس کی وہاں موجودگی سے باخبر ہو گیا تھا۔ اسے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ خود ہی اس کی سمت بڑھ گئی تھی۔ نیوی بلیو شرٹ کی سلیوس کہنیوں سے ذرا نیچے تک فولڈ کیے وہ اپنے دراز قد کے ساتھ پورے کا پورا اس کی آنکھوں میں اترتا چلا گیا تھا۔

”میں بیلا کے پاس آئی ہوئی تھی واپسی پر سوچا یہاں ٹھہر کر تمہارا انتظار کر لوں۔“ خرمن کو اندازہ تھا کہ وہ کوئی سوال نہیں کرے گا۔ سو خود ہی مخاطب کر لیا۔

”جانتے ہو میں نے کئی بار چاہا کہ جب یہاں سناٹے بول رہے ہوں دور دور تک کوئی نہ ہو تو ہم دونوں یہاں واک کریں۔“ اس کے پیچھے ہی چلتی وہ بول رہی تھی۔ کچھ حیرانی کے ساتھ عارش کو اس کی جانب دیکھنا پڑا تھا۔ ڈیپ ریڈ اسکارف کے اوپر اس نے شیشوں اور ریشم کے کام سے سجی ڈارک مرون شال بھی لے رکھی تھی۔ ایک عجیب سا سکون اس کے دلکش چہرے پر بہت طمطراق سے چھایا ہوا تھا۔ وہ دوبارہ اس کی سیاہ شفاف آنکھوں میں دیکھ نہیں سکا تھا۔

”تم نے میری کالز ریسیو نہیں کی تھیں اگر بابا مجھے اطلاع نہ دیتے تو مجھے پتا ہی نہیں چلتا کہ تم انسٹی ٹیوٹ کے کسی کام میں مصروف ہو۔“ اس کی لاتعلقی کے باوجود لفٹ میں خرمن نے پھر اسے مخاطب کیا مگر وہ بدستور خاموش تھا۔ فاطمہ اس کے انتظار میں ہی جاگ رہی تھیں۔ کچھ دیر تک وہ ان سے ہی کوئی بات کرتا رہا، جب کمرے میں آیا تو توجہ عون نے کھینچ لی جو اپنے بلینکٹ میں لپٹا گہری نیند میں تھا مگر عارش کی پدرانہ محبت کو جھنجھوڑ گیا تھا۔ صبح وہ اسے پیار کر کے آفس کے لیے نکلا تھا۔ تو اب رات کا یہ وقت ہو گیا تھا۔ فاطمہ ٹھیک ہی ناراض ہوتی تھیں کہ اپنے بیٹے کو وہ زیادہ وقت نہیں دیتا۔

دروازے پر رکی خرمن خاموشی سے اسے دیکھتی رہی تھی۔ جو عون پر جھکا ہوا تھا۔

”عثمان کے آنے تک انسٹی ٹیوٹ کے ایکسٹرا کام ابھی روک دو، ورنہ اگر تم اسی طرح صبح سے رات تک مصروف رہو گے تو تمہاری صحت خراب ہو جائے گی۔“ چند قدم آگے آتی وہ بولی تھی۔ عون کے نرم گلابی گالوں کو پوروں سے سہلاتے ہوئے عارش نے اس کی آواز سنی ضرور تھی مگر نظر اٹھا کر اس کی جانب نہیں دیکھا تھا۔

”مجھے کیا کرنا چاہیے، کیا نہیں، یہ میں جانتا ہوں تم میری فکر کرنے کی زحمت مت کرو کچھ نہیں ہوتا مجھے، بہت اونچائی سے پستیوں میں گرنے کے بعد بھی تو زندہ ہوں اگر سانس لینے کا نام زندہ ہونا ہے تو ہوں میں زندہ۔“ عون کے چہرے پر نظر جمائے وہ تلخ لہجے میں بولا تھا جب کہ خرمن کا چہرہ اتر گیا تھا۔

”میں نے تمہیں پابند نہیں کیا ہے عارش! تمہیں اختیار ہے تم جو چاہے کرو، ابھی اتنی دیر نہیں ہوئی ہے نہ ہی میں تمہارے گلے کا طوق بنوں گی نہ تمہاری اولاد تمہارے پیروں کی بیڑیاں بنیں گی۔“ اس کے سرد لہجے پر عارش نے بدلتے تاثرات کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ اگلے ہی پل وہ یکدم اٹھ کر خرمن کے مقابل آ گیا تھا۔

''اپنے مشورے تم اپنے پاس رکھو۔'' عارش کا مدھم لہجہ بھڑکتا ہوا تھا۔

''تم میرے گلے کا طوق بن کر مجھے خود سے کیوں باندھے رکھنا چاہو گی؟ کیوں ایسے شخص کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر روکے رکھو گی، جس نے تم پر ہاتھ اٹھا کر دو کوڑی کا کر دیا ہے خود کو، ایک زمانے کی ریاضت کو ایک پل میں مٹی میں ملا کر گرا دیا ہے۔ کھو دی ہے رہی سہی قدر و قیمت۔'' ساکت نظروں سے وہ اس کی سرخ آنکھوں میں دیکھ رہی تھی۔ انگاروں کی طرح دہکتے چہرے کے ساتھ وہ اس کے سامنے سے ہٹ گیا تھا۔ اپنی جگہ رکی خرمن چند لمحوں تک اسے دیکھتی رہی تھی جو صوفے پر بیٹھا جوتے اتار رہا تھا۔ اس لمحے وہ خرمن کو ساری دنیا سے ہی نہیں خود اپنے آپ سے بھی ناراض اور بیزار دکھائی دیا تھا۔ اس پر سے نگاہ ہٹاتی وہ وارڈ روب کی سمت گئی تھی۔ عارش کا ہینگ کیا لباس نکال کر بیڈ پر رکھتی وہ کسی بھی جانب دیکھے بغیر بیڈ روم سے نکل گئی تھی۔

کمرے میں ہی ٹیبل پر وہ کھانے کے لوازمات رکھے اس کی منتظر تھی لیکن اس لمحے اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ جب عارش نے کھانے کے لیے منع کر دیا تھا۔

''تم کھانا کھانے کے بعد لائٹ آف کر دینا۔'' اس کی جانب دیکھے بغیر بولتا وہ ڈریسنگ کے سامنے سے ہٹتا بیڈ کی طرف چلا گیا تھا۔ انداز کچھ ایسا سرد مہر تھا کہ خرمن دوبارہ اسے کھانا کھانے کے لیے نہیں کہہ سکی تھی۔ خاموشی سے اس نے کھانے کے برتن ڈھانپ کر پلیٹیں ایک طرف سمیٹی تھیں اور صوفے سے اٹھ گئی تھی۔ آنکھوں سے ہاتھ ہٹا کر عارش نے اسے دیکھا تھا۔ جو لائٹ آف کرنے کے بعد اب کمرے سے جا رہی تھی چند لمحوں تک وہ بند ہوتے دروازے کو دیکھتا رہا تھا مگر پھر دھیان ہر طرف سے ہٹا کر سونے کی کوشش شروع کی تھی۔

''یہ محبت بھی کیسے عجیب دوراہے پر لے آئی ہے چند لمحوں کے لیے بھی نہ خود سے لاتعلق ہونے دیتی ہے نہ اپنی طرف سے آنکھیں بند کرنے کی اجازت دیتی ہے۔ جتنا اس کے حصار سے نکلنے کی کوشش کی جائے یہ اسی قدر اپنے محور کی جانب کھینچتی ہے۔''

بالآخر بڑھتی بے چینی نے اسے مجبور کر دیا تھا۔ ونڈو کے قریب رک کر اس نے ٹیرس پر نگاہ دوڑائی تھی ایک بار پھر سینے میں درد نے کروٹ بدل کر اپنے ہونے کا شدید احساس دلایا تھا۔

چڑھتے چاند کی مدھم روشنی نے گہری رات کو اپنی آغوش میں سمیٹ رکھا تھا۔ ہلکی ہلکی خنک ہوا میں ٹیرس پر ایک جانب ساکت موجود رات کی رانی کے کھلے پھولوں کی سوگوار سی خوشبو رچی بسی ہر جانب پھیل رہی تھی مگر اس خوشبو میں ان آنسوؤں کی مہک وہ اچھی طرح محسوس کر رہا تھا۔ پنجرے کی سفید جالیوں سے پیشانی ٹکائے وہ عقب میں قدموں کی چاپ سے انجان نہیں رہی تھی۔

''کیا تم اندازہ لگا سکتی ہو اس انسان کی اذیت کا جس نے ایک نایاب پودے کو استطاعت سے باہر ہونے کے باوجود اپنا سب کچھ دان کر کے حاصل کیا، کئی ماہ و سال تک اپنا خون اس پودے کی جڑوں میں پہنچا کر اسے پروان چڑھاتا رہا اور پھر جب وہ پودا ایک دن پھلتے پھولتے شاداب پیڑ میں بدل گیا تو اچانک وہ ایک طوفان کی زد میں آ گیا، گر چکا ہے وہ اس طوفان کی تاب نہ لا کر۔'' سفید جالیوں پر ٹھہرے اس کے ہاتھ میں چمکتے سنہری کنگن پر نگاہ جمائے وہ ٹوٹے لہجے میں بولا تھا۔

''وہ طوفان کی زد میں ضرور آیا تھا مگر وہ پیڑ آج بھی اپنی جگہ مضبوطی سے کھڑا ہے۔'' خرمن کے لرزتے لہجے میں آنسوؤں کی نمی گھلی ہوئی تھی۔

''اس کی جڑیں اتنی کمزور نہیں تھیں جتنی شدت سے تم نے اسے پروان چڑھایا تھا اسی شدت سے اس پر

بھروسہ بھی تو کیا ہوتا۔ ایک بار پلٹ کر تو دیکھا ہوتا۔ کبھی یہ جاننے کی کوشش تو کی ہوتی کہ اسے تم تنہا پروان نہیں چڑھا رہے تھے۔ اس پیڑ کو کوئی طوفان نہیں اکھاڑ سکتا مگر تمہاری مایوسی، تمہاری بے اعتباری نے اس کی شادابی ضرور چھین لی ہے۔'' ساکت نظروں سے وہ اسے دیکھ رہا تھا جو اس کی جانب رخ کر چکی تھی مگر اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی۔

''تمہیں روکنے کے لیے کسی طوق، کسی بیڑی یا زنجیر کی ضرورت نہیں ہے۔ تم پر مجھے ہمیشہ اتنا ہی اعتبار، اتنا ہی یقین رہا ہے، جتنا کہ ہر دن سورج کے طلوع ہونے پر۔ میری غلطیوں کی طرف سے آنکھیں بند کر کے اگر تم اپنے ایک شدید عمل کے لیے خود کو مورد الزام ٹھہراتے ہو تو صرف اس لیے کہ تم مجھ سے محبت کرتے ہو، ہر بار غلطی کرنے کے بعد میرا ایمان اس سچ پر اور مضبوط ہوتا رہا ہے کہ تمہیں کبھی میری غلطیاں میری برائیاں نظر آ ہی نہیں سکتیں۔ میری زبان، میرے لفظوں کی تختی میرے ماضی کی سوغات ہیں مگر میرے دل نے ہمیشہ تمہاری محبت کو اونچے معتبر مقام پر دیکھا۔ دنیا کو زبان سے ادا ہوئے لفظ دکھائی دیتے ہیں مگر تم تو میرے دل کے ہر کونے میں موجود ہو۔ تم سے زیادہ مجھے کون جان سکتا ہے۔

تمہیں میری برائیاں نظر نہیں آ سکتیں مگر ایک بار یہ یقین رکھ کر کہ میرے دل میں تمہارے لیے جو کچھ ہے وہ مجھے بھی تمہاری اچھائیوں کے سوا کچھ اور دیکھنے کی اجازت نہیں دے گا۔ ان جذبوں کو تم نے معتبر نہیں ہونے دیا۔ جس سے محبت ہوتی ہے اس کے لیے اپنی ''انا'' اپنی ''میں'' کو دل کے اندر ہی دفن کر دیا جاتا ہے۔ محبت کا یہ سلیقہ، یہ انداز میں نے تم سے سیکھا ہے۔ مگر میں اب تک تمہیں یہ نہیں سکھا سکی کہ اپنے لیے کسی کی محبت پر اندھا یقین کیسے کیا جاتا ہے۔ شاید کمی مجھ میں ہی تھی۔ میں ہی تمہیں وہ یقین وہ اعتبار نہیں دے سکی جو تم نے مجھے دیا۔'' اس کا لہجہ گھٹا ہوا تھا۔ آنسو پلکوں سے ٹوٹ کر موتیوں کی طرح چہرے پر پھسلتے جا رہے تھے۔ دم بخود عارش کو اپنے دل میں کچھ پگھلتا محسوس ہو رہا تھا۔

''میں تمہیں بتانا چاہتی ہوں کہ میرے دل میں تمہارے لیے جو ہے وہ محبت سے بہت آگے کا جذبہ ہے۔ دھیرے دھیرے اس کا نزول میرے دل پر ہو رہا ہے۔ تمہاری محبت تو جانے کب سے رگوں میں سرائیت کرتی میری روح میں گم شدہ ہو چکی ہے لیکن اب جس طرح دریا، سمندر میں گم ہو کر اس کا ہو جاتا ہے اسی طرح تم آہستہ آہستہ میرے لہو میں لاپتہ ہو رہے ہو۔'' کانپتے لہجے میں بولتے ہوئے اس نے عارش کی جانب نگاہ کی تھی جس کی آنکھیں ہی نہیں دھڑکنیں بھی ساکت ہو رہی تھیں۔

''تمہاری شکایتوں پر لاکھ چاہنے کے باوجود میں تم سے نہیں کہہ سکی مجھے بھی تم سے محبت ہے۔ کیوں کہ جو کچھ میرے دل پر نازل ہو رہا ہے وہ محبت سے بہت آگے کا کچھ ہے۔ میں اسے صرف محبت کا نام نہیں دے سکتی تھی۔'' اس کی آواز حلق میں گھٹ گئی تھی۔ پلک جھپکتے ہوئے عارش نے اس کے چہرے کے گرد ہاتھ رکھے تھے۔

''خرمن! کیا تم یقین کرو گی؟ یہی سب میں جانے کب سے تم سے کہنا چاہتا تھا۔'' کچھ تھا عارش کے مدھم لہجے اور تاثرات میں کہ وہ سن ہو گئی تھی۔

''یہ جو کچھ بھی ہے وہ صرف تمہارے ہی نہیں میرے دل پر بھی نازل ہو رہا ہے۔ تمہاری طرح میں بھی اسے کوئی نام نہیں دے پا رہا تھا۔ مگر اس وقت جو کچھ میں نے تم سے سنا وہ میرے دل کی آواز ہے۔''

''نہیں کروں گی میں یقین۔'' اس کے ہاتھ چہرے سے الگ ہٹاتی وہ سسک اٹھی تھی۔

''کتنی بار میں نے چاہا کہ تم سب کچھ بھول کر صرف میرے پاس میرے قریب رہو، مگر زبان سے کیسے کہتی

صبح سے رات تک تم میرے لیے۔ اپنی اولاد کے بہتر مستقبل کے لیے ہی تو مصروف رہتے ہو۔ دل کو مار کر سمجھوتا کرتی رہی۔ خواہشیں تڑپتی رہیں، باندھ لیے میں نے خود پر بند اگر ایسا نہ کرتی تو تمہارا سانس لینا دوبھر ہو جاتا۔ تم نے ہمیشہ اپنی محبت کو معتبر رکھا کبھی یہ جاننے کی کوشش نہیں کی کہ کتنی بار میں تمہارے لیے تڑپ اٹھی ہوں۔ کتنی بار مجھے تمہارے لیے سسکنا پڑا ہے مگر تم چاہتے تھے کہ میں تڑپتی رہوں۔

تمہاری محبت کا دم بھرتی سمجھوتے کرتی رہوں۔ روتی سسکتی رہوں تمہارے لیے تب جا کر تمہیں میری محبت پر یقین ہوتا۔'' بہتے آنسوؤں کے ساتھ وہ سسکیوں کے درمیان بولتی عارش کی روح کھینچ گئی تھی۔

''ہاں یہ سچ ہے کہ میں اپنے لیے تمہاری آنکھوں میں تڑپ دیکھنا چاہتا تھا۔ وہ آنسو تمہاری آنکھوں میں دیکھنا چاہتا تھا جو خالص میرے لیے ہوتے۔ اپنے لیے محبت کا وہ اعتراف تم سے سننا چاہتا تھا جس اعتراف کی پیاس بڑھتی ہی جا رہی تھی مگر اس لمحے جب تم میرے ان خود غرضانہ چاہتوں کو پورا کر چکی ہو تو ایسا لگ رہا ہے کہ جسم سے روح نکل رہی ہے۔ یہ سب چاہنے سے بہتر تھا کہ میں مر جاتا۔'' اس کا جملہ ادھورا رہ گیا تھا۔ جب خرمن نے تیزی سے اس کے لبوں پر ہاتھ رکھا تھا۔ چند لمحے وہ دھندلائی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی مگر پھر اس کے ہونٹوں سے ہاتھ ہٹا کر وہاں سے جانا چاہا تھا کہ عارش نے سرعت سے اسے شانوں سے تھام کر روکا تھا۔

''جو اعتراف تم نے آج کیا ہے وہ دوبارہ مت کرنا، ورنہ میں دوسری سانس نہیں لے سکوں گا۔ تمہیں اب میرے لیے کوئی سمجھوتہ نہیں کرنا پڑے گا۔ دنیا کے لیے خود پر جو پہرے تم نے لگا رکھے تھے۔ میں ایک ایک کر کے ان کو ہٹا دوں گا۔ میں جانتا ہوں تم میری خطاؤں کو نظر انداز کر سکتی ہو مگر اپنے دل اپنے ضمیر کے سامنے میں جوابدہ ہوں۔ مجھے کچھ وقت لگے گا اپنی خطا کے بوجھ سے نکلنے کے لیے۔ تم سے نظر ملانے کے لیے۔''

''اگر اب بھی تمہارے دل پر بوجھ ہے تو صرف اس لیے کہ تمہیں نہ میرے کسی لفظ پر یقین آیا ہے نہ بھروسہ ہے مجھ پر۔''

''ایسا نہیں ہے خرمن۔''

''ایسا ہی ہے۔'' وہ اس کی بات کاٹ گئی تھی۔

''کیا تم میری کوئی بات نہیں سننا چاہتیں؟'' عارش کے سنجیدہ سوالیہ لہجے پر وہ چند لمحوں تک جلتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی تھی۔

''تمہیں جو کہنا تھا وہ تم کہہ چکے ہو۔ اب اور کیا کسر رہ گئی ہے؟'' تیز لہجے میں بولتی وہ ایک پل بھی اب اس کے سامنے ٹھہرنا نہیں چاہتی تھی۔ عارش نے بھی دوبارہ اسے روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

☆......☆

ہاسپٹل کے ویٹنگ روم میں شور وغل سا مچا ہوا تھا۔ سب سے زیادہ بلند آواز عروسہ کی تھی۔ خوشی ہی ایسی تھی کہ ان سے سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی۔ فون پر منیزہ سے بات کرتی خرمن آوازوں سے بچتی ایک طرف ہٹ گئی تھی۔

''صبح فجر کی اذان پر ہی آپی کی کال آئی تھی۔ وہ بیلا کے پاس ہی رکی ہوئی تھیں۔ میرے تو ہاتھ پیر پھول گئے تھے۔ عثمان یہاں تھا ہی نہیں خدانخواستہ اگر کچھ گڑبڑ ہو جاتی تو عثمان تو میری زندگی جہنم بنا دیتا، اسپتال پہنچنے میں ہم نے بالکل دیر نہیں کی۔ عثمان کو فوراً اطلاع نہیں دی کیوں کہ اسے آج صبح ہی واپس آنا تھا۔ عارش اور فاران اسے ریسیو کرنے ایئرپورٹ پہنچے ہی ہوں گے کہ یہ خوش خبری ملتے ہی ہم سب کی جان میں جان

آئی۔ عثمان جب یہاں پہنچا تو اس کی شکل دیکھنے والی تھی۔ اس کے تو فرشتوں کو بھی خبر نہیں تھی کہ جب وہ واپس آئے گا تو ایک بیٹی کا باپ بن چکا ہوگا۔"

"بیلا تو ٹھیک ہے اور اس کی بیٹی کیسی ہے تم نے دیکھا اسے؟" منیزہ بے قراری سے بولی۔

"نہیں دونوں کو ابھی روم میں شفٹ نہیں کیا گیا کیونکہ دونوں کو بلڈ کی ضرورت تھی اور جانتی ہو فاروق بھائی بلڈ دے کر ابھی آئے ہیں۔ انہوں نے سب سے پہلے عثمان کی بیٹی کو دیکھا ہے۔ میری تو ہمت نہیں ہوئی کہ ان سے یہ پوچھتی کہ بچی کیسی ہے۔ ویسے بہت خوب صورت ہی ہوگی۔ باپ بھی تو کمبخت حسین فتنہ ہے اس کا۔" خرمن کے جلے کٹے لہجے پر منیزہ کھلکھلا کر ہنسی تھی۔

"اچھا! ایک بھی فاران کے ساتھ نہیں ہے۔ تم کہو تو اسے بھیج دوں تمہارے پاس؟"

"خرمن! کسی کو بھی بھیجو مگر جلدی بھیجو۔ میں تو بے قرار ہوئی جا رہی ہوں وہاں آنے کے لیے اور عثمان سے مٹھائی بھی نکلوانی ہے۔"

"اسے تو ابھی اپنا ہوش نہیں ہے۔ البتہ عارش نے مٹھائی کے ٹوکرے منگوا لیے ہیں۔ عثمان تو جب پاگل ہوگا اپنی بیٹی کے لیے تب ہوگا مگر عارش تو اس کی بیٹی کی ولادت کا سن کر ہی خوشی سے پاگل ہو چکا ہے۔"

"تم ہی دیکھ لو اسے بیٹی کی کتنی خواہش ہے۔ زیادہ انتظار میں خوار نہ کروانا بے چارے کو۔" منیزہ کے جتانے والے انداز پر وہ بے ساختہ ہنسی تھی۔

فاروق کی پکار پر وہ ان کے پیچھے ہی باہر کاریڈور میں آیا تھا۔

"تمہارے لیے کال ہے، بات کرلو۔" فاروق نے اپنا فون اس کی طرف بڑھایا تھا اور اسے کوئی سوال کرنے کا موقع دیئے بغیر واپس سب کی 'رف چلے گئے تھے۔ دوسری جانب سے ابھرتی آواز نے عثمان کو سب کچھ جیسے بھلا دیا تھا۔ اتنا وقت گزر جانے کے بعد ایسے اجالا افروز لمحات میں اپنے باپ کی آواز سننا اسے جذباتی کر گیا تھا۔ ابھی اس نے اپنی بیٹی کا چہرہ بھی نہیں دیکھا تھا مگر باپ بننے کے بعد اسے اپنے باپ کی قدر و اہمیت کا شدید احساس ہوا تھا۔ یہ انکشاف ہوا تھا کہ وہ ان سے کتنی محبت کرتا ہے۔ ان کی آواز سنتے ہی اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں۔

پلٹ کر اس نے اپنی طرف آتے فاروق کو دیکھا تھا اور خاموشی سے فون ان کے حوالے کیا تھا۔

"خوش ہو بیٹی کے لیے؟" فاروق نے پوچھا تھا۔

"میں اتنا خوش ہوں کہ کوئی اس خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتا۔" وہ جھینپے انداز میں بولا تھا۔

"آپ اس کے کان میں اذان دیں گے۔"

"ہاں بالکل تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔" فاروق ہلکا سا مسکرائے تھے۔

"اور...... بیلا......؟" عثمان جھجک کر رکا تھا۔

"اسے میری ضرورت نہیں ہے۔" ان کے سرد لہجے پر عثمان کچھ بول نہیں سکا تھا۔

☆......☆

لان میں ہی ہشام قزلباش عشاء کی نماز کی ادائیگی میں مصروف تھے جب کہ عون کو سنبھالے صبیحہ وہیں کرسیوں پر براجمان عارش سے باتوں میں مصروف تھیں۔ وہ انسٹیٹیوٹ سے سیدھا یہیں آیا تھا۔ خرمن کو پک کرنے آج وہ ہارون کی شادی کا انویٹیشن لے کر ہارون اور ایبک کے ہمراہ ریڈیو اسٹیشن گئی ہوئی تھی۔

"عارش! تم جانتے ہو ایبک بہت ضد کر رہا ہے۔ ہارون کی شادی تک خرمن کو یہاں روکنے کے لیے بلکہ ہم سب بھی یہی چاہتے ہیں مگر پتا نہیں کیوں مجھے عجیب وہم ستا رہے ہیں ہارون کی شادی سے زیادہ خرمن کو دیکھنے اور ملنے کا تجسس رشتے داروں کو یہاں کھینچ کر لا رہا ہے اور میں نہیں چاہتی کہ خرمن کسی کی نظروں میں آئے۔ جیسے جیسے شادی کے دن قریب آ رہے ہیں میرا خوف بڑھ رہا ہے۔ یہی دھڑکا لگا رہتا ہے کہ اب اگر ہماری خوشیوں کو کوئی بدنظر لگ گئی تو...... میں یہ چاہتی ہوں کہ خرمن شادی کے موقع پر ہی سب سے ملے تم فاطمہ اور احمد بھائی اس کے ساتھ موجود ہو گے تو میرے دل کو ڈھارس ملتی رہے گی۔" صبیحہ کچھ اضطراب میں خدشات سے آگاہ کر گئی تھیں۔

"میں خرمن کے لیے آپ کے جذبات اور احتیاط کو سمجھ سکتا ہوں۔ آپ کو اس کے لیے جو بہتر لگتا ہے وہ کیجیے۔" عارش نے ان کو مطمئن کیا تھا۔

"عارش! ابھی مجھے موقع ملا ہے تو تم سے پوچھ رہی ہوں کہ کیا تمہارے اور خرمن کے درمیان کوئی ناراضی ہے یا اس سے کوئی غلطی ہوئی ہے۔" صبیحہ کے اچانک سوال پر وہ چونک اٹھا تھا۔

"آج وہ مجھے کچھ پریشان نظر آ رہی تھی۔ میرے بہت پوچھنے پر اس نے بس یہ کہا کہ وہ کوشش کے باوجود نہ ایک اچھی بیوی بن پا رہی ہے اور نہ ہی ایک اچھی ماں۔ وہ ایسا کیوں سوچ رہی ہے؟ کب سے ایسا سوچ رہی ہے کچھ بتا ہی نہیں رہی، تم سے اس لیے ذکر کیا کہ مجھے یقین ہے کہ تم شاید کوئی وجہ جانتے ہو۔" بغور اس کے سنجیدہ ہوتے تاثرات دیکھتیں صبیحہ پوچھ رہی تھیں۔

"اس نے بہت غلط بیانی سے کام لیا ہے وہ جس قدر ایک اچھی بیوی ہے اسی قدر ایک بہت اچھی ماں ہے اپنے بیٹے کے لیے وہ آپ کا خون ہے۔ مامی کی روح کا حصہ ہے۔ اسے اپنے منصب بخوبی سنبھالنے آتے ہیں۔ دراصل مامی کبھی اگر اسے میرے یا عون کے کسی معاملے میں ٹوک دیں تو اس کا موڈ خراب ہو جاتا ہے شاید آج اسی موڈ میں وہ آپ سے یہ سب کہہ گئی ورنہ ہمارے درمیان کوئی ناراضی نہیں آپ بالکل اطمینان رکھیں۔"

"یہ اچھی بات ہے مگر تم اس کی ذرا خبر لینا۔ بلاوجہ میں تم دونوں کے لیے پریشان ہوتی رہی ہوں۔" صبیحہ کے کہنے پر وہ مسکراتے ہوئے ہشام قزلباش کی طرف متوجہ ہوا تھا جو نماز سے فارغ ہو کر اسی جانب آ رہے تھے۔

☆......☆

ٹیرس کے چکر لگاتا وہ بار بار رسٹ واچ پر نگاہ ڈالتا جا رہا تھا۔ خرمن نے ابھی پھر کال کر کے اسے دھمکی دی تھی کہ منیزہ کو برتھ ڈے وش کرنے والا وہ پہلا شخص ہونا چاہیے۔ خرمن کی ہدایت پر ہی اس نے کیک، فلاورز اور وشنگ کارڈ ایبک کے ذریعے منیزہ کی طرف روانہ کر دیئے تھے۔ اب وہ شدت سے منتظر تھا۔ منیزہ کی آواز سننے کے لیے اسے یقین سا تھا کہ آج وہ اس کی کال اگنور نہیں کرے گی۔ احساس ندامت کے علاوہ بھی بہت کچھ تھا جو اسے مجبور کر رہا تھا کہ بس اب ہر حال میں منیزہ کو راضی کرنا ہے ازالہ کرنا ہے اس زیادتی کا جس کا وہ مرتکب ہوا تھا۔

"ہیپی برتھ ڈے منیزہ۔" کال ریسیو ہوتے ہی وہ بول اٹھا تھا۔

"جانتی ہو میرے لیے اس جملے میں سب سے خوب صورت چیز کیا ہے؟" اس کی خاموشی پر وہ بولا تھا۔

"تمہارا نام! میری یہ دل سے خواہش ہے دعا ہے کہ تمہاری زندگی میں آنے والا ہر دن ایک نئی خوشی لے کر آئے، میں ہمیشہ تمہیں مسکراتا اور خوش دیکھنا چاہتا ہوں صرف اس لیے نہیں کہ تمہارے ذریعے میں کچھ خوب

صورت جذبوں سے متعارف ہوا ہوں۔ نہ صرف اس لیے کہ تم ایک بہت اچھی انسان ہو میں تمہیں خوش اس لیے دیکھنا چاہتا ہوں کیونکہ میں تمہیں چاہتا ہوں اور جسے چاہا جاتا ہے اس کے چہرے پر اپنے حصے کی مسکراہٹیں بھی سجا دینے کا دل چاہتا ہے۔'' گھمبیر لہجے میں بولتا وہ ایک پل کے لیے منیزہ کی دھڑکنوں کو روک گیا تھا۔

''آپ نے جو فلاورز کارڈ اور کیک بھیجا اس کے لیے بہت شکریہ اور اس کے لیے بھی جو کچھ آپ نے کہا۔'' منیزہ کا لہجہ نارمل تھا۔

''میں نے تو اور بھی بہت کچھ کہا ہے تمہیں۔ اس وقت وہ سب یاد دلا کر مزید نادم کرنا چاہتی ہو؟'' ہارون کے گہرے لہجے پر وہ چپ رہی تھی۔

''تم جانتی ہو۔ شادی میں کتنا کم وقت رہ گیا ہے؟''

''جی ہاں آپ سے زیادہ مجھے اس چیز کا افسوس ہے۔'' منیزہ کا سپاٹ لہجہ اسے چند لمحوں کے لیے خاموش کر گیا تھا۔

''میں نے کتنی بار تم سے ملنا چاہا مگر تم نے خرمن کو انکار کر دیا اس چیز کے لیے فون پر تم مجھے سننا نہیں چاہتیں۔ ہر بار میرے لیے یقین کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ تم میرے لیے بھی اتنی بے رحم ہو سکتی ہو۔'' وہ بجھے لہجے میں بولا تھا۔

''بے رحمی کے مظاہرے کرنے کا حق کیا صرف آپ کے پاس ہے؟'' منیزہ کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

''منزہ! میری غلطیاں کیا اس جذبے سے زیادہ طاقت ور ہیں جو جذبہ ہمارے درمیان ہے؟''

''آپ سوال پر سوال کرتے رہیں مگر میں جواب دینے کی پابند نہیں ہوں۔'' وہ سرد مہری سے بولی تھی۔

''اتنا غصہ...... اتنی بے رخی منیزہ...... میں اس منیزہ کو ڈھونڈ رہا ہوں جس کے لہجے میں میرے لیے اجنبیت نہیں ہوتی تھی جس کا خیال میرے لیے ٹھنڈی چھاؤں جیسا تھا۔ میں آنے والے وقت کو اپنی ندامتوں کی نذر نہیں کرنا چاہتا نہ ہی اب کسی طور خود غرضی کا ثبوت دے سکتا ہوں۔ خرمن یا عارش کے لیے ہی سہی تم نے مجھے قبول کرنے سے انکار نہیں کیا لیکن آج میں کہتا ہوں کہ جو تمہارا دل کہتا ہے وہی کرو۔ خود پر جبر نہ کرو۔ یقین کرو کہ میں تم پر کوئی آنچ نہیں آنے دوں گا۔ شاید اس کے بعد میں تمہاری نظر میں پہلے جیسا نہیں مگر تھوڑا بہت مقام تو حاصل کر سکوں گا اگر تمہیں تھوڑا سا بھروسہ بھی ہے مجھ پر تو مجھے اپنی رضا بتا دو، تم چاہو گی تو ہر الزام اپنے سر لے کر میں خود اپنا راستہ الگ کر لوں گا۔'' ہارون کے گہرے مدھم لہجے میں کچھ ٹوٹا ہوا سا تھا۔

''تعلق بنانا، بگاڑنا، بگاڑ کر پھر بنانا شاید آپ کے لیے بہت آسان ہے ہارون، آپ نے زندگی کے بہت سخت اور دشوار مراحل طے کیے ہیں بہت ہمت ہے آپ کے پاس بہت مضبوط ہیں آپ مگر میرے اعصاب اس حد تک مضبوط نہیں ہیں۔ آپ کو لگتا ہے کہ یہ میرا غصہ، یہ بے رخی ہے جسے میں اپنی تسکین کے لیے آپ کو تکلیف دینے کی خاطر استعمال کر رہی ہوں مگر یہ سچ نہیں ہے سچ تو یہ ہے کہ اگر آپ کا میں سامنا نہیں کرنا چاہتی آپ سے بات کرنے کا حوصلہ میں خود میں نہیں پاتی، تو صرف اس لیے کہ میں آج بھی صدمے میں ہوں۔ آپ میرے لیے وہ مسیحا تھے کہ جسے دیکھ کر ہی میری ساری تکلیفیں، پریشانیاں دور ہو جایا کرتی تھیں۔ وہ مسیحا جو اپنے لہجے کی تاثیر سے ہی رگوں میں نئی زندگی دوڑا دیتا تھا۔ اس مسیحا نے جب نظریں پھیریں تو میری روح تک بکھر گئی۔ اس وقت میرے لیے بھی یقین کرنا مشکل تھا کہ وہ آپ ہی تھے جس تک میں اپنی انا

کو کچل کر خود گئی تھی اور خالی ہاتھ واپس آئی تھی۔'' لرزتے لہجے میں وہ بولتی جا رہی تھی۔

''میں نے خرمن یا عارش کے لیے آپ کے ساتھ زندگی گزارنے کا فیصلہ نہیں کیا ہے۔ ہر چیز کے باوجود یہ فیصلہ میں نے اپنے لیے اپنے دل کے لیے لیا ہے جو میری ایک نہیں سنتا جو آج بھی آپ کو اپنا مسیحا مانتا ہے۔ آپ نے جن وجوہات کی بنا پر وہ سلوک کیا جن غلط فہمیوں کا آپ شکار رہے۔ میں اس سب کو سمجھ سکتی ہوں مگر تکلیف اس بات کی ہے کہ ایسی کوئی وجہ بھی ہو سکتی ہے جس کے لیے آپ مجھ سے قطع تعلق ہو سکتے ہیں۔ نگاہیں بدل سکتے ہیں۔ آپ کے لہجے کی شرمندگی، آپ کی ندامت مجھے بے چین رکھتی ہے۔ آپ کی معذرتیں ہر بار مجھے اذیت سے دوچار کرتی ہیں کیونکہ ہر سچ کے باوجود آپ میری نظروں میں آج بھی بلند ہیں۔ آج بھی میرے دل کے اسی مقام پر ہیں جہاں آپ کے علاوہ کبھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں آج یہ اعتراف کرنے پر اس لیے مجبور ہوئی ہوں کیوں کہ میں بار بار آپ کو اپنے سامنے جھکتا نہیں دیکھ سکتی۔ بس اتنا اور کہنا چاہتی ہوں کہ یاد رکھیے گا آپ میری مجبوری ضرور ہو سکتے ہیں مگر کمزوری نہیں۔'' لہجے کی نمی بمشکل چھپاتی وہ خاموش ہو گئی تھی۔

''لیکن تم میری کمزوری ضرور بن چکی ہو۔'' وہ گہرے لہجے میں بولا تھا۔

''پتا نہیں کیوں میری ذات سے ان ہی انسانوں کو صدمے پہنچتے ہیں جن سے میں اپنی زندگی سے زیادہ محبت رکھتا ہوں۔ سمجھ نہیں آتا کہ میں نے خود پر ظلم کیا ہے یا تم پر۔ وہ سب جو بھی تھا لیکن آج میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ زندگی کے کسی بھی موڑ پر میں اپنے اور تمہارے درمیان ایسی کسی وجہ کو نہیں آنے دوں گا جو تمہارے لیے تکلیف کا سبب بنے۔ میرا رب میرے دل کا حال جانتا ہے۔ وہی میرا اعتبار تمہارے دل میں دوبارہ قائم کرے گا۔'' وہ پر یقین لہجے میں اس سے مخاطب تھا جو بالکل خاموش تھی۔

جو بھاگتے بھاگتے تھک جائیں
وہ سائے رک بھی سکتے ہیں
چلو توڑو قسم اقرار کر لیں
ہم دونوں جھک بھی سکتے ہیں

بہت کچھ تھا ہارون کے سحر انگیز گھمبیر لہجے میں وہ جانتی تھی کہ اس سحر سے وہ کبھی نہیں نکل سکتی۔

''کل کا دن بہت اچھے سے گزارنا، خوش رہنا، کوئی تمہاری مسکراہٹوں کی خوشبوؤں کا منتظر رہے گا۔'' اس کا دل کش لہجہ منیزہ کے دل کو چھو کر گزرا تھا۔

''اب روبرو آؤ گی تو جو چاہے سزا سنا دینا میں قبول کروں گا پھر شاید میں بھی تمہیں سمجھا سکوں کہ تم میرے لیے کیا ہو۔ اب اجازت؟ ریڈیو پہنچنا ہے مجھے۔''

''تھینکس فار ایوری تھنگ۔'' وہ بولی تھی۔

''اتنا فارمل ہونے کی ضرورت نہیں محترمہ! ویسے مجھے پتا ہے تم لیٹ نائٹ تک میرا شو سننے والی ہو۔''

''بالکل نہیں۔ آپ کو سننے والے بہت ہیں مجھے ضرورت نہیں۔'' وہ خفت زدہ لہجے میں بولی تھی۔

''اچھی بات ہے مگر سچ تو سچ ہے۔'' وہ بولا تھا۔

وہ لائن ڈسکنیکٹ کر گئی تھی۔

(جاری ہے)

ملاقات

معروف نعت خواں

قاری محمد عثمان غنی قادری



"میں نے الحمد تا والناس جب کھول کر قرآن دیکھا
تا بہ الحمد والناس میں نے محمدؐ کا ثناء خواب دیکھا"

آج ہم آپ کی ملاقات خوب صورت اور دل آویز آواز کے مالک ثناء خوان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے کروانے لگے ہیں جو سحر انگیز شخصیت ہونے کے ساتھ باکردار اور با اخلاق ہیں۔ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح سرائی بلاشبہ اعلیٰ ترین اعزاز ہے۔ قادری محمد عثمان غنی قادری اپنے ہم عصر نعت خوانوں میں منفرد شناخت رکھتے ہیں۔ اپنی بے بہا مصروفیت میں سے انہوں نے ہمارے لیے وقت نکالا ہم تہہ دل سے مشکور ہیں۔

☆السلام علیکم رحمۃ اللہ وبرکاتہ! کیا حال ہے آپ کا؟
وعلیکم السلام، الحمدللہ میں بالکل ٹھیک ہوں۔
☆آپ کی تاریخ پیدائش/جائے سکونت؟
6 نومبر 1986ء، سرائے عالمگیر (گجرات)
☆آپ کا اسٹار؟
اسکارپیو ہوں۔
☆بہن بھائیوں میں آپ کا نمبر؟
پہلا نمبر ہے۔
☆پہلا البم کون سا تھا؟ نعت خوانی کا باقاعدہ آغاز کب کیا؟
بچپن ہی سے نعت خوانی کا شوق تھا۔ پہلا البم "یا محمدؐ میں تیرا دیوانہ" ہیرا پروڈکشن سے، دوسرا البم اے آر وائی اور کیو ٹی وی سے ریلیز ہوا۔
☆کون سا البم وجہ شہرت بنا؟ نیا البم کب آرہا ہے؟
چوتھا البم وجہ شہرت بنا۔ "آیا رمضان" اور نیو البم بہت جلد ماہِ رمضان میں آرہا ہے۔
☆اب تک کتنے البمز ریلیز ہو چکے ہیں؟
اب تک نو البمز ریلیز ہو چکے ہیں۔
☆اپنے اساتذہ کے متعلق کچھ بتائیے۔
تجوید قرأت کے استاد قاری امجد علی قادری ہیں اور نعت خوانی خود ہی سیکھی۔ خدا کی طرف سے عطا کردہ خاص تحفہ ہے۔
☆ہم عصر نعت خوانوں میں کس سے متاثر ہیں؟
سید فصیح الدین سہروردی۔
☆نعت خوانی کے لیے کس صلاحیت کا ہونا ضروری ہے؟
صلاحیت خود بخود پیدا ہو جاتی ہے اگر انسان محنت کرے ویسے اچھی پر اثر آواز اور عشقِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کا دل میں ہونا لازمی ہے۔
☆نعت خوانی کے علاوہ دیگر مصروفیات کیا ہیں؟
میں سوفٹ ویئر انجینئر ہوں۔ اس کے علاوہ ذاتی قائم کردہ اسٹوڈیو حضرت حسان بن ثابتؓ کی

نسبت سے ایچ ڈی ایس پاکستان ہے۔
☆لوگ عزت اور محبت دیتے ہیں تو کیسا لگتا ہے؟
بہت اچھا لگتا ہے اور اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے مجھے یہ مقام اور عزت بخشی۔
☆مزاجاً کیسے ہیں؟
سنجیدہ مزاج ہوں۔
☆کسی کے خلوص کا جواب کیسے دیتے ہیں؟
جی خلوص سے۔
☆غصہ آتا ہے؟ غصے کا اظہار کیسے کرتے ہیں؟
بہت آتا ہے ازیادہ تر خاموشی اختیار کر لیتا ہوں۔
☆اپنے آپ کو بیان کریں؟
صاف گو اور نرم دل و حساس۔
☆آپ اپنے گزرے کل، آج اور آنے والے کل کو کیسے ایک لفظ میں واضح کریں گے؟
اپنے رب پر توکل اور اچھی امید سے۔
☆آپ کے نزدیک دولت کی اہمیت؟
آزمائش۔
☆آپ کی پسندیدہ شخصیت؟
حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ۔
☆اپنی کامیابیوں میں کسے حصہ دار ٹھہراتے ہیں؟
والدین کی دعاؤں کو۔
☆کون سی چیز متاثر کرتی ہے؟
اچھا رویہ۔
☆کیا آپ معاف کر دیتے ہیں؟
جی ہاں۔
☆آپ کی طاقت؟
پاک پروردگار کی ذات پر کامل یقین۔
☆متاثر کن کتاب؟
قرآنِ کریم جو ایک انسان نہیں بلکہ پوری اقوام عالم کے لیے ضابطۂ حیات ہے۔
☆آپ کا اثاثہ؟
اچھی یادیں۔
☆خوشی کا لمحہ؟
خوشی ہوئی تھی جب اپنی بہن مون کے پاس سرگودھا آیا تھا جہاں مجھے ماں باپ، بہن بھائیوں سب کا بہت پیار ملا جو میں بھول نہیں سکتا۔
☆کون سی بات موڈ آف کر دیتی ہے؟
جب کوئی مجھ سے جھوٹ بولے۔
☆پسند ناپسند کے متعلق بتائیے۔
کھانے میں مجھے کدو پسند ہیں ویسے بھی کچھ کھا لیتا ہوں۔ خوشبو گلاب کی پسند ہے رنگ نیلا پسند ہے۔ لباس میں قمیص شلوار۔
☆اپنی عادت جو بدلنا چاہتے ہیں؟
اعتبار کر لیتا ہوں جلدی جو بعض اوقات سود مند اور بعض اوقات نقصان کا باعث بنتا ہے۔
☆شریکِ سفر کے بارے میں بتائیے کیسی ہو؟
بس نیک سیرت ہو۔
☆آپ کی عزیز ترین ہستیاں؟
والدین، اساتذہ اور میرے پیر و مرشد۔
☆محبت آپ کی نظر میں؟
صرف آقا علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ہونی چاہیے۔
☆آپ کی خواہش؟ پسندیدہ کلام؟
زیارتِ روضہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم
بخشش کا میری دوستو ساماں ہو گیا
دعا ہے اللہ پاک اپنی بارگاہ میں مقبول رکھے اور مجھے اتنا عطا کرے کہ میں غریبوں، مسکینوں کے کام آسکوں۔
☆قارئین کے لیے پیغام؟
اتباعِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی سنتوں کو اپنائیں۔ رشتوں کی قدر کریں۔
☆آپ کا شکریہ، آپ نے اپنے قیمتی وقت سے چند لمحے ہمارے نام کیے، اللہ حافظ۔
جزاک اللہ، خدا حافظ۔

اللہ قادری عثمان غنی کو اپنے ارادوں میں کامیاب کرے، آمین قارئین اکرام اپنی آراء سے ضرور نوازیں۔

ردا کی ڈائری

ریما نور رضوان کی ڈائری سے

نا معلوم شاعر کی نظم

کیسے بتاؤں تم میرے لیے
کون ہو
تم دھڑکنوں کا گیت ہو
تم جیون کا سنگیت ہو
تم زندگی، تم روشنی
تم تازگی، تم ہر خوشی
تم پیار ہو، تم پریت ہو
تم میرے من میت ہو
آنکھوں میں تم، یادوں میں تم
سانسوں میں تم، آہوں میں تم
نیندوں میں تم، خوابوں میں تم
تم ہو میری ہر بات میں
تم ہو میرے دن رات میں
تم صبح میں، تم شام میں
میرے لیے پانا بھی تم
میرے لیے کھونا بھی تم
میرے لیے ہنسنا بھی تم
میرے لیے رونا بھی تم
کیسے کہوں
کیسے بتاؤں میرے لیے
تم کون ہو!

کرن ناز کی ڈائری سے

محسن نقوی کی ایک خوب صورت غزل

ہم جگنو تھے ہم تتلی تھے ہم رنگ برنگے پنچھی تھے
کچھ ماہ و سال کی جنت میں ماں ہم دونوں بھی ساتھی تھے
میں چھوٹا سا اک بچہ تھا تیری انگلی تھام کے چلتا تھا
تو دور نظر سے ہوتی تھی میں آنسو آنسو روتا تھا
اک خوابوں کا روشن بستہ تو روز مجھے پہناتی تھی
جب ڈرتا تھا میں راتوں کو تو اپنے ساتھ سلاتی تھی
ماں تو نے کتنے برسوں تک اس پھول کو سینچا ہاتھوں سے
زندگی کے گہرے بھیدوں کو میں سمجھا تیری باتوں سے
میں تیرے ہاتھ کے تکیے پر اب بھی رات کو سوتا ہوں
ماں میں اک چھوٹا سا بچہ ہوں تری یاد میں اب بھی روتا ہوں

شہلا گل سحر صالح کی ڈائری سے

ایک نظم

تم مجھ کو بھول جانا
تمہاری آنکھیں جو مجھے کائنات کی
ہر چیز سے پیاری ہیں
ان خوب صورت آنکھوں سے میری
تصویر ہٹا دینا
تم میری یاد میں اشک مت بہانا
تم مجھ کو بھول جانا
اپنے دل کی سلیٹ سے
میرا نام مٹا دینا
میرا ہر خط میرا تحفہ
کہیں چھپا دینا
رسالوں کتابوں اور
موسیقی سے دل بہلانا
بس تم مجھ کو بھول جانا
میری یاد کو دفنا دینا
اپنے دل کو سمجھا دینا
تصور میں آؤں تو کسی
کام میں گم ہو جانا
مجھے تم بس بھول جانا

مہ جبین بلال کی ڈائری سے

محسن نقوی کی غزل

پتھر ہی لگیں گے ہر سمت سے آکر
یہ جھوٹ کی دنیا ہے یہاں سچ نہ کہا کر
اپنے ہی شب و روز میں مصروف رہا کر
ہم لوگ برے ہیں ہم سے نہ ملا کر
مٹی کا پیالہ بھی نہیں اپنے گھروں میں
خیرات میں چاندی کا تقاضا نہ کیا کر
تیرا پیار میرے نصیب میں لکھا ہی نہیں ہے
اب چھوڑ دے ہاتھوں کی لکیریں نہ پڑھا کر
ہر وقت کا ہنسنا تجھے برباد نہ کر دے
تنہائی کے لمحات میں کبھی رو بھی لیا کر

نادیہ الطاف کی ڈائری سے

ڈاکٹر نجمہ شاہین کھوسہ کی نظم

لباس تن سے اتار دینا
کسی کو بانہوں کے ہار دینا
پھر اس کے جذبوں کو مار دینا
اگر محبت یہی ہے جاناں تو معاف کرنا مجھے نہیں ہے
گناہ کرنے کا سوچ لینا
حسین پریاں دبوچ لینا
پھر ان کے جسموں کو نوچ لینا
اگر محبت یہی ہے جاناں تو معاف کرنا مجھے نہیں ہے
کسی کو لفظوں کے جال دینا
کسی کے جذبوں کی داد دینا
پھر اس کی عزت اچھال دینا
اگر محبت یہی ہے جاناں تو معاف کرنا مجھے نہیں ہے
اندھیری نگری میں چلتے رہنا
حسین کلیاں مسلتے رہنا
اور اپنی فطرت پر مسکرانا
اگر محبت یہی ہے جاناں تو وہ معاف کرنا مجھے نہیں ہے

بتول امتیاز کی ڈائری سے

نوشی گیلانی کی ایک خوب صورت غزل

ہونٹوں پر محبت کے فسانے نہیں جاتے
ساحل پر سمندر کے خزانے نہیں آتے
پلکیں بھی چمک اٹھتی ہیں سوتے میں ہماری
آنکھوں کو ابھی خواب چھپانے نہیں آتے
دل اجڑے ہوئے ایک صحرا کی طرح ہے
اب لوگ یہاں رات جگانے نہیں آتے
یارو نئے موسم نے یہ احسان کیا ہے
اب یاد ہمیں درد پرانے نہیں آتے
اڑنے دو پرندوں کو ابھی شوخ ہوا میں
پھر لوٹ کے بچپن کے زمانے نہیں آتے
اس شہر کے بادل تیری زلفوں کی طرح ہیں
یہ آگ لگاتے ہیں بجھانے نہیں آتے

......☆......

اشعار

مریم ماہِ منیر..........لاہور

میری آرزو، خواہش، طلب تجھ سے ہے
میری روح زندگی بھی فقط تجھ سے ہے
تیرے سنگ رہنے کی آرزو شدت
میری خوشیوں کا نام فقط تجھ سے

سباس گل..........رحیم یار خان

زندگی کی بساط اُلٹنے تک
زندگی کو بساط بھر جی لو

فرزانہ شوکت.......... کراچی

نہ تھا مسئلہ کسی جیت کا نہ ہی ہار کی کوئی بات تھی
تیرے اعتبار کا معاملہ تیرے اختیار کی بات تھی
کوئی جستجو بھی نہ رہی مگر اب سکون بھی نہ رہا
وہ جو بے قراری دے گئی وہی تو قرار کی بات تھی

ریمانور رضوان.......... کراچی

کتابوں کی طرح بہت سے الفاظ نہیں مجھ میں
پر کتابوں کی طرح ہی میں خاموش رہتی ہوں

راؤ تہذیب حسین تہذیب..........رحیم یار خان

جب یہ دنیا میری نیندوں کو اُڑا دیتی ہے
ماں مجھے لوریاں دے دے کے سُلا دیتی ہے

سعدیہ اقبال.......... کراچی

چوڑیاں پہنوں گی، مہندی بھی لگاؤں گی
شفق کے رنگ سارے چہرے پر سجاؤں گی
اب تمہارے لوٹ آنے پر سجنا
میں دل و جان سے سج کر عید مناؤں گی

حمیرا قریشی..........لاہور

تیرے در تو کیا تیرے شہر بھی لوٹ کر نہیں آنا
یہ عہد دل مضطر نے سلگتی سانسوں سے باندھا

مینا..........لیہ

سرد موسم میں بہت یاد آتے ہیں
دھند میں لپٹے ہوئے وعدے تیرے

شائقہ..........لیہ

آج ہی مٹ گئے تو کیا ہوا اے ارضِ وطن
کل جوان ہو کر بھی ہونا تھا تیرے لیے ہی قربان

نادیہ..........لیہ

ضبط گریا نے مجھے تھام تو رکھا ہے مگر
مجھ سے تاوان میں آنکھوں کی جلن مانگتا ہے

بختاور..........لیہ

روتی آنکھوں سے کھڑی دیکھ رہی ہے ماں
آج تو آئے گا میرا بچہ اسکول سے پڑھ کر

ثریا..........لیہ

وہ اچھا ہے تو بہت برا ہے تو بھی قبول
مزاجِ عشق میں محسن عیب یار نہیں دیکھے جاتے

شہر بانو..........لیہ

اس کی یاد جیسے دسمبر کی سردی محسن
بس بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے

شبانہ زبیر..........لیہ

روشِ قہر پہ گر چپ رہے یہ ارض و سما محسن
تو کسی روز یہ بے رنگ خلا بولے گا

......☆......

اس ماہ میں

اس ماہ کی نظم

زندگی کا ہر سال یوں ہی گزرے گا
جھونکا ہوا کا جیسے پاس سے گزرے گا
کلینڈر پر نظر پڑے گی سرسری
کیا یہ جنوری ہے یا فروری
مارچ اپریل گزریں گے یادوں میں
مئی جون گزریں گے چاند راتوں میں
جولائی اگست بڑی غمگین ہوگی
اپنے لیے ہر رات بڑی سنگین ہوگی
ستمبر اکتوبر بھی ہائے کم نہ ہوگا
تنہائیوں کی محفل، یادوں کا غم ہوگا
نومبر دسمبر کو دل اور چلے گا
ایسے میں بھلا کون ساتھ چلے گا

صبا سحر۔ ہارون آباد

اس ماہ کی کرنیں

☆ سچائی کی مشعل جہاں بھی دکھائی دے اس سے فائدہ اٹھاؤ۔ یہ نہ دیکھو کہ مشعل بردار کون ہے۔

☆ چیلنج اس لیے نہ کرو کہ تم میں غرور پیدا ہو بلکہ اس لیے کرو کہ تم میں عزم پیدا ہو۔

☆ زندگی ایک ہیرا ہے۔ جس کو تراشنا خود انسان کا کام ہے۔

☆ قہقہہ دراصل وہ ہے جو آنسوؤں کے سمندر میں تیرتا ہوا ہونٹوں تک آئے۔

☆ کسی چیز کے ظاہر کو دیکھ کر یہ سوچنا کہ اس کا باطن بھی اچھا ہوگا غلط ہے۔ کیونکہ کپاس جو بہ ظاہر تو نرم ہوتا ہے مگر اس میں نکلنے والا بیج بہت سخت ہوتا ہے۔

☆ محبت ہمیشہ اپنی گہرائیوں سے بے خبر اور نا آشنا رہتی ہے جب تک جدائی کے لمحے اسے بیدار نہ کریں۔

☆ بزدل کے پاس خواہ کتنا بڑا ہتھیار ہو، وقت آنے پر وہ استعمال نہیں کر سکتا۔ مگر بہادر بے دست وپا بھی میدان فتح کر سکتا ہے۔

☆ زندگی میں ہر خواہش پوری نہیں ہوتی مگر بعض چیزیں بغیر خواہش کے بھی مل جاتی ہیں۔

☆ کچھ تعلق انا سے ٹوٹ جاتے ہیں لیکن کچھ رشتوں کو قائم رکھنے کے لیے انا ضروری ہے۔

☆ جو شخص خوش ہونا نہیں جانتا وہ کسی کو بھی خوش نہیں کر سکتا۔

☆ حملہ آور دشمن سے زیادہ خوشامدی دوست سے ڈرنا چاہیے۔

☆ انسان کے تخیل اور خواہشات کے درمیان کافی فاصلہ ہے اور یہ فاصلہ صرف آرزو ہی پورا کر سکتی ہے۔

☆ کانٹوں سے ڈرنے والی انگلیاں پھولوں کی نرمی کو محسوس نہیں کر سکتیں۔

☆ توبہ جب منظور ہوتی ہے یادِ گناہ بھی مٹ جاتی ہے۔

☆ کسی سے محبت اور نفرت کرنے کے لیے پہلے

اس کے وجود کو ماننا ضروری ہے۔

☆رشتے ضرورتوں سے نہیں پہچانے جاتے یہ نہ ضرورتوں سے بنتے ہیں اور نہ ضرورتوں کی تکمیل سے جڑے رہتے ہیں محبت اور خدمت نہ ہو تو ایسی کوئی ایلفی ایجاد نہیں ہوئی جو کسی رشتے کو جوڑ سکے۔

عانیہ نیازی۔ ربوہ

اس ماہ کا اقتباس

چھوٹا منہ بڑی بات

دعا کے بارے میں مجھے یہ کامل یقین ہے کہ خلوص دل سے نکلی ہوئی دعا ہمیشہ قبول ہوتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ قبولیت انسان کی مرضی کے مطابق ہو یا اللہ کی رضا کے مطابق ہو جو خوش قسمت لوگ اپنی خواہشات اور مرضی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع رکھنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں ان کے نزدیک دونوں صورتیں برابر ہوتی ہیں اگر ان کی دعا ان کی اپنی خواہش کے مطابق پوری ہو جائے تو وہ اس نعمت پر سجدہ شکر بجالاتے ہیں اور اگر ان کی خواہش کے مطابق پوری نہ ہو تو وہ اسے بھی خدا کی رضا کے مطابق قبولیت ہی سمجھتے ہیں اور اس کے سامنے بصد سرخوشی سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ عبدیت کی یہ شان ہے اگر مستحکم ہو کر ترقی پاتی رہے تو رفتہ رفتہ انسان کی رسائی کسی حد تک مقام مرادیت تک بھی ممکن ہو سکتی ہے۔

قدرت اللہ شہاب کی ''شہاب نامہ'' سے اقتباس

انتخاب: نوشین مدثر۔ لاہور

اس ماہ میں

اذان اور موذن کی فضیلت

اذان و اقامت بظاہر نماز کے وقت کا اعلان اور نماز کا بلاوہ ہے لیکن اگر ہم ذرا غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ اذان میں اللہ تعالیٰ نے ایسے جامع اور بنیادی کلمات حکم فرمائے ہیں جو دین کی بنیادی اصولوں کی تعلیم اور دعوت اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔ اذان و اقامت انتہائی بلیغ اور موثر دعوت ہے جو ہماری ہر مسجد سے روزانہ پانچ وقت دی جاتی ہے ہر مسلمان کو اذان کے معنی یاد ہونے چاہئیں۔ آپ نے اذان و اقامت کی ادائیگی سے متعلق کئی احکام ہمیں دیئے ہیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب تم اذان دو تو آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر دیا کرو۔ (یعنی ہر کلمہ پر سانس توڑ دو اور وقفہ کیا کرو) اور جب اقامت کہو تو رواں کہا کرو اور اپنی اذان اور اقامت کے درمیان اتنا فاصلہ کیا کرو کہ جو شخص کھانے میں مشغول ہے وہ فارغ ہو جائے اور جس کو استنجے کا تقاضہ ہے وہ جا کر اپنی ضرورت سے فارغ ہو جائے اور کھڑے نہ ہوا کرو جب تک مجھے نہ دیکھ لو۔ حضرت زید بن حارثؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ فجر کی نماز کے وقت رسولؐ نے مجھے حکم دیا کہ تم اذان پڑھو میں نے اذان پڑھی اس کے جب اقامت کہنے کا وقت آیا تو حضرت بلالؓ نے ارادہ کیا کہ اقامت وہ کہیں تو حضور نے (پرے متعلق) فرمایا کہ اس صدائی نے اذان پڑھی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ جو اذان پڑھے وہی اقامت کہے جب موذن اذان دیتا ہے اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی کبریائی، توحید اور رسول کی رسالت اور دعوت کا اعلان کرتا ہے تو انسان کے علاوہ جن اور دیگر مخلوقات بھی اس کو سنتی ہیں اور یہ سب مخلوق قیامت کے دن اس کے حق میں شہادت دے گی۔

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول کریمؐ سے سنا شیطان جب نماز کی پکار یعنی اذان سنتا ہے تو مقام روحا (روحا مدینے سے 34 میل دور ہے) کے برابر دور چلا جاتا ہے۔ ہمارے دلوں میں اذان کی بس اتنی اہمیت ہے اگر دوران اذان گانا بج رہا ہو تو اس کی آواز آہستہ کر دیتے ہیں۔ عورتیں اپنے

سروں پر کپڑا ڈال لیتی ہیں اور بس اذان دینے والے موذن کی حیثیت ہمارے معاشرے میں ایک معمولی تنخواہ دار ملازم سے زیادہ نہیں ہے۔ ہم میں سے کتنے لوگ ہیں جن کے دلوں میں اذان اور موذن کا احترام ہے ہمارے پیارے نبیؐ نے موذن کی بہت فضیلت بیان کی ہے جس کا اندازہ درج ذیل احادیث سے لگایا جاتا ہے۔

حضرت معاویہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول خداؐ سے خود سنا ہے کہ آپ فرماتے ہیں اذان کہنے والے قیامت کے دن دوسرے سب لوگوں کے مقابلے میں دراز گردن یعنی سر بلند ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن تین قسم کے آدمی مشک کے ٹیلوں پر ٹھہرائے جائیں گے۔ ایک وہ نیک غلام جس نے دنیا میں اللہ کا حق بھی ادا کیا اور اپنے آقا کا بھی دوسرا وہ آدمی جو کسی جماعت کا امام بنا اور لوگ اس کی نیک عملی اور پاکیزہ سیرت کی وجہ سے اس سے راضی اور خوش رہے اور تیسرے وہ جو دن راتوں کی پانچوں نمازوں کے لیے اذان دیا کرتا تھا۔

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: امام ذمہ دار اور موذن پر بھروسہ کیا جاتا ہے اے اللہ اماموں کی رہنمائی فرما اور موذنوں کی مغفرت فرما۔

امام کے ذمہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ امام پر اپنی نماز کے ساتھ ساتھ تمام مقتدیوں کی نمازوں کی بھی ذمہ داری ہے۔ موذن پر بھروسہ سے مراد یہ ہے کہ لوگوں نے نماز اور روزوں کے اوقات کے بارے میں اس پر اعتماد کیا ہے چونکہ موذن سے بعض اوقات غلطی ہو جاتی ہے اس لیے نبی کریمؐ نے ان کے لیے فرمایا ہے۔

رسول کریمؐ نے ارشاد فرمایا: وہی کلمات کہا کرو جو موذن کہتے ہیں یعنی اذان دینے والا وہی الفاظ دہرائے جو موذن نے کہے پھر جب تم اذان کا جواب دے چکو تو دعا مانگو جو مانگو گے دیا جائے گا۔

ملک جواد نواز قریشی۔ ڈیرہ اسماعیل خان

اس ماہ کا نعتیہ قطعہ

گلشن ہستی میں ہے اُن سے بہار
وہ ازل سے زینت کونین ہیں
رحم کیوں مجھ پر نہ فرمائیں گے وہ
میرے آقا رحمتِ کونین ہیں

راؤ تہذیب حسین تہذیب۔ رحیم یار خان

اس ماہ کی سوچ

☆امریکن کی سوچ: ''ہم چاند پر پہنچ گئے اب آگے کیا کرنا ہے۔''

☆چائنیز کی سوچ: ''ہم 95 فیصد دنیا کی مارکیٹ پر راج کر رہے ہیں اب باقی پر کیسے کریں۔''

☆انڈین کی سوچ: ''ہم نے پاکستان کو فارن پالیسی سے شکست دی۔ اب اگلا قدم کیا ہونا چاہیے۔''

☆پاکستانی کی سوچ: ''10 بجے بجلی گئی تھی تو 12 بجے آئی تھی اب 3 بجے جائے گی تو 5 بجے آئے گی پھر 8 بجے جائے گے...... اور جلدی سے موٹر چلا کر پانی بھر لو ٹنکی خالی ہے۔''

افشاں علی۔ کراچی

اس ماہ جامن کے بے شمار فائدے

☆شوگر کے مریضوں کے لیے بے حد خاص پھل ہے۔

☆امراضِ قلب کے مریضوں کے لیے صحت بخش پھل ہے۔

☆بھوک بڑھانے کے لیے مفید ہے۔

☆متلی اور پیٹ کی گرمی دور کرتا ہے۔

☆تلی، جگر اور معدے کو طاقت دیتا ہے۔

☆ چہرے کی شادابی، داغ دھبے اور جھائیاں دور کرنے کے لیے جامن کا بیرونی استعمال بھی فائدے مند ہے۔

ریمانور رضوان۔ کراچی

اس ماہ کی اچھی بات

ظاہری صفائی آپ کو ہر دل عزیز بناتی ہے اور باطن کی صفائی آپ کو دل بنانے والے اللہ کے قریب کر دیتی ہے اس لیے ظاہر کی نہیں باطن کی صفائی پر توجہ دیجیے کہ باطن کی خوب صورتی ظاہر کو خود ہی سنوار دیتی ہے۔

سعدیہ عابد۔ کراچی

اس ماہ کی مثبت سوچ......!

مثبت سوچ ہمیشہ کامیابی کی ضمانت ہوتی ہے جس معاشرے میں مثبت سوچ رکھنے والے افراد ہوں وہ معاشرہ ترقی کی منازل طے کرتا ہے۔ گھریلو زندگی میں بھی مثبت سوچ بے حد ضروری ہے۔ گھر میں اگر ایک ساس یہ سوچ لے کہ میری بہو میری بیٹی ہی ہے اسے خوب پیار کرے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اسے نظرانداز کر دے۔

اور اگر ایک بہو اپنی ساس کو اپنی ماں ہی سمجھے۔ اس کی کسی بات کو بڑھا چڑھا کر خاوند کے آگے پیش نہ کرے تو حالات مختلف ہوں گے۔ اب آپ یہ سوچیں گے کہ صرف اتنا کرنے سے کیا ہوگا۔ ایسا کرنے سے گھر سے لڑائی جھگڑا ختم ہوگا۔ گھر کے افراد خوش رہیں گے تو آپس میں پیار و خلوص بڑھے گا۔ گھر میں امن و سکون ہوگا تو گھر جنت کا نمونہ بن جائے گا۔ چھوٹے سے آنگن میں خوشیاں ہی خوشیاں ہوں گی۔ ہر کوئی ایک دوسرے کے دکھ درد کا ساتھی ہوگا۔

دیکھا آپ نے صرف اپنی سوچ کو مثبت رکھنے سے گھر میں کتنی بڑی تبدیلی آسکتی ہے۔ اس لیے ہمیشہ اپنی سوچ کو مثبت رکھنے کی کوشش کریں۔

ایس امتیاز احمد۔ کراچی

اس ماہ کی نظم

دبی دبی سی وہ مسکراہٹ لبوں پر اپنے سجا سجا کے
وہ نرم لہجے میں بات کرنا ادا سے نظریں جھکا جھکا کے
وہ آنکھ تیری شرارتی سی وہ زلف ماتھے پر ناچتی سی
نظر ہٹے نہ ایک پل بھی میں تھک گیا ہوں ہٹا ہٹا کے
وہ تیرا ہاتھوں کی انگلیوں کو ملا کے زلفوں میں کھو سا جانا
حیا کو چہرے پر پھر سجانا پھول چہرہ کھلا کھلا کے
وہ ہاتھ حوروں کے گھر ہوں جیسے وہ پاؤں پریوں کے پر ہوں جیسے
نہیں ہے تیری مثال جاناں میں تھک گیا ہوں بتا بتا کے

کلام: ناصر کاظمی

انتخاب: اسماء جمشید۔ ڈی آئی خان

اس ماہ کا خزانہ

اللہ کی نافرمانی کرنے سے انسان ہمیشہ پریشان ہی رہتا ہے۔ چاہے بادشاہ کیوں نہ بن جائے۔

اور

اللہ کو راضی کرنے سے انسان ہمیشہ سکون ہی میں رہتا ہے چاہے فقیر ہی کیوں نہ بن جائے۔"

مصباح مسکان رؤف اور امینہ رؤف۔ جہلم

اس ماہ کی نظم

باہر دسمبر کی دھوپ ہے
اور کمرے میں
تیری یاد کے سرمئی بادل چھائے ہیں
مجھ کو اذنِ رہائی دے
تیری یادوں کے معبد میں
مدت ہوگئی دوزانو ہوں
دھوپ کا ذائقہ بھول گیا ہوں

(غافر شہزاد)

نوشین مدثر۔ لاہور

☆......

خوشبو



حضور اکرمؐ نے فرمایا

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"بخیل اور خرچ کرنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے دو آدمی ہیں۔ ان کے بدن پر سینے سے ہنسلی تک لوہے کی زرہیں ہیں۔ پس خرچ کرنے والا خرچ کرتا ہے تو یہ زرہ اس کے بدن پر دراز اور لمبی ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ اس کے پاؤں کی انگلیوں کے پوروں کو چھپا لیتی ہے اور اس کے نشان قدم کو ظاہر نہیں ہونے دیتی اور بخیل چونکہ کچھ بھی خرچ کرنا نہیں چاہتا اس لیے زرہ کا ہر حلقہ اپنی جگہ پر چمٹ جاتا ہے پس وہ اسے ڈھیلا کرتا ہے لیکن وہ ڈھیلا نہیں ہوگا۔"

(بخاری مسلم)

سیدہ نورین۔ کراچی

فوائد و مسائل

اس تشبیہ کا مطلب ہے کہ صدقہ انسان کو اس طرح چھپا لیتا ہے جیسے ایک پوری زرہ جو پیروں تک ہو اس کے بدن کو حتیٰ کہ اس کے قدم اور نشان قدم کو بھی چھپا لیتی ہے علاوہ ازیں اس میں صدقہ کرنے والے کے لیے خوش خبری ہے کہ اس کے مال میں برکت اور اس کی حفاظت ہوگی اس لیے کہ صدقے سے بلائیں ٹل جاتی ہیں جب کہ بخیل کے لیے وعید ہے کہ پردہ پوشی کے بجائے اس کی پردہ دری ہوگی اور وہ بلاؤں کا نشانہ ہوگا۔

بے ہنگم ہجوم

تخلیق انسان اور بابا آدم اور اماں حوا کی زمین پر آبادکاری کے بعد سے شروع ہونے والا سلسلہ انسان جاری و ساری ہے۔ بستیوں کی آبادی بھی جاری ہے اور کثرت سے فنا بھی جاری ہے مگر جب تک خالق چاہے گا اپنی تخلیق کا یہ سفر جاری رہے گا پھر ایک دن تمام مخلوق کو اپنے ہاں بلائے گا اور میدان حشر میں سب سے حساب کتاب ہوگا۔ دنیا کے کونے کونے میں بسنے والے ہر انسان کو اللہ کے حضور پیش ہو کر سزا اور جزا کا فیصلہ اس کی دنیاوی زندگی کے مطابق ہوگا۔

ہر ایک وقت میں دنیا کے ہر خطہ میں مختلف رنگ و نسل کے انسان آباد رہے ہیں۔ دور جہالت میں روشنی کی کرن پھوٹی اور حضرت محمدؐ کی آمد باعث زمانہ جہالت کی تاریکی کا خاتمہ اور ہر طرف اجالا ہو گیا۔ آپ بحیثیت کل کائنات ہیں۔ آپ محبوب خدا ہیں۔ ہمیں اپنے اندر کا جائزہ لینا ہوگا کہ کیا ہم آج وارث اسلام ہیں؟ خود کو مسلمان کہلانے کا تو بہت شوق رکھتے ہیں مگر کیا اس دین کے پیروکار بھی ہیں جو سلامتی کا درس دیتا ہے۔

دنیا کے نقشے پر دو سے زائد ممالک اپنا وجود رکھتے ہیں۔ ہر ملک کے عوام کا اپنا طرز رہن سہن ہے مگر ایک چیز جو کثرت سے دیکھنے میں آتی ہے وہ ان کا بحیثیت قوم یکجا ہونا ہے۔ دور بھی نہ جائیں اپنے آس پاس کے ممالک پر نظر دوڑائیں تو آپ کو اس بات کے ثبوت مل جائیں گے مگر آپ کو دنیا بھر میں ایک بھی

ملک ایسا نہیں ملے گا جہاں قوم کی بجائے ''بے ہنگم ہجوم'' بستا ہو، اس ''بے ہنگم ہجوم'' کا مذہب جس قدر سچا ہے اتنا ہی یہ لوگ اس سچائی سے دور بھاگنے کی سر توڑ کوشش میں ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ آٹے میں نمک کی مانند ایسے چند صاحب کردار لوگ بھی موجود ہیں جو بلاشبہ قابل ستائش ہیں مگر اللہ کے یہ فرمانبردار لوگ آج اس سر پھرے ہجوم میں بے بس کٹی پتنگ کی مانند ڈولتے نظر آتے ہیں۔

آج تو مسلمان کی حالت یہ ہے کہ جب تک جھوٹ نہ بولے، جھوٹی قسم کھا کر تجارت نہ کرے، دوران نماز دن بھر کے کاروبار کی پڑتال نہ کرے، لوگوں کا جائز حق غضب نہ کرے اس کی مسلمانیت پوری ہی نہیں ہوتی۔

آج ہم نے بحیثیت قوم دیگر اقوام کی نسبت اخلاقی گراوٹ کی تمام حدوں کو عبور کر لیا ہے۔ ہم تہذیب و تمدن، معاشرتی اقدار، رواداری، اخلاقیات اور احکام الٰہی سے اس قدر دور جا چکے ہیں جتنا مشرق سے مغرب دور ہے۔ آج وطن عزیز میں آپ کو ذات پات، برادری ازم، لسانیت، فرقہ پرستی تو عام ہے مگر ایسا کوئی نہیں ملے گا جو خود کو بحیثیت پاکستانی کہلانے میں فخر محسوس کرے حالانکہ وہ لوگ جو خود کو بحیثیت قوم متحد رکھنے میں کامیاب ہیں آج دنیا پر حکمرانی کر رہے ہیں۔ سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ آج ہم میں سے کوئی بھی صراط مستقیم پر چلنے کو تیار نہیں ہے۔ ہم دوسروں پر تو انگلی اٹھانے کو اپنا حق اور اپنے اوپر اٹھی انگلی کو فوراً توڑ دینے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ ہم میں سے ہر شخص اپنے آپ کو فرشتہ اور اس سے قطع نظر کہ ابلیس بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا ہی عبادت گزار فرشتہ تھا اور حکم الٰہی کو نہ ماننے کی پاداش میں بارگاہ الٰہی سے نکال دیا گیا اور قیامت تک لعین ٹھہرا۔ دیکھا جائے تو ہم بھی آج یہی طرز عمل روا رکھے ہوئے ہیں۔ آج تو صورت حال اس قدر خراب ہو چکی ہے کہ ہم محض اپنے مفاد کی خاطر دین الٰہی کو داؤ پر لگانے کو تیار ہو چکے ہوتے ہیں۔ ابلیس بھی آج ہمیں دیکھ کر شرمندہ ہوتا ہو گا کہ نافرمانی کر تو بیٹھا ہوں مگر ''لاحاصل'' دنیا بھر میں آپ کو کوئی ایسا خطہ نہ ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی اس قدر بے بہا نعمتوں سے آراستہ ہو۔

اللہ تعالیٰ نے برصغیر کے مسلمانوں کو ایسا ٹکڑا عطا کیا جو دنیا بھر کے خزانے اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے مگر افسوس کہ اس خطے پر سرگرداں بے ہنگم ہجوم شکر کی بجائے گستاخیوں کی اس راہ پر گامزن ہے جس کا انجام وہ ذلت و رسوائی ہے جو ان قوموں کا مقدر بنتی ہے۔ ہر گزرتا دن ہمارے مقدر کے اندھیروں کو مزید سیاہ سے سیاہ تر کر رہا ہے کیونکہ اندھیروں کی روش پر ہمارے ثابت قدمی سے پیش قدمی تیزی سے ہمیں پستی کی طرف لے جا رہی ہے۔ ہم لالچ کی پاتال میں گرتے جا رہے ہیں نا صرف خود گر رہے ہیں بلکہ اپنے تمام ساتھیوں کو بھی بڑی محنت کے ساتھ اپنے ساتھ اس پاتال کا ایندھن بنا رہے ہیں۔ جہاں پر ہمارا مقدر غلامی کے طوق ہیں۔ وہ وقت اب زیادہ دور نہیں ہے بس کچھ عرصہ اس روش پر سفر کرتے رہے تو غلامی کے دہکتے طوق ہماری گردنوں کو ناپنے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ آج ہماری روش جن اندھیروں کی آماجگاہ بن چکی ہے اگر ان اندھیروں کی سیاہی کو دور نہ کیا گیا تو تاریخ کے صفحات میں ہمارا نام ونشان حرف غلط کی طرح مٹ جائے گا۔

پستی سے بلندی تک سفر بڑا کربناک، دشوار اور بے بہا قربانیوں کا مرہون منت ہوتا ہے، لمحوں کی خطا کو صدیوں کی سزا کا سامنا کرنا پڑتا ہے افسوس کہ ہم نے یہ سفر تو طے کیا مگر منزل مقصود پر پہنچ کر پھر سے پستی کے سفر پر نکل پڑے۔ بلندی سے پستی تک کا سفر پلک جھپکنے میں طے ہو جاتا ہے اور آج ہم اس پلک جھپکنے تک کے سفر کو طے کر چکے ہیں۔ 18 کروڑ سے زائد کا یہ بے ہنگم ہجوم اپنے مقدر کے اندھیروں کو اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی تقدیروں میں کاتب وقت بن کر لکھ رہا ہے دلاسے، امیدیں، خوش خبریاں، الفاظ کی جادوگریوں میں اپنی جگہ اپنا اپنا رنگ جما رہے ہیں مگر ''قدرت'' اپنا فیصلہ دینے پر عین قادر ہے۔

ملک جواد نواز قریشی۔ ڈیرہ اسماعیل خان

دودھ کا جلا

بیٹے نے باپ سے کہا۔ ''ابا جان! آج آپ باکسنگ دیکھنے ضرور جائیں۔ صرف سو روپے لگیں گے اور ایک گھنٹے کی لڑائی آپ کا دل خوش کر دے گی۔''

باپ نے کہا۔ ''نا بیٹا نا! نکاح خواں نے بھی مجھ سے سو روپے لیے تھے۔ آج چالیس سال ہو گئے مگر لڑائی ہے کہ ختم ہونے کا نام نہیں لیتی۔''

صبا سحر۔ ہارون آباد

سراپا ولایتی

ایک بیوی نے اپنے شوہر سے کہا۔ ''ہائے اللہ! اس ولایتی ٹوتھ پیسٹ سے کتنی چمک آ گئی ہے آپ کے چاندنا دانتوں میں۔ اب ناشتہ تیار ہے پاکستانی ٹوسٹ، آسٹریلیا کے پنیر اس کے بعد مصری قہوہ۔''

''اف اللہ! آپ کتنے اچھے لگ رہے ہیں اس روسی سوٹ، جاپانی ٹائی، سوئز گھڑی، فرانسیسی مونچھ اور امریکی فلیٹ ہیٹ میں۔ مارے خوشی کے اگر میں اپنے جرمن گٹار پر کسی انڈین گانے کی دھن بجاؤں تو افریقہ کے سونے پر انڈونیشیا کا سہاگہ ہو گا۔''

نگہت توقیر۔ چیچہ وطنی

کیفیت

ہمارے ایک دوست نے محبت کی شادی کی تھی۔ ایک دن ہم نے ان سے پوچھا۔ ''اپنی بیوی کو سامنے دیکھ کر تمہارے دل پر کیا اب بھی وہی کیفیت طاری ہوتی ہے جو شادی سے پہلے ہوتی تھی یا معاملہ کچھ بدل گیا ہے؟''

دوست نے جواب دیا۔ ''پہلے میں گھر کے سامنے کھڑا دیر تک کھڑکی کے پردے پر اس کے سائے کو دیکھتا رہتا تھا اور اندر جاتے ہوئے ڈرتا تھا اور اب بھی میری یہی کیفیت ہوتی ہے۔

نوشین مدثر۔ لاہور

نجات

ایک بے حد موٹی عورت کے گھر میں چور گھس آیا۔ جب وہ چوری کر کے واپس جانے لگا تو عورت اسے دیکھ کر اس کے پیچھے لپکی۔ چور گھبراہٹ کے مارے گر پڑا۔ موٹی عورت چور کی کمر پر کھڑی ہو گئی اور شوہر کو تھانے کی طرف دوڑنے کو کہا۔

شوہر کافی دیر چپل تلاش کرنے کے بعد بولا۔

''بیگم! میرے چپل نہیں مل رہے۔''

''اللہ کے بندے میرے چپل پہن کر جلدی جاؤ۔'' چور بلبلاتے ہوئے بولا۔

امبرین حیدر۔ اسلام آباد

لفظوں سے خوشبو

☆ اچھی کتاب انسان کے لیے زندگی کا بہترین سرمایہ ہے۔

☆ صلاحیت وہ کام کرتی ہے جو کر سکتی ہے لیکن ذہانت وہ کام کرتی ہے جو اسے کرنے چاہئیں۔

☆ جب کسی چیز میں تضاد ختم ہو جاتا ہے تو ہماری دلچسپی کم ہو جاتی ہے۔

☆ جس نے کبھی دشمن نہیں بنایا وہ کبھی دوست بھی نہیں بنا سکتا۔

☆ انسان کو اس بات کا حق حاصل نہیں کہ وہ دوسروں کو زبردستی مہذب بنائے۔

☆ انسان اس وقت تک انسان نہیں بن سکتا جب تک وہ تعلیم یافتہ نہ ہو۔

☆ زندگی کی ٹھوکریں بہترین ذریعہ تعلیم ہیں۔

☆ تعلیم یافتہ اور غیر تعلیم یافتہ میں وہی فرق ہے جو زندہ اور مردہ میں ہے۔

اریشہ۔کمالیہ

بات جو دل میں اتر جائے

❀ جسے جس کے ساتھ محبت ہے قیامت کے دن وہ اس کے ساتھ ہوگا۔ (حضرت محمدؐ)

❀ لوگوں کے دلوں میں اپنا مقام اس طرح بنالو کہ مرجاؤ تو تمہارے لیے روئیں اور زندہ رہو تو تم سے ملنے کی کوشش کریں۔ (حضرت علیؓ)

❀ گناہ کے بعد ندامت بھی توبہ کی شاخ ہے۔

❀ دعا کبھی بھی رائیگاں نہیں جاتی۔ البتہ قبول ہونے کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں جسے ہم سمجھ نہیں پاتے۔

❀ لباس اس طرح پہنو کہ کوئی تمیز نہ کرسکے کہ تم امیر ہو یا غریب۔

❀ بعض لوگوں کو اس بات کا غرور ہوتا ہے کہ وہ مغرور نہیں ہیں۔

❀ خاموش انسان خاموش پانی کی طرح گہرے ہوتے ہیں۔

ثناء کنول اللہ دتہ۔لودھراں

سنت نبویؐ عام کرنا ہے

ہیلو نہیں۔السلام علیکم
اوکے نہیں۔انشاء اللہ
بائے نہیں۔فی امان اللہ
تھینکس نہیں۔جزاک اللہ
نائس نہیں۔ماشاء اللہ
فائن نہیں۔الحمدللہ
گریٹ نہیں۔سبحان اللہ

ہاجرہ امین۔پشاور

نفس

جو شخص اپنے نفس پر حکومت کرتا ہے، جذبات، خواہشات اور خطرات کو دباتا ہے وہ شخص بادشاہ سے بڑھ کر ہے۔ ضبط نفس کے بغیر آپ کو کامیابی کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ مانا کہ آپ بہت ذہین، اعلیٰ تعلیم یافتہ اور صحت مند ہیں لیکن اگر آپ کو اپنے آپ پر بھروسا نہیں تو کامیابی کی توقع محض خود فریبی اور خوش فہمی ہے۔ جو انسان اپنے نفس پر فتح پاتا ہے وہی بہادر کہلانے کا مستحق ہے۔

☆ ہوشیار درحقیقت وہ شخص ہے جس نے اپنے نفس پر قابو پایا اور موت کے بعد آنے والی زندگی سنوارنے میں لگ گیا اور بے وقوف وہ ہے جس نے اپنے آپ کو نفس کی ناجائز خواہشوں کے پیچھے لگایا اور اللہ سے غلط توقع باندھی۔ (حدیث نبویؐ)

☆ خواہشات نفس کی پیروی کرنے والا دنیا و آخرت دونوں میں گرفتار عذاب رہتا ہے۔ دنیا میں انہیں تلاش کرنے کی وجہ سے اور آخرت میں حساب کی بنا پر! (حضرت یحییٰ بن معاذؒ)

☆ نفس کی ایک خواہش پوری کرنے سے اللہ کے راستے میں سینکڑوں رکاوٹیں پیدا ہوجاتی ہیں۔ (حضرت ابو محسن خرقانیؒ)

☆ موت کو یاد رکھنا، نفس کی تمام بیماریوں کی دوا ہے۔ (حضرت غوث الاعظمؒ)

☆ زندگی کی عظیم ترین کامیابی نفس کا مغلوب کرنا ہے۔ (ارسطو)

☆ اگر نفس نے دل پر فتح پالی تو سمجھو کہ وہ دل مردہ ہے۔ (سقراط)

☆ بڑا آدمی وہ ہے جو اپنے نفس پر غالب رہے۔ (گوتم بدھ)

☆ کردار کی مضبوطی میں دو صفات اہم کردار ادا کرتی ہیں۔ ایک قوت ارادی اور دوسرا ضبط نفس۔ (رابرٹسن)

☆ پرسکون رہو، گھبراؤ نہیں۔ خود پر ضبط کرو، یہ تمہاری کامیابی کا راز ہے۔ (سینٹ جسٹ)

☆ اے پڑھنے والے ذرا غور سے پڑھ! کیا تیری روح قطبی ستارے سے اوپر اڑتی ہے؟ یا کسی پست کام کے پیچھے زمین کے سوراخوں میں گھستی ہے؟ یہ جان لے کہ ضبط نفس دانائی کی جڑ ہے۔ (بروٹس)

ایس امتیاز احمد۔کراچی

حسن نظر

ایک کالے رنگ کی لڑکی کو جن ملا۔
جن بولا۔ "کیا حکم ہے میرے آقا۔"
لڑکی بولی۔ "میرے پر لادو۔"
لڑکی۔ "کیا میں پری لگ رہی ہوں۔"
جن ہنستے ہوئے بولا۔ "انی دیئے توں ڈینگی مچھر بن گئی ایں!"

ریما نور رضوان۔کراچی

خوب صورت باتیں

☆ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ ماں کی خدمت اپنے اوپر لازم کرلے کہ جنت ماں کے قدموں تلے ہے۔ (حضرت محمدؐ)

☆ میری محفوظ ترین پناہ گاہ میری ماں کی آغوش ہے۔ (حضرت علیؓ)

☆ انسان کے لبوں سے ادا ہونے والے تمام الفاظ میں سب سے خوب صورت لفظ ماں ہے۔ (خلیل جبران)

☆ آسمان کا آخری اور بہترین تحفہ ماں ہے۔ (مولانا محمد علی جوہر)

☆ اس لمحے سے بچو کہ جب ماں نفرت کرے یا بددعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔ (بوعلی سینا)

☆ جس کی ماں مر جائے وہ اس کائنات کا مفلس ترین شخص ہے۔ (گوئٹے)

☆ مجھے پھول اور ماں میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا دونوں ایک جیسے خوب صورت ہیں۔ (نادر شاہ)

☆ بچے کے لیے سب سے اچھی جگہ ماں کا دل ہی ہے۔ خواہ اس کی عمر کتنی ہی کیوں نہ ہو جائے۔ (شیکسپیئر)

کرن ناز۔کھاریاں

محبت مغرب کی نظر میں

☆ محبت ایسی پیاری چیز ہے جو انسان کو مشکل ترین کاموں کے لیے مجبور کردیتی ہے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو دنیا میں بالعموم قربانی کی راہ مسدود ہوجاتی۔

☆ اگر دنیا میں ایک بھی محبت کرنے والا دل باقی نہ رہے تو آفتاب حرارت کھو بیٹھے۔ (تھیلو)

☆ محبت انسان کو شاعر بناتی ہے خواہ پہلے اس نے شاعری کا نام بھی نہ سنا ہو۔ (پوری پیٹرز)

☆ محبت کو آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ شاید اس لیے کیوپڈ کو تصویر میں اندھا دکھایا گیا ہے۔ (شیکسپیئر)

☆ محبت اور شک ایک دل میں جمع نہیں ہو سکتے۔ (خلیل جبران)

☆ اس کے ٹوٹ جانے پر افسوس ہے جو محبت کرتا ہے وہ دل کتنا عظیم ہے۔ جو یہ لاحاصل امید کرتا ہے۔ (گلبرٹ)

☆ جس نے بھی محبت کی اس نے پہلی نظر میں نہیں کی۔ (کرسٹوفر مارلو)

نوشین مدثر۔لاہور

سخن فہم

کالج میں ایک دوست نے دوسرے دوست سے پوچھا: "کیا تم امتحان میں پاس ہوگئے؟"
"وہ دراصل بات کچھ یوں ہے کہ....."
"ٹھیک ہے میں سمجھ گیا، میں بھی فیل ہوگیا ہوں"۔ دوست نے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

شمائلہ ملک۔کراچی

......☆......

ذرا پھر سے کہنا

نعت

ورد زباں میری یہی نعرہ کردو مجھ پہ اتنا کرم کردو
بھیگی پلکوں کی لرزتے لبوں کی التجا سن لو
ہر اک لب پر بس اللہ اکبر یا رسول اللہ کی صدا ہو
برسوں کی خواہش ہے اب تو آقا پوری کردو
قضا سے پہلے چاند سے بڑھ کر اپنے چہرے کا دیدار کرادو
روزِ محشر پڑے جب مجھ پر نظر میرے ہر عیب کو چھپا دو
یا رحمۃ للعالمین ہاجی کو اپنے دامنِ رحمت میں چھپا دو

ہاجرہ امین

نظم

سنو جاناں!
کہاں ہوں میں؟
نہ تیرے حوالوں میں، نہ سوالوں میں
نہ خیالوں میں، نہ جوابوں میں
مگر سنو جاناں!
صرف تو ہی ہے میری زیست کے نصابوں میں

سیدہ فرزین حبیب

لوٹ آنا

ان کے شہر سے گزر ہو
تو کہنا اے ہو
کہ ان خزاں آلودہ شاموں
میں! انتظار کے
دیپ جلائے ابھی
تک ہیں تمہاری منتظر
دو آنکھیں!
تمہارا دل موسم بہار سے
بھر جائے
پت جھڑ شاموں کی
یاد آئے
بیتے دنوں کی چنگاری
تمہارے من کو سلگائے
تو تم
لوٹ آنا
ہاں
میرے پاس لوٹ آنا

شہلا گل سحر صالح

محبت کا گیت

یہ چاہت کی لہر ہے
یا کہ محبت کی فضا ہے
جو بھی تم کہہ لو جاناں
مگر یہ بڑی دلکش سی ادا ہے
جو مسکراہٹ رخ یار پہ چھائی ہے
کچھ سمجھ نہیں ہے مجھ کو
محبت ہے یا دیوانگی
یہ چاہت ہے یا فرزانگی
اسی کی چاہ میں دل کی
مسند ہم نے سجائی ہے
دلبری ہو یا دل رباعی ہو
یا دلبری کی کوئی بھی ادا ہو

اسی کی چاہت میں
شاعری سر محفل سنائی ہے!

مریم ماہ منیر

غزل

الجھا ہوا ہے دل ہجر کی ویرانیوں کے ساتھ
جی رہی ہوں تیری تمام تر مہربانیوں کے ساتھ
نہیں حاجت کسی ناصحا کی نہ خواہشِ یار ہے
میں خوش ہوں بہت اپنی نادانیوں کے ساتھ
گنوا بیٹھے اسے جو عزیز تھا جاں سے بڑھ کر
پشیماں ہے مغمومِ دل پشیمانیوں کے ساتھ
خفا رہا زیست سے عمر بھر دل برباد
زندگی گزر گئی ہماری نااتفاقیوں کے ساتھ

حمیرا قریشی

انداز

جو آگ ہے عشق و چاہت کی
وہ آگ ہے لطف و راحت کی
بے چین مگر دل ہوتا ہے
اس آگ میں جلنے کا یارو!
انداز نرالا ہوتا ہے
جس دل میں محبت زندہ ہو
جس دل میں کوئی روتا ہو
کوئی اس سے جدا جب ہوتا ہے
اس دل کے تڑپنے کا یارو!
انداز نرالا ہوتا ہے
جس گھر سے محبت ہوتی ہے
تقدیر اسے جب کھوتی ہے
دل خون کے آنسو روتا ہے
اس گھر سے نکلنے کا یارو!
انداز نرالا ہوتا ہے
جب سب کو چھوڑ کے جانا ہو
سب رشتے توڑ کے جاتا ہو
جب اپنوں کو کوئی کھوتا ہے
پھر کٹہرے بدلنے کا یارو!
انداز نرالا ہوتا ہے
گھر بار کسی کا بہہ جائے
تنہا کوئی جب رہ جائے
کبھی ہنستا ہے کبھی روتا ہے
اس شخص کے جینے کا یارو!
انداز نرالا ہوتا ہے

حکیم خان حکیم

اماں مان جاؤنا

اماں مان جاؤنا
یوں نہ ناراض ہو مجھ سے
منہ نہ موڑو مجھ سے
جب تم خفا ہوتی ہو
میں ڈر سا جاتا ہوں
سہم جاتا ہوں
دل بہت گھبراتا ہے
سب کچھ بے رنگ سا ہو جاتا ہے
اماں میں تجھ سے بہت محبت کرتا ہوں
تیرے بن میں کچھ نہیں
تیرا وجود چھاؤں ہے میرے لیے
جب تو ناراض ہوتی ہے تو
رب کی رحمت روٹھ جاتی ہے
دھوپ مجھے بہت جلاتی ہے
ہوا بہت رلاتی ہے
بادل بہت ڈراتے ہیں
اماں مان جاؤنا
اب ہمیشہ تیرا کہا مانوں گا
اتنی سزا نہ دو مجھے
پھر سے اپنی آغوش میں چھپا لو مجھے
یوں نہ ناراض ہو مجھ سے

وانیہ آفرین

غزل

ہر آرزو لہو ہوتی جاتی ہے
تیری چاہت بھی سرد ہوتی جاتی ہے
تیری یادوں کے جلتے ہوئے چراغ
وفا میں تیری نفرت ہوتی جاتی ہے
پکڑ سکا نہ کوئی بھاگتے لمحوں کو
یہ ہوا بھی کتنی بے درد ہوتی جاتی ہے
یہ جو منزل کی تلاش میں رہے ہمیشہ
پھر تھکن سفر کی گہری ہوتی جاتی ہے
جلنے دو یادوں کے اب دیپ جاوید
کسی کی محبت میں پھر کمی ہوتی جاتی ہے

محمد اسلم جاوید

غزل

آج ہم تو سنا کے رہیں گے
ساری دنیا کو بتا کے رہیں گے
گھر کی بربادی پہ روئیں کس لیے
آشیاں نیا اک بنا کر رہیں گے
نہ کریں گے رسوا تمہیں شہر وفا میں
زخم دل ہم چھپا کے رہیں گے
تو تبسم بھی آیا لبوں پہ ہمارے
آنسو سب کچھ بتا کے رہیں گے
سب کے دکھ درد کو سمجھیں گے اپنا
اجڑی محفلیں سجا کے رہیں گے
تنہا نہ اب پھریں گے امتیاز
کسی کو اپنا بنا کر رہیں گے

ایس امتیاز احمد

صرف اک لفظ کی کہانی

سنو جاناں!
صرف ایک لفظ کی کہانی ہے
جسے میں کہنا بھی چاہوں تو کہہ نہیں سکتی اور
چپ رہنا بھی چاہوں تو رہ نہیں سکتی
یہ ایک لفظ کہانی صدیوں پرانی ہے
سنو ہیر رانجھا کی
کہانی تو تم جانتے ہو سسی پنوں کی کہانی بھی
تم جانتے ہو تو
میری کہانی بھی ایسی ہی کہانی ہے
جسے کسی دن فرصت سے
میں تمہارے کندھے پر سر رکھ
مجھے سنانی ہے
صرف ایک لفظ کہانی ہے
تیرے اور میرے پیار کی
تیرے اور میرے نام کی
تیرے اور میرے وجود کی
یہ کہانی تو صدیوں پرانی ہے جس میں تم ہو
اور میں ہوں
جس میں ایک لفظ کہانی ہے
مجھے تم سے محبت ہے
اور یہ ہی ساری کہانی
میری حیات میری زندگی ہے یاسین

ثناء کنول اللہ دتہ

سنگ سنگ

ہر وقت ہر گھڑی
جہاں بھی دیکھوں
آپ کو ہی پاؤں
رات کے خوابوں
صبح کی چاہت
شام کی سوچوں
میں آپ کے
سنگ سنگ چلوں
ہر پل ہر لمحے
جب بھی محسوس کروں
آپ کو ہی پاؤں

آپ کی باتوں کے
آپ کی یادوں کے
آپ کے احساس کے
سنگ سنگ چلوں
ہر سمت ہر منظر
اپنے سائے میں فلک
آپ کو ہی پاؤں
سورج کی روشنی
چاند کی کرنوں
بارش کی بوندوں
میں سبز گھاس
پر آپ کے ہمراہ
سنگ سنگ چلوں!

"محبت کی ڈور"
میرا!
تم سے ناطہ
اتنا کچا نہیں
کہ
بے جا سازشیں
میری تم سے
محبت کی ڈور
توتوڑ دے

مدیحہ اعجاز

غزل

زندگی خوب صورت خواب کی مانند گزری
ہم سے جو گزری فقط سراب کی مانند گزری
ساحل پر کھڑے ہونا ایک کھیل تھا تیرا
لہروں پر جو گزری آگ کی مانند گزری
ہواؤں نے پہنی ہے ہنسی شاید اس کی
سورج پر بھی ماہتاب کی مانند گزری
زندگی خوب صورت خواب کی مانند گزری
کھلتی ہے تمہیں کیوں بارش کی رم جھم
خشک نینوں پر یہ جل آب حیات کی مانند گزری
ہم ہیں خوش ناز بہت جانتے ہیں لوگ
عجب نہ پھر کہ شام ان کی عذاب کی مانند گزری

فرح ناز محمد رفیق

غزل

اخلاق کی قیمت ہے نہ کردار کی قیمت
انسان سے کہیں بڑھ کے ہے ہتھیار کی قیمت
رہتا ہوں میں اوروں کے مکانوں میں بہ عوض
چکتی ہی نہیں درو دیوار کی قیمت
دو ٹوک کہا تھا کبھی انکار جرم سے
بھگتائی ہے اب تک اسی انکار کی قیمت
گرچہ ہوئے محروم بصارت سے جنوں میں
سستی لگی پھر بھی تیرے دیدار کی قیمت
نفرت کے پھول گرچہ میری دسترس میں تھے
تھی دور بہت چاہتوں کے خار کی قیمت
اک ادنیٰ سپاہی کو کیا الزام جفا دوں
لگ جاتی ہے اس دیس میں سردار کی قیمت

سید ساجد

گمنام

کتبے پر تو مرحوم کا نام لکھا ہوتا ہے ناں!
وہ کہتے ہیں
کتبہ بنوانا ضروری ہے کیا؟
جو مر جائیں ان کے پیچھے
پیسے خرچ کرنا
"فضول خرچی کہلاتی ہے"
تو......
میرے شناختی کارڈ پر
پاسپورٹ پر
گھر کے کاغذات پر، بینک کے پیپرز پر

کہانی کے آغاز پر
شاعری کے اختتام پر
نام درج کرنا شرط ہے ناں!
تو پھر ایسا نہ ہو
دنیا میں نام بنانے کے لاکھ جتن کرنے کے بعد
جب میں دنیا سے چلی جاؤں
تو لوگ کہیں
کتبہ بنوانا ضروری ہے کیا؟
جو مر جائیں ان کے پیچھے
پیسے خرچ کرنا
"فضول خرچی کہلاتی ہے"

شیریں تبسم

محبت مرتی نہیں

چلو اک دوجے کو بھلا دیں گے ہم
اور دلوں کو اپنے یہ سمجھا دیں
کہ محبت ہمیشہ مل کر ہی
شاداب نہیں ہوتی، آباد نہیں ہوتی
کہ چاہتوں کی چاندنی پر
محبتوں کی شدتوں پر
بہار تو ہمیشہ ہی مہربان رہتی ہے
دلوں میں لکھی محبتوں کی کہانیاں
اگر سچی ہوں تو
بچھڑ کر بھی
محبت زندہ رہتی ہے
کہ جو نقش گہرے ہوں
ان پر کبھی خزاں کا موسم نہیں آتا
بلکہ بہار...... نامہربان لمحوں میں بھی
ان پر مہربان رہتی ہے
خوب صورت یادوں کی صورت
گر محبت سچی ہو
تو اس کو طلب کی حاجت نہیں ہوتی
بلکہ یہ بچھڑ کر جدائی کی آگ میں
دھیمی...... دھیمی سی سلگتی رہتی ہے
میٹھی میٹھی سی یہ کسک محبت کو امر کر دیتی ہے
بچھڑ کر بھی محبت مرتی نہیں
جیتی رہتی ہے

فرزانہ شوکت

غزل

زندگی اک مشکل دور پر لے آئی
ہر اک سانس نے تیری دی صدا مجھے
میں نے چاہا جو پایا نہ تجھے!
میری چاہ راس نہ آئی مجھے
بدلتے موسموں کی طرح زندگی ٹھہری
مانگی وفا جو اس نے بھلا دیا مجھے
میری محبت بن گئی میری مجبوری
یہ کس موڑ پہ تقدیر لے آئی مجھے

نوالصباء

بھکارن

میلا آنچل گم صم چہرہ
یاس کی اک تصویر بنی ہے
گود میں اک ننھا سا بچہ
ہمک رہا ہے
جیون کی اجلی راہوں پر
ننگے پاؤں چلتی جائے
سب کے آگے ہاتھ پھیلائے
ایک ہی سوچ اور ایک صدا ہے
ہر آنے والے سے کہنا
غربت کے ماروں کو تم بھی
نام خدا کچھ دیتے جاؤ
اور دعائیں لیتے جاؤ

ریاض حسین قمر

☆......

سندیس

سیدہ فرزانہ حبیب فرزین...کراچی

محترمہ صالحہ آپی اور نورین جی السلام علیکم! امید ہے آپ سب اور تمام قارئین بخیریت ہوں گے۔ ماہِ اکتوبر میں بھی سورج بابا ہم کراچی والوں کی جان چھوڑنے کو تیار نہیں۔ اس چلچلاتی حبس زدہ فضا میں اکتوبر کا ردا ٹھنڈی ہوا کا جھونکا بن کر آیا جس نے دل میں چھائی بیزاریت کو خوشگواریت میں تبدیل کر دیا۔ سب سے پہلے "گوشہ آگہی" میں سویٹ آپی کی شعور و آگہی سے بھرپور باتوں سے مستفید ہوئے اس کے بعد اسلامی معلومات کے ساتھ ساتھ اپنی پسندیدہ مصنفات قمروش شہک اور نائلہ جی کے سلسلے وار ناول کو انجوائے کیا بہت خوب صورت تحریر ہے آپ دونوں کی۔ خوب صورت پیرائے پر ڈائیلاگ اور جملوں میں ربط، واقعی یہ ایک باکمال مہارت ہے اس کے بعد مکمل ناول زیب النساء پڑھا کافی اچھی اور متاثر کن تحریر لگی۔ صالحہ آپی سے درخواست ہے کہ پلیز اپنا کوئی نیا ناول جلد ردا کی زینت بنائیں۔ آپ کی تحریر کے بغیر ردا کے رنگ کچھ مرجھائے اور پھیکے لگتے ہیں۔ ماشاء اللہ ردا میں جس طرح نئے لکھاری دوستوں کا اضافہ ہو رہا ہے وہ ایک خوش کن پہلو ہے کیونکہ اس سے ردا کی ہر خاص و عام میں قبولیت کا اندازہ ہو رہا ہے دعا ہے کہ اسی طرح ہماری بہنیں ردا کی حرمت سے خود کو ڈھانپے رہیں اور اس کے سائے میں شعور آگہی اور زندگی برتنے کا سلیقہ حاصل کرتی رہیں۔ اب ردا کی محفل سے اجازت۔"

افشاں علی......کراچی

بہت ساری دعاؤں کے ٹوکروں میں محبتوں کے پھول لیے افشاں علی حاضر محفل ہے۔ پرخلوص سلام محبت قبول کیجیے۔ گرم گرم سی اکتوبر کی دوپہر میں فریش سے سرورق کے ساتھ جیا بخاری ذہن و دل کو پرسکون سی کر گئیں اور ساتھ ہی "گوشہ آگہی" میں صالحہ اپیا آپ کی باتیں سونے پہ سہاگہ کا کام کرتی نظر آئیں۔ بسمہ ناز! بالکل ٹھیک کہا آپ نے یہ محبت بھی عجیب ہوتی ہے۔ زبردست ناول رہا۔ مریم شاہ بخاری آپ نے بہت سہانی سی شام بطور افسانہ ہمارے نام لکھی۔ بہت عمدہ الفاظوں کا چناؤ نظر آیا۔ سحر مبین آپ کے افسانے نے سحر طاری کر دیا۔ اباجی کی شخصیت ہی ایسی ہوتی ہے کہ جلد یا بدیر ہی ہمیں ان کی پرشفیق چھاؤں کا احساس ہو جاتا ہے۔ "پیا ملن کی آس" پیاری ثناء تم پر بہت ناز ہے۔ بہت اچھا لکھا تم نے۔ زیب النساء پر بیتی کہانی کی شکل میں ایقان علی نے واضح کی۔ واقعی اللہ سے بڑھ کر کوئی منصف نہیں۔ ثوبیہ ملک کا افسانہ بھی اچھا تھا۔ آگے بڑھے تو کنول کی مانند خوب صورت میری پیاری بہن ثناء کنول آپ کا ناولٹ بہت عمدہ تھا۔ زبردست لفظوں کا چناؤ ماشاء اللہ آپ کی سند حاصل کر گیا۔ جب کہ ہمیشہ کی طرح فرح ناز رفیق نے حب الوطنی سے چور افسانہ عمدہ لکھا۔ باقی سلسلے وار ناول تو ہوتے ہی ہیں خوب۔ الغرض اکتوبر

کا ردا بہت شاندار رہا۔ ردا کی ڈائری کو سب کی ڈائری کے صفحات و انتخاب نے خوب سجایا۔ باقی تمام سلسلے تو ہمیشہ کی طرح بہت زبردست تھے۔ سندیسوں میں گیتی آراء، شمائلہ دلعباد، رابعہ افضال سمیت سبھی نے خوب رونق لگائی۔ زاہدہ ہاشمی آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں۔ اللہ تمام بیماروں کو شفا کاملہ نصیب فرمائے، آمین۔ گزشتہ ماہ ''ردا کا سفر'' شامل اشاعت تھا جس کی پسندیدگی کے لیے میں آپ سب کی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ دوستوں کے نام پیغام میں ریمانور رضوان کا پیغام پڑھا اور پرانے نام دیکھ کر بہت سی یادیں تازہ ہو گئیں۔ ریمانور کے ساتھ ساتھ میری بھی درخواست ہے آپ سب لوگ لوٹ آئیں۔ دانیہ آفرین کی نظم بہت پسند آئی۔ ثناء ناز سویٹ سسٹر یاد آوری کے لیے شکریہ۔ رابعہ افضال، عانیہ نیازی سمیت فرزین حبیب آپ کا بھی شکریہ اپنے پیغام میں ہمارا نام لکھنے کے لیے۔ اب بہت ساری دعاؤں کے ساتھ آپ کی پیاری بہن افشاں علی کو اجازت۔''

فریدہ فرید..........پاکپتن شریف

''ردا احباب اور سکھی سہلیوں کو پرخلوص سلام۔ اکتوبر کا ردا خوب صورت آنکھوں اور بالوں والی ماڈل نے خوشگوار ابتدا فراہم کی۔ اشتہارات سے آنکھیں بند کر کے جمپ لگا کر فہرست تک پہنچے۔ پیارے لوگوں کی پیاری باتیں آپی جان مہکتی دکھائی دیں۔ ''ردائے جنت'' میں نماز کے اوقات سے واقفیت حاصل کی۔ ابتدا ہی میں قمروش شہک جی اپنے ساحرانہ انداز میں جلوہ افروز تھیں محبتیں اور شرارتیں بکھیرتی گلرنگ تحریر موڈ خوشگوار بنا دیتی ہے۔ نائلہ جی کی تحریر اس ماہ طوفانوں کی زد میں تھی۔ ہر کردار حراساں اور متشدد معلوم ہو رہا تھا۔ بہرحال تحریر میں تیزی آئی ہے یونہی شازیہ جی کی بھی اسٹوری مغرور ہیروز کے ساتھ رواں دواں ہے۔ اس ماہ روایت سے ہٹ کر کچھ طویل اسٹوریز پڑھنے کو ملیں۔ بسمہ ناز کی تحریر پڑھتے تو منہ میں پانی ہی آتا رہا۔ ظاہر ہے اتنی پکوان فل تحریر جو تھی بہرحال انٹرسٹنگ تھی۔ یاسمین آفریدی حاذق اور آیت کے نام ہی یونیک نہیں ان کے مابین لڑائی بھی دلچسپ تھی۔ ایقان علی زیب النساء انتہائی میچور اور منفرد موضوع سے آراستہ اسٹوری تھی۔ زیب النساء پر پیار تو بہت آیا مگر سچ یہ ہے کہ ایک نامحرم سے ملاقات کے لیے چھت پر جانے کی غلطی تو بہرحال اس نے کی تھی۔ افسانوں میں سحر مبین کے ''اباجی'' بازی لے گئے۔ پاور فل موضوع انتہائی خوب صورتی اور مربوط انداز میں پیش کیا گیا۔ سیدھا دل میں اتر گیا۔ سحر مبین کبھی نہ فراموش کرنے والی تحریر مبارک ہو۔ ثوبیہ ملک کے بدتمیز نوفل اور کیوٹ سی قمر نے رنگ جما دیا۔ ثناء کنول، شیریں تبسم کی تحاریر بھی مزے کی تھیں۔ البتہ مون شاہ نے اپنی قابلیت کا سکہ جما دیا۔ انتہائی گہرائی لیے ہوئے حوا عباس کی محبت نے اعتراض کرنے لائق نہیں چھوڑا۔ ویل ڈن مون شاہ۔ فرح ناز آپ کی بات ہمارے ذہن و دل کے در وا کر گئی۔ ثناء ناز موضوع اور انداز تحریر اچھا تھا۔ مریم شاہ بہت عمدہ لکھا ہر لفظ جامع کریکٹرز زیادہ مگر مختصر انٹری کے ساتھ بالآخر حورین کو منزل مل گئی ''ردا کی ڈائری'' میں بھی انتخاب اچھے تھے۔ ''اس ماہ میں'' افشاں علی نے دو عظیم قربانیاں خوب صورت لفظوں میں سجا کر محفل لوٹ لی۔ آپ کی شخصیت کی طرح آپ کا انتخاب بھی لاجواب ہے۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' رابعہ افضال نظم ذاتی ہے کہ اڈاپٹڈ جو بھی ہے کمال کی تھی۔ وصل کا موسم یقیناً آئے گا ہم دعا گو ہیں اس ماہ سندیسے سے زیادہ دوستوں کے نام پیغام میں رونق نظر آئی۔ ایک عام

سے سلسلے کو سکھیوں نے اپنے خوب صورت پیغامات سے خاص بنا دیا ہے اور پھر عانیہ نیازی جس سلسلے میں شریک ہوں اس کی کیا ہی بات ہے۔ عانیہ ردا کی وہ واحد ہستی جو صرف قاری ہیں۔ رائٹر نہیں مگر دلچسپ اندازِ گفتگو کی بناء پر سب پر سبقت لے جاتی ہیں۔ رابعہ افضال میری عزیز قلمی دوست بات چل نکلی ہے۔ یقیناً آگے تک جائے گی میں بنا دیکھے بتا سکتی ہوں آپ بہت کیوٹ ہو۔ دانیہ آفرین ردا فیملی کے درمیان اپنے ہر دکھ کو بھلا دو۔ خوش رہو۔ سندیسے میں افشاں علی کرسی صدارت پر براجمان مہکتی دکھائی دیں۔ ہر ایک سے کھلکھلاتی مخاطبت آپ کا امتیازی وصف ہے۔ رابعہ افضال لاسٹ منتھ میں آپ کے افسانے کی طرح اس منتھ آپ کا لیٹر بھی زبردست تھا۔ سب سکھی سہیلیوں کو دعاؤں کے ساتھ اجازت۔''

گیتی آراء..........کراچی

''ڈیئر آپی! مزاج بخیر! آپ کو اور نورین کو گیتی کا محبت بھرا اسلام آپی 19 اکتوبر کو اپنا جان عزیز ردا ملا اور دل کی کلی کھِل اٹھی۔ حسب معمول و عادت سب سے پہلے فہرست کی طرف بڑھے۔ ''گوشہ آگہی'' کی خوب صورت باتوں سے لطف اندوز ہو کر آگے بڑھے تو ''ردائے جنت'' میں پانچوں وقت کی نماز کے اوقات، احادیثؐ کے حوالے سے پڑھ کر قسم سے مزہ آ گیا۔ یوں لگا دین کی دولت ہمیں مل گئی ہو خاص کر کے فجر کی نماز کی ٹائمنگ کے بارے میں بڑا کنفیوژن تھا جو کہ ختم ہو گیا۔ یاسمین آفریدی کا ناولٹ ''ملے جب ہم تم'' حازق کا شوخ کردار دل میں اتر گیا۔ مریم شاہ بخاری کا ''میرے نام لکھ کوئی شام سہانی'' کے طرز تحریر نے متاثر کیا۔ خوب صورت لفظوں اور جملوں کے انتخاب اور چناؤ نے کہانی میں ایک جان سی ڈال دی۔ ''پیا ملن کی آس'' ثناء ناز کے افسانے کے نام سے متاثر ہوئے بنا نہ رہ سکے۔ شیریں تبسم کا ''دلوں کی روشنی'' بہت متاثر کن رہا۔ ''فرید باہو'' مون شاہ کی ایک دلچسپ تحریر تھی۔ فرح ناز کی ''وطن باقی رہے گا'' موجودہ حالات پر لکھی ایک سبق آموز تحریر تھی اور اس ماہ کی اب تک جتنی بھی تحریریں نظر سے گزری ہیں سب سے بہترین تحریر سحر مبین کی ''ابا جی'' رہی۔ کہانی کے ساتھ ساتھ طرز تحریر بھی متاثر کن رہا۔ تھیم بھی زبردست رہا۔ بہت عرصے بعد ایک اچھوتی، منفرد اور نایاب تحریر پڑھنے کو ملی۔ مزہ آ گیا۔ باقی ناول، ناولٹ اور افسانے زیر مطالعہ ہیں۔ ''ردا کی ڈائری'' میں ریمانور اور سیدہ حبیب کا انتخاب پسند آیا۔ ''اس ماہ میں'' اس ماہ کی مزاحیہ نظم، اس ماہ کی خاموشی، اس ماہ کی امید، اس ماہ کی اہم معلومات اور خاص کر افشان علی کی ''عظیم قربانیاں'' بہت زبردست تحریر تھی۔ اتنی سی بچی میں اتنا ٹیلنٹ! بھئی مان گئے۔ افشاں علی یو آر جینئس۔ ''خوشبو'' ہمیشہ کی طرح الف سے ے تک مہکتا رہا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' کے بھی انتخاب اچھے رہے اور اب باری تھی ''سندیسے'' کی جس میں افشاں علی اپنے منفرد خوب صورت اور شوخ و چنچل اسٹائل کے ساتھ ہمیشہ کی طرح دل میں گھر کر گئیں۔ پیاری افشاں اتنے چھوٹے سے شعر میں اتنی ڈھیر ساری محبت! سچی مارے خوشی کے دل جھوم جھوم اٹھا۔ لو اپنی پیاری سی گڑیا کی محبت کی نظر ہماری طرف سے بھی ایک دعائیہ شعر

یہ عرض پاک تجھ پر ناز کرے
خدا تیری عمر دراز کرے

دانیہ آفرین کی والدہ کا جان کر بہت دکھ ہوا۔ اللہ انہیں صبر جمیل عطا کرے۔ ساتھ ہی فرزانہ حبیب کے والد کی وفات کا جان کر افسوس ہوا اللہ انہیں بھی صبر

جمیل اور تمام مرحومین کو جنت الفردوس میں جگہ دے، آمین۔ ''دوستوں کے نام پیغام'' دلچسپ رہا۔ خاص کر عانیہ نیازی تمہاری محبت کا بہت بہت شکریہ۔ ''کچن'' کے سارے پکوان اچھے تھے۔ ''سنگھار'' میں ہاتھوں سے متعلق ٹپس بہترین تھی۔ ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ اجازت۔''

سحر مبین..........فیصل آباد

''السلام علیکم! کیسی ہیں سب؟ صالحہ آپی، نورین آپی کیسی ہیں سب؟ قمروش آپی آپ کا ناول اچھا جارہا ہے۔ شازیہ، نائلہ آپی آپ کے ناول بھی بہت اچھے جارہے ہیں۔ مکمل ناول ''یہ محبت بھی عجیب ہوتی ہے'' بسمہ ناز بہت اچھا ناول ''ملے جب ہم تم'' یاسمین آفریدی ''زیب النساء'' ایقان علی ''محبت رائیگاں میری'' ثناء کنول سب نے خوب لکھا۔ مریم شاہ، ثناء ناز، ثوبیہ ملک، شیریں تبسم، مون شاہ، فرح ناز رفیق، آپ سب نے اچھا لکھا۔ باقی سب سلسلے بھی بہترین رہے۔''

اسماء جمشید..........ڈی آئی خان

''السلام علیکم! ہمیشہ کی طرح ڈھیر ساری دعاؤں، محبتوں اور چاہتوں کے ساتھ حاضر ہوں۔ ماڈل جیا بخاری سرورق پر چھا گئیں۔ میٹھی میٹھی باتیں ''گوشہ آگہی'' میں پڑھنے کو ملیں۔ ''ردائے جنت'' تو دین کی باتوں اور نایاب موتیوں سے ہمیشہ سجا ہوتا ہے۔ سلسلے وار ناولز میں ''جو عشق میں بیتی'' نائلہ طارق کا بہت پسند ہے۔ باقی بھی اچھے جارہے ہیں۔ مکمل ناول ''یہ محبت بھی عجیب ہوتی ہے'' بسمہ ناز بہت پسند آیا ہے۔ ''زیب النساء'' ناولٹ ایقان علی کا اچھا تھا۔ افسانے ''اباجی'' سحر مبین، ''پیا ملن کی آس'' ثناء ناز اور ''وطن باقی رہے'' فرح ناز رفیق بیسٹ تھے۔ ''ردا کی ڈائری'' سحر مبین کی نظم، خالدہ عارف، مہ جبین اور سعدیہ عابد کی غزلیں دل کو بھا گئیں۔ باقی غزلیں بھی اچھی تھیں۔ اشعار میں راؤ تہذیب، ساجدہ جمشید، مریم ناصر، اسماء جمشید، امبرین حیدر، نسرین علی، عائشہ مغل، عائشہ شفیق نے میدان مار لیا ہے۔ ''اس ماہ میں'' ملک جواد نواز قریشی کی تحریر اقبال کے شاہین کے روبرو مجھے میرے پاپا، می سسٹرز اور فرینڈز آسیہ، بختاور، شائقہ کو بہت پسند آئی۔ باقی سب فرینڈز نے اچھا لکھا۔ ''خوشبو'' میں سب فرینڈز نے خوب صورت لکھا۔ ''ذرا پھر سے کہنا'' سعدیہ اقبال، مہرین کنول، مدیحہ اعجاز اے ون رہے۔ باقی فرینڈز نے بھی محنت کی ہے۔ سب فرینڈز کے سندیسے مزیدار تھے۔ دوستوں کے نام پیغام کی محفل بھی دوستوں نے بہت خوب سجائی۔ ''کچن'' میں بہت کچھ سیکھنے کو ملا۔ ''سنگھار'' بھی اچھا تھا۔ میری فرینڈز کرن ناز کی والدہ وفات پاگئیں ہیں۔ اللہ ان کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اہل خانہ کو صبر وجمیل عطا فرمائے، آمین۔ ردا ہمیشہ ترقی کی منازل طے کرتا رہے اور ہم اس کے ساتھ جڑے رہیں، آمین۔''

شہلا گل سحر صالح..........کوہاٹ

''سلام محبت! اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ، خوشی اور سکون کے لمحات تا عمر عنایت فرمائے، آمین۔ 27 ستمبر کو میری شادی کی پہلی سالگرہ تھی اور ردا میں میرا افسانہ شائع کر کے آپ نے میرے لیے پہلا تحفہ بھیجا۔ تھینک یو اور (آپ کے گلے لگ کر خوشی کا اظہار کرسکتی ہوں ناں) خوش رہیں آباد رہیں، آمین۔ ہاں ردا کی شہزادیاں اپنے پرستان میں بہت مشکل سے نئی انٹری کو ایڈجسٹ کرتی ہیں (آئینے میں خود کو دیکھا کہ کہیں چڑیل تو نہیں ہوں جو ہر ایک پری بے نیازی سے میرے پاس سے گزر جاتی ہے) صبا جی دل سے کہہ رہی ہوں۔ (آئی لائیک یو) سچ میں بہت اچھی لگتی ہو۔ اپنی پیاری پیاری باتوں اور حوصلہ افزائی سمیت دل میں بستی ہو میرے آپ دوستی بالکل پکی پکی اور میری یہ خوش نصیبی۔ باقی ثناء کنول زور قلم اور زیادہ۔ آپ کی معصومانہ باتیں بھی دل کو چھو لیتی ہیں۔ افشاں گڈیار لفظوں کا چناؤ ویلڈن۔ باقی قمر شہک پیارا لکھتی ہیں۔ شازیہ جی زبردست اور نائلہ طارق آپ کی ہر تحریر مجھے اچھی لگتی ہے۔ منظر نگاری واؤ۔ منجھے ہوئے رائٹر کی طرح لکھتی ہیں۔ رابعہ افضال مجھے آپ کا طرز تحریر بھی پسند ہے۔ فریدہ فرید ڈیسنٹ سی لگتی ہیں۔ باقی سب بھی میری دعاؤں میں رہتی ہیں۔ آپی ردا لیٹ ملنے کی وجہ سے سندیسے میں شامل نہیں ہو پاتی۔ سو یہ تحریر پلیز سندیسے میں لگایئے گا۔''

عانیہ نیازی..........ربوہ

''السلام علیکم پیاری آپی اور ردا اسٹاف و قارئین۔ بہت سی دعائیں اور پیار آپ سب کے لیے۔ آپ کی اتنی محبتوں اور چاہتوں کے لیے میں دل سے آپ سب کی شکر گزار ہوں، جزاک اللہ۔ چلیں جی اب بات ہوجائے اپنے پیارے ردا کی تو ماہِ اکتوبر کا شمارہ جیا بخاری کے خوب صورت ٹائیٹل سے سجا پورا کا پورا دل میں اتر گیا۔ مکمل ناول میں بسمہ ناز نے پہلی بار انٹری دی۔ کہانی کی تھیم تو اچھی تھی مگر میں سمجھتی ہوں کہ رشتوں کی تکرار کہانی کے حسن کو بعض اوقات متاثر کرتی ہے۔ مجھے یقین ہے بسمہ آگے اور بھی اچھا لکھیں گی۔ ویلڈن۔ ناولٹ میں اس بار بھرپور رونق نظر آئی مگر مجھے سب سے زیادہ ایقان علی کی ''زیب النساء'' نے متاثر کیا۔ ایقان علی ہر بار بہت منفرد لکھتی ہیں۔ میں ان کے موضوعات کے عنوان اور کہانی کے آغاز سے انجام تک بہت دھیان سے پڑھتی ہوں اکثر مجھے ایسا لگتا ہے کہ جیسے میرے دل کی بات ایقان نے لکھ دی ہو۔ ''ملے جب ہم تم'' اور ''محبت رائیگاں میری'' بھی اچھے تھے۔ افسانوں میں مریم شاہ، سحر مبین، ثناء ناز، شیریں تبسم، مون شاہ، فرح ناز رفیق سب نے بہت اچھا لکھا۔ ہر افسانہ انگوٹھی میں جڑے نگینے کی طرح فٹ تھا۔ سلسلے وار ناولز میں قمروش آپی پہلے نمبر پر جارہی ہیں۔ بہت ہی خوب صورت ناول ہے ان کا کہ پڑھ کر سحر سا طاری ہوجاتا ہے۔ نائلہ طارق کا ناول بھی دلچسپی برقرار رکھے ہوئے ہے اور شازیہ مصطفیٰ کی اس بار کی قسط ریپٹ تھی مگر شہریار حسن کی شادی کے سین نیو تھے تو بہت اچھی رہی۔ اب بات ہوجائے مستقل سلسلوں کی تو اس ماہ میں، خوشبو، ذرا پھر سے کہنا اور اشعار میرے فیورٹ سلسلے ہیں جو ہمیشہ کی طرح اس بار بھی اچھے تھے۔ ''کچن'' گوشت ریسپیز سے سجا زبردست تھا۔ دوستوں کا پیغام ایک دلچسپ سلسلہ ہے، خدا سے دعا ہے کہ ردا اپنا کامیابی کا سفر یونہی جاری و ساری رکھے، آمین۔''

رامین ناز..........بہاولپور

پیاری آپی! میں پہلی بار سندیسے کی محفل میں شرکت کررہی ہوں۔ اس یقین اور دعا کے ساتھ کہ آپ مجھے ضرور موقع دیں گی۔ ایک دوست کی توسط سے میں نے ردا کا مطالعہ شروع کیا اور اسے اپنی تنہائی کا بہترین رفیق پایا۔ اس میں شامل تمام رائٹرز نہ صرف خوب صورت لکھتی ہیں بلکہ ان کا اندازِ تحریر عام فہم اور سادہ و سلیس ہونے کی وجہ سے مجھ جیسی ایک کم پڑھی لڑکی کی سمجھ میں بھی آجاتا ہے ورنہ اکثر رائٹرز اتنے مشکل لفظوں کا استعمال کرتی ہیں کہ بندہ بات کو سمجھتا ہی رہتا ہے۔ خیر آپی اس بار تو میں نے ردا کی تعریف کے لیے آپ کو سندیسہ لکھا تھا۔ اگر آپ نے اسے شامل اشاعت کیا تو اگلی بار تفصیلی سندیسہ کے ساتھ سندیسہ کی محفل میں شامل ہوں گی۔ اپنا خیال رکھیے گا، اللہ حافظ۔''

......☆......

دوستوں کے نام پیغام

اپنی بہن کے نام

6 نومبر وہ خاص دن جب میری دنیا، میری پیاری واکلوتی بہن کی آمد سے مکمل ہوگئی۔ وہ بہن جس سے میرا رشتہ صرف خون کا ہی نہیں بلکہ یہ تعلق دل و روح کا بھی ہے۔ میری پیاری بہن جو میرے لیے باعث فخر ہے جو بہت ہونہار ہے اور جس پر میں نثار ہوں۔ دراصل یہ کہنا بجا ہوگا کہ افشاں کی چمک اس کی بہن ہی ہے اور آج جب میرا نام ردا میں چمکنے کا باعث بنتا ہے اور جس کی وجہ سے بنا ہے میں اپنے پیارے ردا کے توسط سے اپنے قلب، اپنی دنیا، اپنی سب سے اچھی دوست یعنی میری پیاری سی بہن کو اس مبارک دن پر چند الفاظ نذر کرتے ہوئے دل کی اتھاہ گہرائیوں، محبت کے آسمان کی وسعتوں اور پرخلوص چاہتوں کے سنگ سالگرہ وش کرتی ہوں۔

Happy birthday my lovely little princes.

اللہ سے دعا گو ہوں کہ وہ تمہارے نصیب میں بارش کی ان گنت بوندوں کی طرح خوشیاں برسائے، فلک پر چمکتے چاند کی مانند تمہارا نصیب چمکائے اور تم خوشنما کلی کی طرح ہمیشہ مہکو۔ آمین ثم آمین۔

دینے کو دعا بہت
اور قبولیت کا اک لمحہ بہت

میری پیاری لاڈلی سویٹ سی بہن سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔ اس پیاری سی نظم کے ساتھ

"عجیب منظر یہ دیکھا
خوشی کا رقص ہے ہر سُو
ہواؤں میں بسی ہے خوشبو
درختوں کے ہرے ہرے پتے
خوشی سے لہلہاتے ہیں
تو یہ محسوس ہوتا ہے
یہ سب خوشی سے تالی بجاتے ہیں
یا شاید گنگناتے ہیں
کوئی تو بات ہے ایسی، ہر شے پر ہے چھائی مستی
میرے دل میں ہوئی ہلچل
مجھے کچھ یاد آیا ہے
کہ دن ہے آج وہی شاید
چند سال پہلے جب
اسی دن کے کسی لمحے
جو تم دنیا میں آئیں تھیں
یہ موسم اور ہوائیں سب
درختوں کے ہرے پتے
پرندے اور فضائیں سب
خوشی سے کہہ رہے ہیں
تمہیں یہ دن مبارک ہو
خوشی کا دن مبارک ہو
تمہیں سالگرہ مبارک ہو
تمہیں سالگرہ مبارک ہو"

افشاں علی۔ کراچی

دوستوں کے نام

آداب! کیسے ہیں میرے سب پیارے

پیارے کیوٹ فرینڈز؟ اللہ کرے آپ سب ٹھیک ہوں اور مزے سے آتی ہوئی سردیوں کو انجوائے کررہے ہوں، آمین۔ رابعہ افضال، افشاں، سیما، ایمن، رباب، امبر، دھنک، عائشہ، مسکان اور دیگر سب دوستیں۔ معذرت جن کے نام نہیں لکھ سکی سب کو نیک تمنائیں، ہاں صبا عبدالغنی کیسی ہو؟ اقراء، بسم اللہ، صنم، فرح، ارم، نادیہ، کیسی ہو سب؟ تم سب تو خیر سے ٹھیک ہی ہو۔ نادیہ رزلٹ آگیا۔ ٹریٹ یاد سے۔ Bright star کو بہت بہت پیار۔

سحر مبین۔ فیصل آباد

پیارے پاپا، سویٹ صالحہ آپی، نورین ملک، R.J، رمشا اور تمام دوستوں کے نام

دعاؤں میں بسے لوگوں
سنو یہ رابطوں کی دنیا ہے
رابطوں سے رشتے ہیں
چاہتوں کے یہ سنگم خوبیوں کے یہ آنگن
دوستی کے یہ بندھن ہم کو یاد آئیں گے
آنے والے سالوں میں،
کس کے سنگ ہنسنا ہے
کس سے مل کر رونا ہے،
کب یہ اپنے بس میں ہے
مگر آسماں کی جانب، پھیلے ہاتھ کہتے ہیں
دل سے دل کا ہر تعلق، معتبر دعا سے ہے
دعاؤں میں بسے لوگوں
جہاں بھی رہو
صدا خوش رہو (آمین)

سیدہ فرزین حبیب۔ کراچی

Just for my husbend jee

کبھی روٹھ جاؤں تو منانا مجھ کو
پونچھ کر آنسو میرے کبھی ہنسانا مجھ کو
تنہا جاگنے کی ایک عادت سی ہے مجھ کو
اپنی پیار بھری آغوش میں سلانا مجھ کو
پھر رات میری گزرے تیری بانہوں میں
پھر صبح لبوں کو چوم کر جگانا مجھ کو

ریما نور رضوان۔ کراچی

افشاں علی کے نام

اک ذرہ ہاتھ بڑھا میری طرف
خود کو میرا تو ہمسفر کردے
تم میری زیست کا حاصل ہو
اتنا کہہ اور معتبر کردے (افشاں علی کہو تو پلیز)

ثناء کنول اللہ دتہ۔ لودھراں

کرن ناز کی امی جان کے نام

ڈاکٹر نثار احمد چوہدری کی غزل

ایثار و دلبری کا وہ پیکر چلا گیا
تھا دشت زندگی کا جو رہبر چلا گیا
اپنے پرائے سارے ہی دیکھے ہیں اشکبار
آنکھوں کا نور خواب کا خوگر چلا گیا
کرتا تھا جو دلیر سے لہجے میں گفتگو
مزدور کی صدا کا سخن ور چلا گیا
رنگ حیات موت کی گٹھڑی میں باندھ کر
ویران کر کے سارے منظر چلا گیا
ملتا تھا اس کو دیکھ کر جینے کا حوصلہ
تھا جرائتوں کا مرکز و محور چلا گیا
ہم کو دیکھا کر ہجر کی بستی کا راستہ
انجان منزلوں کا مسافر چلا گیا
پینے کو اشک کھانے کو غم کے سوا ہے کیا
دل کا تھا جو سکون وہ ساغر چلا گیا
وہ عجز و انکسار سے قطرہ بنا رہا
بچھڑا تو یوں لگا کہ سمندر چلا گیا
اس مصلحت مزاج منافق سے دور ہیں
اک تھا نثار سچا قلندر چلا گیا

مہرین خان۔ ڈیرہ اسماعیل خان

ردا کے دوستوں کے نام

میں ہمیشہ ردا کے پیغام کے سلسلے کو بہت دلچسپی

اور شوق سے پڑھتی ہوں۔ اس بار میں، میں بھی شامل ہو رہی ہوں کہ بہت دل چاہتا ہے آپ سے دل کی باتیں کرنے اور ملنے کا۔ سب رائٹرز اور قارئین نے جس طرح ردا کو سجایا سنوارا ہے یہ ایک بہت ہی قابلِ تحسین بات ہے مگر اس میں سب سے اہم شخصیت صالحہ آپی کی ہے جنہوں نے ہم سب کو یہ خوب صورت پلیٹ فارم دیا۔ جہاں ہم سب اپنی اپنی بولیاں بولیں۔ (ہاہاہا)۔ خیر جی بنڈل آف تھینکس۔ افشاں علی، گیتی آرا، فریدہ فرید، رابعہ افضال، ریما نور، فرح ناز، ثناء کنول کے آپ سب لوگ نہ صرف مجھے یاد رکھتی ہیں بلکہ میری آراء کو اہم بھی جانتی ہیں ورنہ مجھ ناچیز میں کچھ بھی خاص نہیں یہ سب آپ لوگوں کی محبت اور خلوص ہے۔ آپ سب خود اتنی پیاری ہیں کہ میرے دل سے بے ساختہ آپ سب کے لیے دعائیں نکلتی ہیں۔ خوش رہیے اور سدا مسکراتی رہیے۔

عانیہ نیازی۔ ربوہ

ردا کے فرینڈز کے نام

السلام علیکم! میں آپ سب کی محفل میں بے حد پیار و محبت اور عقیدت کے ساتھ حاضر ہوئی ہوں۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو خوش رکھے۔ افشاں علی، ثناء کنول، فریدہ فرید، گیتی آراء، مون شاہ، رابعہ افضال میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ آپ لوگوں کے مہکتے الفاظ کی خوشبو اس بات کا احساس دلاتی ہے کہ آپ سب ردا کا حصہ ہیں اور میں بھی ردا کا حصہ بننا چاہتی ہوں۔ امید کرتی ہوں کہ آپ لوگ میری دوستی کو قبول کریں گے۔ آپ سب کے جواب کی منتظر دعاؤں میں مجھ ناچیز کو بھی یاد رکھیے گا۔

رامین ناز۔ بہاولپور

زندگی کے نام

اے زندگی اکثر میں سوچتی ہوں کہ تو کبھی اتنی مہربان جیسے ماں کی دعا اور کبھی اتنی پر درد اور تکلیف دہ کے گھنی چھاؤں میں بھی تیز دھوپ کا احساس، تیرے اتنے روپ ہیں کہ میں آج تک نہ تیری تلخی کو سمجھ پائی اور نہ تیری نرمی کو مگر پھر بھی اے زندگی تیرا شکریہ کہ تو نے مجھے جینے کا ڈھنگ سکھا دیا۔

طیبہ علی۔ سیالکوٹ

حنا ناز کے نام

مائی ڈیئر حنا ہیپی برتھ ڈے ٹو یو اینڈ مینی مینی ریٹرن آف دا ڈے۔ سدا خوش رہو اور پھولوں کی طرح مسکراتی رہو اور ہماری دوستی یونہی قائم و دائم رہے، آمین۔ تمہیں حیرت ہو رہی ہو گی ناں ردا میں میرا پیغام اپنے نام دیکھ کر تو دیکھو کیسا سرپرائز دیا ناں۔ اب پورے کالج کو ردا کھول کر دکھانا کہ تمہیں میں نے ردا میں وش کیا ہے۔ مانتی ہو ناں۔ پھر میرے ذہین ترین دماغ کو (ہاہاہا)۔ قدر کرو میری کہ خدا نے اتنی ذہین دوست تمہیں دی (ہاہاہا) چلو پھر اب کالج میں مل کر تمہاری برتھ ڈے سیلیبریٹ کریں گے۔

صبا رشید۔ فیصل آباد

میری پیاری ماں کے نام

وہ ہستی مجھے بہت اپنی اپنی سی لگتی ہے
سنگ جس کے پوری کائنات معتبر لگنے لگتی ہے
اپنی زیست کی خوشیاں مجھ پہ نچھاور کرتی ہے
دیکھ کے میری آنکھیں نم وہ اکثر رونے لگتی ہے
مسکان اس کی ہر سو دھنک رنگ بکھیرتی ہے
جو ہو اداس تو کائنات ساری سونی لگنے لگتی ہے
وہ مسکراتی ہے تو گمان ہوتا ہے ایسے
مانو گلستاں میں جیسے کلیاں کھلنے لگتی ہیں
خدا نے بنائی ہے جنت قدموں تلے اس کے
اس کی آغوش میں آکے مجھے جنت ملنے لگتی ہے
یا خدا میری ماں کا سایہ یونہی ہم پر قائم رکھنا
بن اس کے یہ دنیا مجھے بیگانی دکھنے لگتی ہے

نوشین مدثر۔ لاہور

☆......

ردا کی شہزادیاں

شہلا گل سحر صالح

قارئین ردا کو میرا پیار بھرا سلام اور دوستی کا پیغام! میرا نام شہلا گل سحر ہزبینڈ نے آنکھیں نکالیں کہ خرچہ میرا کرواتی ہو کم سے کم میرا نام بھی ردا کی زینت بننا چاہیے۔ ورنہ ردا بند۔ خیر میکے کی لاڈلی اور سسرال کے لیے وبال جان (ہاہاہا) خیر مذاق کر رہی ہوں۔ کیا تعارف کرواؤں کہ لگتا ہے کہ صدیوں سے جان پہچان ہے آپ سے۔ قلم سے محبت اور لفظوں سے عشق تو بچپن سے ہے اور اس شعبے سے تعلق رکھنے والے ہر شخص سے بھی دلی وابستگی ہے۔ رشتہ اچھا لگتا ہے۔ ماں کا، دوستی کا اور میاں بیوی کا۔ موسم اچھے لگتے ہیں جو دل کو گدگدائے۔ بارش میں بھیگنا اور سردیوں کی دھوپ کو سینکنا۔ سردیوں کی اداس شاموں میں پہروں اداس ٹہلنا میرا پسندیدہ مشغلہ ہے۔ پیاری آنکھیں پیاری آواز اٹریکٹ کرتی ہے۔ پیارے دل اور میٹھے لہجے پھوار کی طرح برسنے والے دل کو بھاتے ہیں۔ پھول اچھے لگتے ہیں۔ موتیا، گلاب مگر ٹہنیوں پر۔ بچے اچھے لگتے ہیں۔ محلے کا کوئی ایسا بچہ نہیں ہے جو شہلا باجی کا دوست نہ ہو۔ دل گداز ہے۔ آنسو دوسروں کے درد کے لیے نکلنے کو تیار رہتے ہیں۔ خاموش، پرسکون اور خوب صورت جگہیں اٹریکٹ کرتی ہیں۔ مراقبے میں اکثر رہتی ہوں۔ ڈریس ڈیسنٹ اور سادہ اچھے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے شدید محبت ہے اور اس کی مخلوق سے بھی۔ کتابوں کا کیڑا ہوں جس دن کوئی نئی کتاب ہاتھ لگتی ہے سارا دن سرخوشی میں گزرتا ہے۔ تعلیم ماسٹر ایم ایڈ ہوں مگر ہاؤس وائف ہوں۔ بقول صالح ”شوہروں والی جاب نہیں کرتیں“ کوکنگ بہت اچھی کرتی ہوں۔ یقین کریں امی کے گھر بس گزارہ کر لیا مگر ادھر اللہ تعالیٰ کے کرم سے نئی چیز بھی بناؤ تو اچھی بنتی ہے۔ ورنہ شادی سے پہلے امی کہتی تھیں کہ تمہارا کیا بنے گا۔ ٹیچر تھی، ٹائم تو نہیں تھا۔ میرا سرمایہ میرے پیاروں کی بے لوث چاہت اور کھانے میں اللہ جی کی ہر نعمت پسند ہے۔ تکلیف ہوتی ہے جب صبا عبدالغنی کے علاوہ مجھے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ صبا یو آر بیسٹ اور باقی بھی خوش رہیں مگر اپنے خرچے پر۔ ردا کی دنیا میں آکے اپنے ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ ورنہ گردش دوراں میں تو بندہ خود کو کھو جاتا رہتا ہے۔ میرا الجھا سا تعارف کیسے لگا۔ بتائیے گا۔ خاص کر افشاں جی سندیسے میں ہمارا ذکر بھی کر لیا کیجیے۔

عائشہ اکمل

تارے اترے جب پھیلایا دامن کو
عید کے چاند میں دیکھا میں نے ساجن کو

چاند رات کی مہندی مجھ سے کہتی ہے
تم اک پیغام لکھو نا ساجن کو

السلام علیکم قارئین..... ایڈیٹرز، ریڈرز، دوستوں، بہنوں، صالحہ آپی، نورین آپی سب کو میرا محبت بھرا سلام قبول ہو۔

میرا نام عائشہ اکمل ہے۔ میں آپ کی پیاری سی رائٹر ثنا کنول اللہ دتہ کی بھابی اور بڑی نند ہوں۔ میں آپ سے اپنی زندگی کے انمول پل شیئر کرنا چاہتی ہوں۔

میری امی کا نام زیبو ہے۔ بابا کا نام حاجی رازق۔ ہم تین بہنیں اور چار میرے بھائی ہیں۔ بڑا بھائی طاہر، پھر فیضان، یاسین اور معراج۔ ہم بہنیں کوثر، عائشہ یعنی میں اور فاطمہ۔

مجھے مہندی لگانے کا بہت شوق ہے اور پارلر کا بھی بے حد شوق ہے۔ میرے گھر کے پاس پارلر والی رہتی بھی تھی۔ میری فیملی کو اعتراض تھا اس لیے میں سیکھنے سے رہ گئی مگر دل میں اب بھی خواہش ہے۔ سلائی کا بھی بے حد شوق ہے مگر ہائے ری قسمت۔ چاول میرے فیورٹ ہیں۔ نمکین اور نوڈلز بھی شوق سے کھاتی ہوں۔ لیکن کچھ چھوڑتی بھی نہیں ہوں۔ سب چٹ کر جاتی ہوں (ہاہا)۔ طاہر کی بیوی میری بڑی بھابی شاہدہ ہے اس بھائی کی مجھے بہت یاد آتی ہے مگر مجھے سب گھر والے کہتے ہیں ماں کے گھر جاؤ لیکن میرا امی کے گھر دل نہیں لگتا۔ ساسو ماں ہمیشہ مجھے سمجھاتی ہیں کہ جاتی ہو اور بیٹھتی تک نہیں ماں کے گھر۔ مگر میں بھی کیا کروں اکمل کے بغیر میرا ایک منٹ نہیں گزرتا۔ اکمل سعودی عرب میں کام کرتا ہے اور پہلے روزے سے ایک دن پہلے ہی وہ چلا گیا اپنے کام پر تو مجھے اب وہ بے حد یاد آتا ہے۔ 12 مارچ 2015ء کو جمعرات کے دن میری شادی ہوئی اور اکمل 18 جولائی کو سعودی عرب گیا۔ میرا شوہر میری ہر بات مانتا ہے۔ میرا بہت خیال رکھتا ہے تو مجھے بے حد خوشی ہوتی ہے۔ اس وقت ہلکی ہلکی بارش ہو رہی ہے اور مجھے اکمل کی بے حد یاد آ رہی ہے۔ میں اسے پیار سے مٹھو طوطا کہتی ہوں وہ میٹھی میٹھی باتیں کرتا ہے۔ وہ نہیں میرے پاس مگر میں اس کی تصویر کو ہمیشہ اپنے پاس رکھتی ہوں۔ اپنی ہونے والی بھابی ثناء کنول اللہ دتہ کو لکھتے دیکھ کر میرے دل میں بھی آیا کہ میں بھی کچھ لکھوں تو بس پھر لکھوانے بیٹھ گئی ثناء سے۔

میرے دل کی خواہش تھی کہ میری شادی سادگی سے ہو پھر میری دادی کی بہن اچانک وفات پا گئیں تو واقعی ہماری شادی سادگی سے ہی ہوئی۔ میں بچپن سے ہی شرمیلی ہوں۔ یاسین ہمیشہ مجھ سے مذاق کرتا ہے۔ آپ سب پلیز میرے شوہر کے لیے دعا کرنا۔ میری بھابی ثناء میرے ساتھ بے حد اچھی ہے خدا یاسین اور اس کی جوڑی سلامت رکھے، آمین۔

شیریں تبسم

مجھ سے ملیے میں ہوں شیریں تبسم۔ میرے نانا ابا نے میرا نام شیریں رکھا تھا۔ میں نے پوچھا آپ نے میرا نام شیریں کیوں رکھا تو کہتے تھے ''قائداعظم کی بہن کا نام تھا شیریں جناح، سو تمہارا نام یہ رکھا۔'' 18 ستمبر کو اس خوب صورت جہان میں آنکھ کھولی۔ تب سے اب تک بہت سے لوگ ملے جن میں کچھ اچھے ہیں اور کچھ بہت ہی اچھے۔ چار بہن بھائیوں میں سب سے بڑی ہوں۔ مجھ سے چھوٹی نورین اس سے چھوٹی ثمینہ اور سب سے چھوٹا بھائی حارث۔ میں نے اور نورین نے اسی سال ایجوکیشن میں گریجویشن کیا ہے اور ثمینہ نے انٹر کیا ہے اور حارث میرا دلارا بھیا 8th کلاس میں ہے۔ میں اسکول ٹیچر ہوں۔ پڑھانا میری خواہش بھی ہے اور شوق بھی۔ میرا اسٹار سنبلہ (Virgo) ہے اور اتفاقاً ساری خصوصیات مجھ میں موجود ہیں۔ (ویسے آپس کی بات ہے اسٹارز پر یقین نہیں رکھتی) بے حد حساس ہوں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو دل پر لے لیتی ہوں اور کبھی بڑے دکھ پر مسکرا کر رہ جاتی ہوں۔ کبھی کبھی یوں ہی اداس رہنے کو دل چاہتا ہے۔ جھوٹ پسند نہیں۔ غلطی ہو تو تسلیم کر لیتی ہوں۔ شاید..... ضدی نہیں ہوں۔ اپنی فیملی سے بے حد پیار ہے۔ تھوڑی سی سٹریل ہوں بہت جلد ہر کسی سے گھل مل نہیں پاتی جو ایک بار میرے دل سے اتر جائے پھر وہ مقام دوبارہ حاصل نہیں کر سکتا۔ اپنے کام سے کام رکھنے کی وجہ سے بہت سے لوگ کم گو اور مغرور سمجھتے ہیں مگر جو لوگ میرے بہت قریب ہیں وہی جانتے ہیں کہ کتنی شوخ و چنچل ہوں۔ تھوڑی سی بھلکڑ بھی ہوں۔ ایف ایم سننا اچھا لگتا ہے۔ دوست بنانا اچھا لگتا ہے۔ لباس میں شلوار قمیص اور بڑا سا دوپٹہ پسند ہے۔ رنگوں میں بلو کلر میرا موسٹ فیورٹ کلر ہے۔ پھول سارے پسند ہیں۔ ویسے تو برتھ ڈے نہیں مناتی۔ ہاں اگر کوئی وش کر دے تو خوش ہو جاتی ہوں۔ ہاتھوں پر لگی مہندی اچھی لگتی ہے۔ میٹھا شوق سے کھاتی ہوں۔ (شاید نام کا اثر ہے) اپنے ہاتھ کی بنی ہوئی چائے پسند ہے۔ چائے بالکل ٹھنڈی کر کے پیتی ہوں۔ ٹھنڈی ہوا برستی بارش بے حد پسند ہے۔ آسمان پر ستارے اچھے لگتے ہیں۔ اسکول لائف میں F.M پر کمپیئرنگ کرنے کا بڑا شوق تھا۔ پوری دنیا کی سیر کا شوق ہے۔ (آنکھیں سلامت تو خواب بہت ہاہا ہاہا) جیولری میں نازک سے ایئر رنگ پسند ہیں۔ مطالعہ کی شوقین ہوں اور یہ عادت میرے نانا ابا نے ڈالی۔ بچپن سے ہی نونہال پڑھتی آئی ہوں اور جب میں نونہال بک کلب کی ممبر بنی تھی اور کارڈ میرے گھر پر آیا تھا تب مجھے حد خوشی ہوئی تھی۔ اس وقت میں 5th کلاس میں تھی۔ اشفاق احمد، ہاشم ندیم پسندیدہ رائٹر ہیں۔ خلیل الرحمٰن قمر فیورٹ ڈرامہ رائٹر ہیں۔ ان کے ڈرامے کے ڈائیلاگ بڑے زبردست اور جاندار ہوتے ہیں۔ الفابیٹ میں S (ایس) پسند ہے اور S (ایس) سے شروع ہونے والے سارے نام بھی، آہم آہم۔ ایکٹر میں شاہد کپور اور کرینہ کپور اچھے لگتے ہیں۔ ویسے کرینہ کپور سے عافیہ یاد آ گئی۔ میری دوست عافیہ سیم ٹو سیم کرینہ کپور جیسی دکھتی ہے۔ عافی جلدی مجھ سے رابطہ کرو۔ ورنہ مجھے لگے گا کشمیری بے وفا ہوتے ہیں۔ جگجیت سنگھ، نصرت فتح علی خان صاحب کی غزلیں پسند ہیں۔ سنگر میں کشور کمار، مکیش، سجاد علی (اتنی پرانی نہیں میں بس پسند کی بات ہے)، سونو نگم، سارہ رضا خان، علی عباس، عاطف اسلم، ثریا گھوشال پسند ہیں۔ ارے توشی کا نام کیسے بھول گئی۔ توشی صابری تو موسٹ فیورٹ سنگر ہے۔ کچھ شاعری سے بھی رغبت ہے۔ صاف ستھرے، وقت کے پابند، خوش اخلاق، ذہین، دیانت دار، مستقل مزاج، اعتدال پسند جیسی اوصاف والے لوگ اچھے لگتے ہیں۔ اتنا تعارف کافی ہے ناں! اور لکھوں گی تو تعارف کم اور تعریف زیادہ ہو جائے گی (ہی ہی ہی ہی)۔ مجھ سے مل کر کیسا لگا ضرور بتایئے گا۔

پیار سے بڑھ کر نہیں دنیا میں کوئی روشنی
لی گئے یہ روشنی تو آئینہ ہو جاؤ گے
گفتگو میٹھی کرو ہر شخص سے جھک کر ملو
دشمنوں کے واسطے بھی دلربا ہو جاؤ گے

......☆......



مکس سپراوٹس

اجزاء

مکس دالیں : دو کپ
پیاز (کٹا ہوا) : دو عدد
لہسن (کٹا ہوا) : پانچ جوے
ٹماٹر (کٹے ہوئے) : دو عدد
املی کا پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
ناریل (پسا ہوا) : تین کھانے کے چمچ
گڑ : دو کھانے کے چمچ
تیل : دو کھانے کے چمچ
نمک : حسبِ ذائقہ
سرخ مرچ : چھ عدد
خشک دھنیا : ایک کھانے کا چمچ

ترکیب: پریشر ککر میں تمام دالیں تھوڑا سا پانی ڈال کر چار منٹ تک پکائیں۔ پین میں تیل گرم کرکے لہسن اور پیاز فرائی کرلیں پھر اس میں دالیں بھون لیں اور ناریل، ٹماٹر، گڑ، املی کا پیسٹ اور نمک شامل کرکے پانچ منٹ تک پکائیں۔ دھنیا چھڑک کر پیش کریں۔

کھٹی بریانی

اجزاء

پیاز : ایک پاؤ
چاول : ایک کلو
دہی : آدھا کلو
ہرا دھنیا (پسا ہوا) : ایک کپ
املی کا پیسٹ : آدھا کپ
سرخ مرچ (پسی ہوئی) : ایک چائے کا چمچ
زیرہ (ثابت) : ایک چائے کا چمچ
سوکھا دھنیا : ایک چائے کا چمچ
گرم مصالحہ (ثابت) : ایک کھانے کا چمچ
ادرک لہسن پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
گوشت : ڈیڑھ کلو
لیموں (رس) : دو عدد
ٹماٹر (کٹے ہوئے) : آدھا کلو
ہری مرچ : چار عدد
آلو بخارا : آٹھ عدد
نمک : حسبِ ذائقہ
ہلدی : ایک چائے کا چمچ
گھی : ایک کپ
زردہ رنگ : پون چائے کا چمچ

ترکیب: گوشت میں دہی، ٹماٹر، ادرک لہسن پیسٹ، پسا ہوا دھنیا، ہری مرچ، پسی ہوئی لال مرچ، نمک، سفید زیرہ، ہلدی اور دھنیا ملا کر آدھے گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ املی کا گودا، آلو بخارا اور لیموں کا رس ملا کر ایک طرف رکھ دیں۔ دیگچی میں گھی گرم کرکے پیاز فرائی کریں اور پھر گوشت ڈال کر پکائیں۔ گوشت بھن جائے تو املی والا آمیزہ اور ہری مرچ ڈال کر پکائیں

ایک بڑی دیگچی میں ہلکا سا گھی لگا کر چاول اور گوشت تہہ در تہہ بچھائیں اوپر زردے کا رنگ، ہرا دھنیا اور پیاز چھڑک دیں۔ پین میں ایک کھانے کا چمچ گھی گرم کرکے اس میں ثابت مصالحے بھون کر چاولوں پر ڈالیں اور بیس منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔

پولسو

اجزاء

ڈرم اسٹکس : چار عدد
ٹماٹر : ایک پاؤ
بھنڈی : ایک پاؤ
گھیا : ایک پاؤ
بینگن : ایک پاؤ
املی کا پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
نمک : حسبِ ذائقہ
سوکھا دھنیا : ایک چائے کا چمچ
چنے کی دال : دو کھانے کے چمچ
ہینگ : ایک چائے کا چمچ
چاول : دو کھانے کے چمچ
ثابت سرخ مرچیں : دو عدد
رائی : ایک چائے کا چمچ
میتھی دانہ : ایک چائے کا چمچ
ارد کی دال : ایک چائے کا چمچ
کڑی پتے : ایک ٹہنی
انڈا : ایک عدد
ہلدی : ایک چائے کا چمچ
سرخ مرچ پاؤڈر : ڈیڑھ چائے کا چمچ

ترکیب: سبزیاں درمیانے سائز کے ٹکڑوں میں کاٹ کر ان میں 3 کپ پانی، نمک اور ہلدی ڈال کر پکائیں۔ سبزیاں گل جائیں تو انہیں چمچ سے پیس کر گاڑھی سی گریوی بنالیں۔ ان میں املی کا پیسٹ، سوکھا دھنیا، چنے کی دال، ہینگ، چاول اور سرخ مرچ پاؤڈر شامل کرکے مزید پکائیں۔ ایک پین میں تیل گرم کرکے اس میں میتھی دانہ، رائی، ارد دال، ثابت سرخ مرچیں اور کڑی پتے ڈال کر کچھ دیر پکائیں اور سبزیوں میں شامل کرکے 2 منٹ تک پکائیں۔ اس آمیزے کو ڈرم اسٹک پر لگائیں اور پھینٹے ہوئے انڈے میں ڈپ کرکے تیل میں تل لیں۔

گوبھی منچورین

اجزاء

پھول گوبھی : ایک پھول
میدہ : پون کپ
لہسن پیسٹ : ایک چائے کا چمچ
تیل : دو کپ
کارن فلور : ایک کھانے کا چمچ
ادرک پیسٹ : ایک کھانے کا چمچ
پیاز (کٹا ہوا) : ایک کپ
اجینو موتو : پون چائے کا چمچ
ٹماٹو ساس : تین کھانے کے چمچ
ہری مرچ (کٹی ہوئی) : ایک عدد
سویا ساس : دو کھانے کے چمچ
دھنیا (کٹا ہوا) : سجاوٹ کے لیے
نمک : حسبِ ذائقہ
پانی : حسبِ ضرورت

ترکیب: گوبھی دھو کر بڑے پھولوں میں کاٹ لیں۔ ایک باؤل میں میدہ، کارن فلور، نمک، ایک چمچ لہسن و ادرک اور پانی ڈال کر پیسٹ تیار کرلیں۔ کڑاہی میں تیل گرم کریں اور اب گوبھی کے کٹے ہوئے پھول اس آمیزے میں ڈپ کرکے تل لیں۔ دوسرے پین میں لہسن و ادرک پیسٹ، پیاز اور ہری مرچ شامل کرکے کچھ دیر بھونیں پھر اس میں سویا ساس اور ٹماٹو ساس بھی شامل کردیں۔ فرائی گوبھی اس آمیزے میں ڈال کر مکس کریں اور ڈش میں نکال کر پیش کریں۔

ویجی ٹیبل چاؤمن

اجزاء

نوڈلز (ابلے ہوئے)	:	آدھا کپ
پیاز (کٹا ہوا)	:	ایک عدد
ہری پیاز (کٹی ہوئی)	:	ایک پاؤ
نمک	:	حسب ذائقہ
کالی مرچ	:	آدھا چائے کا چمچ
اویسٹر ساس	:	دو کھانے کے چمچ
ووسٹر ساس	:	حسب ضرورت
شملہ مرچ (کٹی ہوئی)	:	ایک عدد
بند گوبھی (کٹی ہوئی)	:	آدھا کپ
گاجر (کٹا ہوا)	:	ایک عدد
سیاہ زیتون	:	سات عدد
تیل	:	تین کھانے کے چمچ

ترکیب: گرم تیل میں ابلے ہوئے نوڈلز ڈال کر کچھ دیر پکائیں پھر اس میں پیاز، شملہ مرچ، گاجر، ہری پیاز، ٹماٹر، سیاہ زیتون اور بند گوبھی شامل کر کے چند منٹ پکائیں۔ سبزیاں نرم ہو جائیں تو نمک، کالی مرچ، ووسٹر ساس اور اویسٹر ساس شامل کردیں۔ سبزیاں گل جائیں تو ڈش میں نکال کر گرم گرم پیش کریں۔

چٹکی کیرٹ کیک

اجزاء

گاجریں (کش کی ہوئی)	:	تین کپ
براؤن شوگر	:	آدھا کپ
چینی	:	پون کپ
انڈے	:	دو عدد
ویجی ٹیبل آئل	:	آدھا کپ
ونیلا ایکسٹریکٹ	:	ایک چائے کا چمچ
ادرک پاؤڈر	:	آدھا چائے کا چمچ
میدہ	:	ڈیڑھ کپ
بیکنگ سوڈا	:	آدھا چائے کا چمچ
نمک	:	آدھا چائے کا چمچ
دار چینی (پسی ہوئی)	:	ایک چائے کا چمچ
اخروٹ (باریک کٹے ہوئے)	:	پون کپ
کریم چیز	::	ایک پاؤ
آئسنگ شوگر	:	پون کپ

ترکیب: باؤل میں گاجریں اور براؤن شوگر ڈال کر ایک گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ دوسرے باؤل میں انڈے پھینٹ لیں اس دوران آئل اور ونیلا ایکسٹریکٹ بھی آہستہ آہستہ شامل کرتے جائیں۔ پھر اس میں میدہ، بیکنگ سوڈا، نمک اور دار چینی اور آخر میں آدھے اخروٹ اور گاجریں بھی شامل کردیں۔ یہ آمیزہ بیکنگ ڈش میں ڈالیں اور 350 ڈگری فارن ہائیٹ پر پہلے سے گرم کردہ اوون میں 50 منٹ تک بیک کریں اور ٹھنڈا کرلیں۔ ایک پین میں چینی ڈال کر پکائیں۔ جب چینی پگھلنے لگے تو اس میں بقیہ اخروٹ ڈال کر مکس کریں۔ اس آمیزے کو بیکنگ پیپر میں رول کر کے کچھ دیر تک فریزر میں رکھ دیں۔ باؤل میں کریم چیز، آئسنگ شوگر اور ادرک پاؤڈر ڈال کر مکس کریں اور کیک کے اوپر پھیلا دیں۔ اس کے اوپر جما ہوا چینی اور اخروٹ والا آمیزہ لگائیں اور پیش کریں۔

گوآوا ڈیلائٹ

اجزاء

امرود	:	چار عدد (کاٹ لیں)
سیب	:	دو عدد (کاٹ لیں)
چینی	:	چار کھانے کے چمچ
کالا نمک	:	آدھا چائے کا چمچ
برف	:	حسب ضرورت
پانی	:	حسب ضرورت

ترکیب: برف کے علاوہ تمام اجزاء بلینڈ کرلیں۔ برف ڈال کر مزید بلینڈ کریں۔ سرونگ گلاس میں ڈال کر پیش کریں۔

......☆......

شہلا مشائق

سنگھار

جلد کے تمام مسائل کا حل درج بالا ہربل ٹریٹمنٹ میں ہے، داغ، دھبے، جھائیاں، کیل مہاسے، کھلے مسامات، جھریاں، بے رونق اور دھوپ میں جھلسی ہوئی جلد بہت جلد بول اٹھے گی۔

اب اگر آپ نے فیصلہ کرلیا ہے کہ ہمارے بنائے ہوئے ہربل ٹریٹمنٹ سے فیضیاب ہوں گی تو بہتر یہی ہے کہ کوئی ریڈی میڈ کریم کا استعمال نہ کریں پھر کیا کریں! آیئے ہم اس کا حل بھی پیش کرتے ہیں۔ آپ کو ایک کریم بنانے کا طریقہ بتاتے ہیں۔ اسے آپ رات کے وقت اپنے چہرے پر لگا سکتی ہیں۔ اگر آپ نے اس کریم کا استعمال موسم سرما میں بھی کیا تو اس کے زبردست نتائج آپ کو خود محسوس ہوں گے کڑکتی سردی میں بھی آپ کا چہرہ خشک نہیں ہوگا گرمی میں بھی یہ اپنے بہترین اثرات چھوڑے گا کسی قسم کا شک وشبہ کیے بغیر استعمال کیجیے، مگر روزانہ بارہ گلاس پانی پینا اپنا معمول بنالیں۔

☆......ٹانیٹ کریم......☆

بادام چار عدد چھلے ہوئے، اخروٹ ایک عدد گریاں نکال لیں، مونگ پھلی چند دانے باریک پیس لیں، بالائی چار چائے کے چمچ کھیرے کا رس دو چائے کے چمچ، عرق گلاب ایک چائے کا چمچ۔

تمام اجزاء کو ملا کر کھلے منہ کی بوتل میں بھر لیں حسب ضرورت رات کو سونے سے قبل چہرے اور گردن پر ملیں، آنکھوں کے اطراف میں بھی لگائیں، جلد میں کریم جذب کرلیں۔ آدھے گھنٹے کے بعد ٹشو پیپر سے نرمی کے ساتھ صاف کرلیں۔ یہ کریم آپ کی جلد کو قدرتی رعنائی بخشے گی۔ اس سے جلد متوازن ہوجائے گی نہ خشک ہوگی نہ چکنی، چہرے کی ملائمت دیکھ کر کھلتے گلاب کا احساس ہوگا اور یہ خوبصورت احساس آپ کے اندر مزید دلکشی پیدا کرے گا۔ اگر آپ نے یہ کریم متواتر اپنے استعمال میں رکھی تو آپ کو شدت سے احساس ہوگا کہ خوانخواہ آپ طویل مدت سے کاسمیٹک کی خریداری پر اپنا پیسہ برباد کررہی تھیں۔

☆......بالوں کا ڈائی......☆

جس طرف نگاہ ڈالیں آج کل خواتین کے بال مختلف انداز میں کلر کیے ہوئے نظر آتے ہیں۔ چند لٹوں کو رنگوں کے ذریعے چمک اور تبدیلی عطا کر کے بالوں کو پرکشش اور جاذب نظر بنادیا گیا ہے۔ یہ ہے جدید میک اپ کا کمال۔ ہیئر کلر یا ہیئر ڈائی کوئی دور جدید کا فیشن نہیں ہے بلکہ یہ زمانہ قدیم سے ہی رائج ہے پہلے ہماری بزرگ خواتین سولہ سنگھار میں مہندی کے ذریعے بالوں کو رنگنا بھی شمار کرتی تھیں۔ لیکن دور جدید میں نت نئی ترکیبوں کی ذریعے زلفوں کو رنگت عطا کی گئی ہے۔ اب ہر عمر کی خواتین پوری نہیں تو چند

لٹیں ہی سہی رنگدار بنائے لوگوں کی توجہ اپنے جانب مبذول کر لیتی ہیں مختلف تہذیبوں کی خواتین کو بھی یہ شوق تھا۔ مہندی کے علاوہ بلیچ کے ذریعے بھی بالوں کو رنگا جاتا تھا۔ مگر یہ ٹیکنالوجی اتنی ایڈوانس نہیں تھیں جتنی کہ اس وقت ہو چکی ہیں۔

کیمیائی ہیئر ڈائینر

ہمیشہ اچھی کمپنی اور عمدہ کوالٹی کی ہیئر ڈائی استعمال کریں ورنہ آپ کے بال نہ صرف یہ کہ بدرنگ ہو جائیں گے بلکہ سفید ہونا شروع ہو جائیں گے۔ ڈائیز میں موجود کیمیکل بالوں کی جڑوں میں خشکی یا خارج بھی پیدا کر دیتے ہیں اس کے علاوہ بال خشک روکھے پھیکے اور بے جان ہو جاتے ہیں۔ نباباتی اجزاء یعنی آملہ، ریٹھہ، سیکا کائی، حنا وغیرہ سے بنے ہوئے جیل، ٹانک اور شیمپو بازار میں دستیاب ہیں۔ ان کے استعمال سے یہ فائدہ ہوگا کہ یہ بالوں کی صحت کو برقرار رکھیں گے۔

ہربل ہیئر ڈائیز

نیچرل، ہربل سے بنے ہوئے ڈائیز اچھے سمجھے جاتے ہیں۔ نیچرل ویجی ٹیبل پروڈکٹس سے تیار کردہ ڈائیز کیمیکل کے مقابلے میں زیادہ فائدہ مند ہوتے ہیں اس لئے ڈائیز خریدنے سے پہلے اچھی طرح چھان بین اور دیکھ بھال کر لیں۔

کافی اور کتھے کا استعمال

حنا کے ذریعے بالوں کو رنگنے کے عمل سے سب ہی واقفیت رکھتے ہیں لیکن اچھا کلر لانے کے لئے خواتین جتنے جتن کرتی ہیں اس میں کافی اور کتھے کا حنا میں استعمال ہے۔ جس سے بالوں میں سرخ کے بجائے براؤن کلر چڑھ جاتا ہے جس میں دلفریب سرخی بھی شامل ہوتی ہے۔ اگر آپ کے بال قدرتی طور پر براؤن ہیں اور آپ اسے مہندی کے ذریعے رنگنا چاہتی ہیں تو اس کا کلر آپ کے بالوں کے لئے بہترین ہے لیکن اگر اسے کالے بالوں میں استعمال کریں تو براؤن بال والی بات تو نہیں ہوگی مگر بالوں کو صحت ضرور ملے گی۔

پرشین ڈائی

نیل (Indigo) بالوں کو نیلگوں کر دیتا ہے اسے مہندی میں ملا کر ''پرشین ڈائی'' کا نام دیا گیا۔

اخروٹ کے چھلکے کا کلر

اکثر خواتین اخروٹ کے چھلکے کو پانی میں ابال کر اس میں مہندی مکس کرتی ہیں۔ لہٰذا اخروٹ کے چھلکے کا کلر بھی اس میں شامل ہو جاتا ہے۔ یہ بالوں کے لئے بہترین کنڈیشنر بن جاتا ہے۔

پتی، پیاز کے چھلکے اور لونگ

چونکہ مہندی اگرچہ بالوں کو سرخ رنگت عطا کرتی ہے لہٰذا بالوں کے کلر کو گہرا کرنے کے لئے یعنی مہندی کی سرخی میں سیاہی شامل کرنے کے لئے اکثر خواتین پانی میں چائے کی پتی، پیاز کے چھلکے اور چند دانے لونگ کو خوب جوش دے کر اس پانی سے مہندی گھولتی ہیں جس سے بالوں میں سرخی مائل سیاہی رنگت آجاتی ہے اور سفید ہونے والے بال کا اپنا ایک کلر ہو جاتا ہے۔

آملہ، ریٹھا، سیکا کائی

آملہ، ریٹھا، سیکا کائی ثابت بھگو کر یا اس کے پاؤڈر لے کر پانی میں ملا کر اگر آپ بال دھوئیں یا بالوں میں کچھ دیر لگائے رکھیں تو اس سے بھی بالوں پر سیاہ رنگ آجاتا ہے۔ یہ سیاہ رنگ اپنے اندر اتنی قوت رکھتا ہے کہ شیمپو سے بھی نہیں نکلتا لیکن اگر آپ بالوں میں کوئی کیمیکل لگائیں تب آملے کی رنگت آپ کی انگلیوں پر آجائے گی۔ مذکورہ تینوں اجزاء کا مرکب بالوں کو چمک، صحت، تندرستی، درازی اور مضبوطی عطا کرتا ہے۔

